اِسلامی نظامِ خلافت

اور ہماری ذِمّہ داری

قرآن و سُنّت کی روشنی میں

تالیف
مولانا محمد زاہد اقبال مدظلہ

اِدارۂ نشریاتِ محمود حسن

نام کتاب	......	اسلامی نظام خلافت اور ہماری ذمہ داری
نام مؤلف	......	مولانا محمد زاہد اقبال
تعداد صفحات	......	456
تعداد	......	1100
تاریخ اشاعت اوّل	......	دسمبر 2006ء
تاریخ اشاعت دوم	......	مئی 2008ء
ناشر	......	ادارہ نشریات محمود حسنؒ سیکنڈ فلور، رحمٰن پلازہ، مچھلی منڈی، اُردو بازار لاہور
قیمت	......	

عرضِ ناشر

ادارہ نشریات محمود حسن حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یادگار ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ نے اپنے شیوخ واساتذہ خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے جو کسبِ فیض کیا اور احیاء اسلام اور فرنگی سامراج سے آزادی کا جو نظریہ اور تربیت پائی، اس کے مطابق آپ نے مختلف شکلوں میں تحریک جاری رکھی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران افغانستان اور خلافتِ عثمانیہ کے تعارف سے انگریزوں کے اخراج کی کوشش کی۔ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد اور مالٹا سے واپسی پر بھی آخری سانس تک احیاء اسلام کے لیے کوشاں رہے۔ ادارہ نشریات محمود حسنؒ اسی عظیم شخصیت کے نام سے منسوب ہے اور اسی مناسبت سے اسے ''اسلامی نظامِ خلافت اور ہماری ذمہ داری'' جیسی علمی و تحقیقی اور قابلِ قدر کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل ہو رہا ہے اور آئندہ بھی اس اہم موضوع کے حوالے سے تحقیقی کتب کی اشاعت کا عزم ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائیں، مؤلف کو مزید علمی و تحقیقی کام کی توفیق عطا فرمائیں اور ادارہ نشریاتِ محمود حسنؒ کی انتظامیہ کو ایسی کتب کی اشاعت کے لیے مزید توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

مدیر

ادارہ نشریات محمود حسنؒ

لاہور

اجمالی فہرست

اسلامی نظامِ خلافت اور ہماری ذمہ داری

حصۂ اوّل

احیاءِ خلافت کیوں اور کیسے؟

حصۂ دوم

تقریظ

شیخ الحدیث والتفسیر، استاذ العلماء، مرشد المجاہدین
حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لِلّٰہ و کفٰی و سَلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی ' اما بعد!

محترم و مکرم حضرت مولانا محمد زاہد اقبال صاحب کی قابل صد ستائش و تحسین تالیف ''اسلامی نظام خلافت اور ہماری ذمہ داری'' کے جستہ جستہ' چیدہ چیدہ مباحث کے مطالعہ سے دل و دماغ منور ومعطّر ہوئے' ماشاء اللہ محترم مولانا موصوف نے اپنی اس مایہ ناز وقیع کتاب میں اسلامی نظام کے جملہ جوہری اصول وضوابط کو پوری جامعیت کے ساتھ کتاب وسنت اور مستند تاریخی حقائق کی روشنی میں شستہ' شگفتہ اردو زبان میں مکمل بسط وتفصیل سے زیب قرطاس فرما دیئے ہیں۔ خلافت کے اہم موضوع پر علماء متقدمین ومتاخرین نے متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مگر

ے ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'

محترم مولانا کی یہ جدید کتاب اپنی دقیق تنسیق وترتیب' پرکشش سلاست کے پیش نظر منفرد' ممتاز تصنیف ہے۔ ربّ العالمین جلّ جلالہ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد میں سے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو خلافت کے عظیم منصب سے نوازا' حضرت خاتم النبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظام خلافت کے تمام اہم شعبوں کا نظم ونسق مکمل فرمایا' ہجرت کے بعد آپ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر فرمائی اور اس میں قرآن وحدیث کی تعلیم کیلئے ایک خاص جگہ متعین فرمادی جواب بھی صفّہ کے نام سے موجود ہے تاکہ اس علمی وانشکدہ میں صحابۂ کرام کو تہذیب نفس' تدبیر منزل' سیاست مدنیہ' معاشی' اقتصادی' سیاسی' عسکری' ملک گیری' ملک داری' امور جہان بانی' اور دیگر اہم امور کی تعلیم دی جاسکے' اسی عظیم مرکز

علوم اسلامیہ کے فارغ التحصیل فضلائے کرام حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم وارضاھم نے منہج نبوی کے مطابق خلافت راشدہ کے عادلانہ نظام کے بدولت قیصر وکسری کے ظلم واستبداد سے کروڑوں انسانوں کو نجات بخشی اور صدیوں تک اسی مقدس نظام خلافت کے سایہ میں کرۂ ارضی کا اکثر وبیشتر حصہ امن وسکون، راحت ونشاط، ترقی واستحکام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ایک طرف اس عادلانہ سماوی نظام نے مدینہ منورہ سے قسطنطنیہ (یورپ) تک کروڑوں انسانوں کے دلوں کو فتح کرلیا تو دوسری طرف براعظم افریقہ کو دینی انوار سے روشن کیا۔علمائے محققین خلافت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ھی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة، واقامة أرکان الاسلام، والقیام بالجهاد وما یتعلّق به من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلة و اعطاء هم من الفیئی والقیام بالقضاء، واقامة الحدود، ورفع المظالم، والأمربالمعروف والنهی عن المنکر نیابةً عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلم،

اورعلمائے کرام کی یہ تعریف قرآن مجید سے ماخوذ ہے۔

(اَلّذِیْنَ اِن مَّکَّنّا هُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَاٰتُوْا الزَّکَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنکَرِ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ)

افغانستان کے نیک سیرت، پاک طینت طالبان کرام نے اسی اسلامی نظامِ خلافت کی بدولت افغانستان میں خلافت راشدہ کے حسین مناظر سے تمام عالم اسلام کے حلقہ بگوشان اسلام، فرزندان توحید کے دلوں میں مسرّت وابتہاج کی لہریں دوڑائیں، ظلم واستبداد، جبر وبربیت کی چکیوں میں پسنے والے مظلوم ومقہور مسلمانوں کے قلوب میں مردہ امیدیں زندہ ہوگئی تھیں کہ اب ہم صیہونیت کے درندوں اور صلیبی وحشیانہ بہیمانہ ایٹمی بموں سے نجات پاسکیں گے مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، تمام کفری طاقتیں طالبانِ افغانستان کے اسلامی نظام خلافت کے پیش نظر اسلام کی نشات ثانیہ سے لرزان وترسان ہوگئے۔انہوں نے نائن الیون کا ڈرامہ کرکے خلافت راشدہ کی نہج پر رونما ہونے والی اسلامی امارت کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کیلئے اپنی تمام طاقتوں کو استعمال کیا، ہزاروں میل دور سے آکر ایک پُرامن، باوقار عادلانہ اسلامی حکومت کو کروڑوں ٹن لوہے کی آتشین چادر کے نیچے دفن کردیا۔ ہزاروں مساجد، خانقاہیں، دینی مدارس، مراکز، شہروں بستیوں کو پیوند خاک کردیا، اسلام کو دہشت گردی اور مسلمانوں کو دہشت

گرد کے بدنما ناموں سے رسوا کردیا' پھر عراق' فلسطین' بیروت و لبنان اور کشمیر میں یہی استعماری درندے نہتے مسلمانوں کے خون' وعصمت دری سے کھیل رہے ہیں۔

ے اے بسرا پردۂ یثرب بخواب — خیز کہ شد مغرب و مشرق بخواب
اے تہی از شوق و ذوق وسنز و درد — مے شناسی عصرِ باماچہ کرد
عصر' مارا ز ما بیگانہ کرد — از نگاہِ مصطفیٰ بیگانہ کرد

ایسے روح فرسا' ناگفتہ بہ حالات میں محترم حضرت مولانا محمد زاہد اقبال صاحب کی یہ روح افزا' ایمان پرور تالیف ایک نیک فال سمجھتا ہوں۔ رب العالمین جلّ جلالہ کے سچے وعدوں پر محکم یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ معصوم شہدائے اسلام کا مقدس خون' سربکف مجاہدین کرام کے یہ عظیم' محیرالعقول جہادی کارنامہائے نمایاں ضرور ایک دن رنگ لائیں گی اور محترم مولانا موصوف کی یہ محققانہ' پرمغز' علمی بصیرت سے رقم شدہ تالیف خلافت اسلامیہ کے قیام کے پیش خیمہ ثابت ہوگی' وما ذلک علی اللہ بعزیز' ربّ العالمین جلّ جلالہ کی بارگاہِ عالیہ میں دست بدعا ہوں کہ وہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس گرانقدر تالیف کو شرفِ پذیرائی بخشے اور مؤلف موقر (بارک اللہ فی علومہ واعمالہ وحفظہ ورعاہ) کے صحیفۂ اعمال کو اس زرّین کتاب سے وزنی بنادے۔

واللہ من وراء القصد و هو یتقبّل الصالحات و صلی اللہ تعالٰی علی اشرف رسلہ و خاتم الانبیاء و علی آلہ و أصحابہ اجمعین الطیبین الطاہرین'

کتبہ'
احقر العباد الی اللہ تعالیٰ
شیر علی شاہ
خادم الطلباء' بجامعۃ دارالعلوم حقّانیہ اکوڑہ خٹک

تقریظ

حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راقم مؤلف کتاب حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کتاب کے مسودے کے ساتھ حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کی تحریر کردہ تقاریظ دکھائیں تو حضرتِ اقدس نے مسودے کے چیدہ چیدہ مقامات دیکھے۔ موضوع کتاب کی ترتیب اور مواد کے حوالے سے تحسین کی اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ پھر اپنی پیرانہ سالی اور بیماری کی بنا پر فرمانے لگے کہ چونکہ دیگر حضرات نے تقاریظ لکھ دی ہیں اور وہی کافی ہیں لہٰذا میں صرف مزید تائید کر دیتا ہوں۔ چنانچہ درج ذیل بابرکت کلمات تحریر فرمائے۔

تقریظ

حضرت مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ، جنرل سیکرٹری پاکستان شریعت کونسل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ تبارک و تعالیٰ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم
و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین

مولانا محمد زاہد اقبال صاحب کی تصنیف ''اسلامی نظامِ خلافت اور ہماری ذمہ داری'' کا مسودہ ایک نظر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے قرآن وسنت، فقہ اسلامی اور تاریخ کی روشنی میں اس مسئلہ پر اچھا خاصا مواد اور معلومات یکجا کر دی ہیں اور اس کے لیے بہت محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

خلافت اسلامیہ کا احیاء آج ملت اسلامیہ کی اہم ترین ضرورت ہے اور گزشتہ پون صدی کی تاریخ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ خلافت کا ادارہ جیسا کیسا بھی موجود ہو، مسلمانوں کی مرکزیت کا احساس قائم رہتا ہے اور بہت سے مسائل اس کی برکت سے ہی حل ہو جاتے ہیں۔ آج ہم اس مرکزیت کی غیر موجودگی کی وجہ سے عالمی سطح پر بہت سی پریشانیوں اور مشکلات سے دوچار ہیں، جس کا اس کے سوا کوئی حل نظر نہیں آتا کہ خلافت کا دوبارہ احیاء ہو اور ملتِ اسلامیہ ایک مرکز کی راہ نمائی میں مشکلات ومسائل کے اس خوفناک بحران سے نکلنے کے لیے مشترکہ محنت کرے۔

خلافتِ اسلامی کے شرعی احکام اور اہمیت کو اجاگر کرنے اور اہل اسلام کو اس کی ضرورت کا احساس دلانے کے لیے علمی اور فکری جدوجہد کی سخت ضرورت ہے۔ مولانا محمد زاہد اقبال صاحب کی یہ تصنیف اس حوالہ سے مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے زیادہ سے زیادہ افراد کے لیے استفادہ کا ذریعہ بنائیں اور مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

ابو عمار زاہد الراشدی

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب دامت برکاتہم العالیہ
رئیس کلیۃ التخصص، جامعۃ الرشید کراچی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم اما بعد !

تقریظ لکھنا کئی اعتبار سے مشکل کام ہے اور اس وجہ سے تو بہت ہی مشکل ہے کہ تقریظ نویسی میں لغزش، کتاب اور تقریظ نگار دونوں کی ثقاہت کو مجروح اور عدالت کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ اس وجہ سے بندہ اس خدمت سے کہیں کنی کتراتا رہا ہے لیکن زیرِ نظر کتاب پر بندہ نے دو وجہ سے دلی رغبت اور خوشگوار قلبی کیفیت کے ساتھ کچھ لکھنے کی ہمت کی۔ ان دو وجوہ کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

خلافت، اسلامی شریعت کا وہ حکم ہے جسے قائم کرنے کی ذمہ داری امت کے کندھوں پر اجتماعی طور پر ڈالی گئی ہے اور یہ تمام اجتماعی احکام میں سے سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ افادیت کا حامل اور اسلام و مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ خیر و برکت کا سبب ہے۔ اس سے تمام اسلامی شعائر، اسلامی عبادات اور مسلمانوں کے تمام حقوق کی حفاظت و حمایت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام زمین پر زندہ ہوتے ہیں اور کائنات کی تخلیق کا مقصد وجود پذیر ہوتا ہے۔ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے دشمنوں نے اس حقیقت کو خوب پہچانا ہے اور ان کی تمام تر کوشش یہ رہی ہے کہ اس مرکزی ادارے کو مجروح یا ختم کیا جائے۔ 1924ء میں صلیبی طاقتوں اور صہیونی سازشوں کے باعث یہ ادارہ روئے زمین سے ختم ہو گیا اور اس کے بعد مسلمان اس قدر بے حوصلگی اور پست حالی کا شکار ہوئے ہیں کہ آج کرۂ ارض پر بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت جانتی ہی نہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کا یہ مؤکد حکم ان سے چھوٹا ہوا ہے اور وہ اس کو قائم نہ کر کے دارین کے فوائد و برکات سے محروم اور خسارے کا شکار ہو رہے ہیں۔

اس فریضۂ شرعیہ کے احیاء کے لیے جہاں مجاہدین اسلام کو اپنی سعید روحوں کو خدا کی راہ میں قربان کرنا ہوگا وہیں ملت کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والوں پر فرض ہے کہ وہ دین و دنیا کے محافظ اس حکمِ

خداوندی کی تجدید واحیاء کے لیے اپنی مقدور بھر کوششوں کو بروئے کار لائیں اور جان لیں کہ جب تک یہ ادارہ دوبارہ قائم نہیں ہو جاتا اس وقت تک ہم اجتماعی طور پر قصوروار اور دارین کے خسارے میں گرفتار رہیں گے۔ تعجب ہے کہ عصرِ حاضر کے اہل قلم نے اس موضوع پر ویسا کام نہیں کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنتِ مبارکہ کا حق تھا۔ نوجوان فاضل مولانا محمد زاہد اقبال کی زیر نظر کتاب دیکھ کر بندہ کو دو طرح سے مسرت ہوئی۔ ایک تو اس اہم ترین موضوع پر تالیف کا سامنے آنا اور دوسرا مضامین کی حسن ترتیب اور سادہ بیانی۔ علمی مآخذ سے استفادہ واستدلال اور نکتہ آفرینی بھی خوب ہے۔

ایک نوخیز فاضل کی طرف سے موضوع کا حسنِ انتخاب اور متعلقہ مواد کی سلیقہ مندی، اعتدال اور علمی انداز میں پیش کش قابل داد ولائق تحسین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے موضوعات پر ثقاہت اور علمیت سے ہٹ کر ایک قدم بھی نہیں چلا جا سکتا اور موصوف اسی وجہ سے اتنی دور تک جا سکے ہیں کہ انہوں نے ان چیزوں کا دامن ایک لمحے کے لیے بھی چھوٹنے نہیں دیا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اپنے قلم کو اسی طرح کے اچھوتے اور مفید موضوعات کے لیے وقف کیے رکھیں اور اسی طرح کے تعمیری اور فکر ونظر، جہد وعمل کو جلا بخشنے والے علمی کاموں کی تکمیل کرتے رہیں۔ (آمین)

شاہ منصور

۱۰/شعبان ۱٤۲۵ھ

بعد ظہر بروز سبت

پیش لفظ

۲۵ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۴ء میں راقم نے تدریس کے ساتھ تحقیق وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ احیاءِ خلافت کے بنیادی فریضے کی ادائیگی کے حوالے سے اسلامی نظامِ خلافت پر تحقیقی کام کی اشد ضرورت محسوس کی گئی۔ مفسرین اور محدثین نے آیات واحادیث کے تحت اس اہم موضوع پر مختصراً بحث کی ہے اور بعض آئمہ نے مستقل کتب تصنیف کی ہیں۔ عربی میں تو اس موضوع پر قدیم اور جدید کتب موجود ہیں لیکن اردو میں اس پر قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ راقم کو اپنی علمی کم مائیگی کا خوب احساس ہے لیکن چونکہ دیرینہ رفقا کرام کی طرف سے ذمہ داری عائد کی گئی تھی اس لیے اس سنجیدہ، مشکل اور پیچیدہ موضوع پر قلم اٹھایا گیا۔ راقم نے اپنی بساط کے مطابق ''اسلامی نظامِ خلافت اور ہماری ذمہ داری'' کے نام سے مجموعہ تیار کر کے بعض جید اور مستند علما کرام کی خدمت میں اصلاح وتاثرات کے لیے پیش کیا تو انہوں نے حوصلہ افزائی فرمائی جس کے بعد اس کی اشاعت کا ارادہ کیا گیا تا کہ

(الف) اردو میں اس موضوع کے حوالے سے پائے جانے والے خلا کو پر کیا جا سکے۔

(ب) نظام خلافت کے سقوط کے بعد سے نظام خلافت سے متعلق پائی جانے والی لاعلمی اور بےشعوری کو ختم کیا جائے۔

(ج) اقامتِ خلافت کی شرعی حیثیت کو واضح کر کے مسلمانوں میں اس بنیادی فریضے کی ادائیگی کے حوالے سے شعور وآگہی پیدا کی جائے اور انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کر کے احیاءِ خلافت کی جدوجہد کے لیے آمادہ کیا جائے۔

(د) احیاءِ خلافت کے حوالے سے ہونے والی فکری ونظریاتی تربیت کے لیے مواد فراہم کیا جائے۔

اللہ رب العزت سے صمیم قلب کے ساتھ دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مذکورہ مقاصد کے

حصول کا ذریعہ بنائے اور اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں بارہ فصلیں ہیں جن میں خلافت کی تاریخ، پس منظر، مختلف ادوار، مسلمانوں کا زوال اور خلافت کا سقوط، احیاء خلافت کے لیے ہونے والی جدوجہد کا تعارف اور تبصرہ وتجزیہ اور احیاءِ خلافت کے حقیقی منہج پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں دس ابواب ہیں جن میں اسلامی نظامِ خلافت کی بنیادی مباحث کو بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی نظامِ خلافت ایک وسیع موضوع ہے جس پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کتاب میں اس کی بنیادی مباحث پر قلم اٹھایا گیا ہے گویا اسے اس سلسلے کا پہلا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس موضوع پر مزید تحقیقی کام کے لیے افراد اور وسائل و ذرائع مہیا فرمائے آمین ثم آمین۔

اس کتاب میں بیان کردہ بیشتر مباحث میں اختصار سے کام لینے اور تکرار سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لیے قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ بغور اور یکسوئی کے ساتھ مطالعہ فرمائیں اور مشکل پر بارِ دیگر غور فرما لیا کریں تاکہ مطالب بخوبی سمجھ آ جائیں۔

اس کتاب کی تیاری میں جس کسی نے جس قسم کا بھی تعاون کیا ہے، راقم ان کا شکرگزار اور ان کے لیے دعا گو ہے۔ کتاب کی تیاری میں جن مدارس کے کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے اللہ پاک ان کے منتظمین کو اجرِ آخرت سے نوازے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول کرتے ہوئے اسے احیاء خلافت اور غلبۂ اسلام کا ذریعہ بنائیں اور مؤلف کو دارین کی سعادتوں اور عطاؤں سے نوازیں۔ آمین ثم آمین

محمد زاہد اقبال

۱۷۔۱۰۔۱۴۲۷ھ بعد صلوۃ الجمعہ

حصہ اوّل

احیاء خلافت کیوں اور کیسے؟

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا وَعَمِلُوۡا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِنۡ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا (النور: ۵۵)

’’تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں اس طرح حکمران بنائے گا جس طرح ان لوگوں کو حکمران بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور جس دین کو خدا نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس دین کو ان کے لیے مستحکم کر دے گا اور اس وقت دشمن کا جو خوف ان کو لاحق ہے، ان کے اس خوف کو امن سے بدل دے گا۔‘‘

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فصلِ اول

خلافتِ ارضی اور ضابطہ حیات

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عظیم الشان ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اسے مخلوقات کی تسبیحات و تقدیسات کی کوئی حاجت نہیں، مخلوق کی طرف سے تعریف وتوصیف سے اس کی عظمت و کبریائی میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ اس کی نافرمانی اور اس کے دیے ہوئے اصولوں اور قوانین کی خلاف ورزی سے اس کی شان میں کوئی کمی آتی ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کا مرہونِ منت ہے اور جن وانس اس کی رضا کے حصول کے لئے اس کی تحمید و تمجید کرنے کے محتاج ہیں، البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صفاتِ جمال وجلال کے ظہور کے لئے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے اس میں بسانے کے لئے جن وانس پیدا کیے۔ ان دونوں کی رہائش اور گزر بسر کے لئے کائنات کی مختلف اور متعدد چیزوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھا کر ایامِ حیات کو بسہولت گزار سکیں۔ جن وانس کی تخلیق کا جو بنیادی مقصد ہے اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ﴾

(الذریات: ۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جن وانس کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصول وقوانین عطا فرمائے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنے رب کی رضا حاصل کر سکتا اور اس کے دربار میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ (البقرة)

ترجمہ: ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔

علامہ آلوسی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ومعنیٰ کونه (خلیفة) انه خلیفة الله تعالیٰ فی ارضه و کذا کلّ نبی استخلفهم فی عمارة الارض وسیاسة الناس وتکمیل نفوسهم وتنفید

امره فيهم لا لحاجة به تعالىٰ .(روح المعانی: تفسير سورة البقرة)

''خلیفہ کا معنی یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ونائب ہوتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین کی آبادی، انسانوں کی سیاست (نظم ونسق) کرنے، ان کے نفوس کی تکمیل کرنے اوران کے اندراللہ تعالیٰ کے حکم کونافذ کرنے کے لئے اپنا نائب بنایاہے، نہ یہ کہ اللہ اس کامحتاج ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مکمل ضابطۂ حیات عطا فرمایا کہ وہ ان اصول وقوانین پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتاً ظلوم وجہول پیدا کیا ہے اس لئے وہ اس فانی دنیا اور مظاہرِ زندگی سے متاثر ہوکر اپنے مقصدِ زندگی کو بھلا دیتا اور اخروی ابدی حیات سے غافل ہوجاتا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی یاد دہانی اور انذار وتبشیر کے لئے اپنے برگزیدہ افراد یعنی انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔چنانچہ ہر قوم کی راہنمائی اور اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾

''اور ہر قوم کے لئے ہوا ہے راہ بتانے والا۔''

جن قوموں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا' ان کے لائے ہوئے نظامِ زندگی کو اپنایا اور اخروی زندگی کا سامان کیا وہ کامیاب وکامران ہوئے اور جنہوں نے انبیاء کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات سے انحراف کیا، نورِ توحید پر ضلالت وگمراہی کو ترجیح دی اور مادی زندگی کے جھمیلوں سے اپنے آپ کو نہ نکال سکے وہ ہمیشہ کے لئے ناکام ونامراد ٹھہرے اور ان کی دنیوی زندگی بھی اجیرن رہی۔انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے نہ صرف اصول وقوانین بتائے بلکہ خود ان پر عمل پیرا ہوکر دکھایا کہ کس طرح ان کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جنوں اور فرشتوں کی بجائے خود نوعِ انسانی میں سے منتخب کر کے بھیجا۔آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری انسانیت کی ہدایت وراہنمائی اور قیامت تک آنے والے جن وانس کے لئے ایک کامل ومکمل نظامِ حیات عطا فرما کر مبعوث فرمایا۔

انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جب ہر طرف کفر وشرک پھیلا ہوا تھا۔ وحی الٰہی پر مبنی نظامِ حیات کا وجود مٹا دیا گیا تھا۔ انسانوں کے بنائے ہوئے غیر فطری نظام

مروّج تھے۔متمدن دنیا پر توحید پر مبنی نظام کی بجائے آتش پرستی کے عقیدے پر مبنی فارس اور عقیدۂ تثلیث پر مبنی روم کے ظالمانہ و جابرانہ نظاموں کی حکومت تھی اور آسمانی تعلیمات فراموش کی جا چکی تھیں۔رب واحد کی بجائے پتھر کے بنے ہوئے بے جان بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔سورج، چانداور ستاروں جیسے مظاہرِ قدرت کو معبود کا درجہ دے دیا گیا تھا، دین ابراہیمی کے نام لیوا''مرکزِ توحید'' میں ۳٦٠بتوں کو خدا کا درجہ دیتے تھے، موسیٰ وعیسی علیہا الصلوٰۃ والسلام کی امت ہونے کے دعویدار دینِ موسوی اور عیسوی میں تحریف در تحریف کر کے خود انبیاءعلیہم السلام کونعوذ باللہ''ابن اللہ'' مانتے تھےاور عقیدۂ تثلیث کا پرچار کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر ایسی مؤثر اور زور دار دعوت شروع کی کہ کفر وشرک کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوؤں کی کایا پلٹنے لگی اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آ گیا۔اس کی ایک جھلک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کوقبول کرنے والے اہم رکن حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی زبانی سنیے۔انہوں نے نجاشی شاہِ حبشہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

''اے بادشاہ! ہم اہلِ جاہلیت تھے، بتوں کی عبادت کرتے ،مردار کھاتے ،فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے ، پڑوسی کی حق تلفی کرتے اور ہم میں سے زبردست کمزور کوکھا جاتا تھا۔ہماری یہی حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ہی ایک رسول بھیجا۔جس کے نسب،سچائی،امانت اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف تھے۔اس نے ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت اور معرفت کی طرف بلایا، ہم جو آباؤ اجداد سے بت پرستی کرتے آتے تھے'اسے چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ہمیں سچ بولنے،امانت میں دیانت،صلہ رحمی، پڑوسی سے حسن سلوک اور حرام چیزوں اور ناحق خون بہانے سے بچنے کا حکم دیا۔ہمیں فواحش، جھوٹ،یتیم کے مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ ہمیں اللہ وحدہ کی عبادت کرنے اوراس کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیا،ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔پس ہم نے ان کی تصدیق کی اوران پر ایمان لے آئے۔وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواحکام لائے ہیں ہم نے ان کی اتباع کی۔ہم نے اللہ وحدہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی چیز کوشریک نہیں ٹھہرایا، جس چیز کوحرام قرار دیا گیا اسے حرام سمجھا اور جس کو حلال قرار دیا گیا اسے حلال سمجھا۔''

(سیرت ابن ھشام (عربی) : ۱/ ۳۷۳ . ۳۷۴)

اسلامی ریاست کا قیام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ یعنی ارکانِ دعوت کو تعلیم وتربیت کے مرحلہ سے گزارنے کے بعد انصار کی دعوت پر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدینہ میں آپ نے قرآنی تعلیمات واحکامات کو عملی جامہ پہنایا۔ پھر دعوت وجہاد کو وسعت دیتے ہوئے جزیرۂ عرب کے مرکز مکہ کو فتح کرلیا۔ اس طرح

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُبِیْنَا ﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی۔

کی عملی تصویر سامنے آئی۔ آپ کی بعثت کے مقصد کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُوْلَه، بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَه، عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ O ﴾ (الصف : ۹)

ترجمہ: وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب رکھے اگرچہ مشرک کتنا ہی برا مانیں۔"

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ارشاد فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود یہ ہے کہ تمام دینوں پر غالب کر دیا جائے۔ پس اس آیت میں اگر سمجھنے کی کوئی چیز ہے تو یہ ہے کہ غالب کر دینے سے کیا مراد ہے؟ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دلیل میں غالب کیا جائے یعنی دین حق کی حقانیت اور دوسرے دینوں کے بطلان پر ایسی دلیل قائم کی جائے جس کا رد نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ تیغ وسناں کے ذریعے سے غالب کیا جائے۔ یعنی دین برحق کی شوکت و سطوت کے سامنے تمام مذاہب کو سرنگوں کر دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے۔" (تحفۂ خلافت ص ۵۲۰)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وكما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم بالتواتر انه بشر بفتح فارس و الروم فى اول مبعثه بمكة وفى اول قدومه بالمدينة وعند وفاته . (إزالة الخفاء : ۱/۲۶)

"اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس اور روم کی فتح کی مکہ میں ابتدائی زمانہ بعثت میں اور مدینہ تشریف لانے کے شروع

زمانہ میں اور اپنے وصال کے قریب بھی بشارت دی۔“

دوسری جگہ مزید لکھتے ہیں:

” وقال النبي صلى الله عليه وسلم فی حديث عدی بن حاتم و أبو ذر و المقداد وغيرهم حتیٰ صار مشهوراً وليتمّن الله هذا الامر حتٰی يدخل فی كل بيت من مدر او وبر بعز عزيز او ذل ذليل الفاظهم شتٰی والمعنی المشترک واحد . دین حق ہمان است کہ ممکن شد و ہمان است کہ تمام شد و ہمان است کہ شرقاً وغرباً در بیوت وبر و مدر درآمد .“

(إزالة الخفاء : ١/٤٢٧ . ٤٢٨)

”یعنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (عدی بن حاتم اور ابوذر اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کی حدیث میں یہاں تک کہ طرق متعددہ کی بناء پر یہ حدیث مشہور ہو گئی) اور اللہ تعالیٰ اس امر (اسلام) کو ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ یہ (دین اسلام) ہر گھر میں داخل ہو جائے گا یہاں تک کہ خواہ وہ گھر مٹی کا بنا ہوا ہو یا بالوں کا (وہ خیمے ہوں، یعنی شہر اور دیہات کے سب گھروں میں) صاحبِ عزت کی عزت کے ساتھ (کہ وہ بخوشی قبول کر کے اپنی عزت باقی رکھے) یا کسی ذلیل ہونے والے کی ذلت کے ساتھ۔ (کہ وہ مغلوب اسلام ہو کر ذلت سے زندگی بسر کرے) احادیث کے الفاظ مختلف ہیں مفہوم مشترک سب کا ایک ہے۔ دین حق وہی ہے ”جو ممکن (یعنی طاقتور ہوا، مستحکم ہوا) اور وہی ہے جو ”پورا“ ہوا اور وہی ہے جو مشرق سے مغرب تک (خیموں) اور مٹی کے بنے ہوئے گھروں میں داخل ہوا۔“

حکومتِ اسلامیہ کی توسیع

فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۂ عرب سے قبائل کے وفود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ اس طرح پورے جزیرۂ عرب پر آپ نے اسلام کے نظامِ حیات کو عملاً نافذ کر دیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی نازل ہوا:

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْناً ﴾(المائده: ٣)

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت میں اس نظام کو غالب کرنے کے لئے مبعوث ہوئے

تھے، اس لئے اس نظام کی جزیرۂ عرب سے باہر توسیع کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے اس کا آغاز کیا۔ پھر آپ کے جانشین خلفاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دنیا کی دو بڑی اور متمدن سلطنتوں، روم اور فارس کو فتح کر کے

﴿ هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ (الصف : ۹)

ترجمہ: ''وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اس دین کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب رکھے اگرچہ مشرک کتنا ہی برا منائیں۔''

کا عملی نمونہ پیش کر کے جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سامنے واضح طور پر فرما دیا تھا کہ آگے چل کر تم روم و فارس کی سلطنتوں سے جہاد کر کے انہیں فتح کرو گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

واخرج البخاري من حديث عبد الملک بن عمير عن جابر بن سمرة يرفعه قال اذا هلک کسریٰ فلا کسریٰ بعده وإذا هلک قيصر فلا قيصر بعده والذی نفس محمد بيده لتنفقن کنوزهما فی سبيل الله . (ازالة الخفاء : ۱/۳۷۵)

امام بخاری نے بروایت عبدالملک بن عمیر حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے (جابر اس حدیث کو مرفوع کر کے بیان کرتے تھے) کہ جب کسریٰ (شاہِ فارس) ہلاک ہو جائے گا اس کے بعد (پھر) کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر (شاہِ روم) ہلاک ہوگا تو اس کے بعد (پھر) کوئی قیصر نہ ہوگا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تم اللہ کی راہ میں دونوں کے خزانوں کو خرچ کرو گے۔

فصل دوم

خلافتِ راشدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا گیا۔ حضرت صدیقؓ نے جیش اسامہ کی روانگی اور فتنۂ ارتداد کے بارے میں انتہائی مدبرانہ فیصلے کر کے دین اسلام کو محفوظ کرنے کا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا۔ فتنۂ ارتداد اس قدر پھیلا اور مرتدین کا زور اس قدر بڑھا کہ مدینہ منورہ بھی خطرے سے خالی نہ رہا۔ ادھر رومیوں اور ایرانیوں نے بھی ان حالات کے پیش نظر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جیش اسامہ روانہ کر کے رومیوں کے حملے کو روکا اور ایرانیوں کو حملے سے باز رکھنے کے لیے ایک چھوٹا سا دستہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی قیادت میں عراق کی طرف بھیج دیا۔ اس کے ساتھ فتنۂ ارتداد ختم کرنے کے لیے گیارہ لشکر تشکیل دیے۔ چنانچہ ایک سال سے کم مدت یعنی ۱۱ھ کے ختم اور ۱۲ھ کے شروع ہونے سے پہلے پہلے پورے جزیرۂ عرب سے فتنۂ ارتداد کا کلی طور پر خاتمہ ہوگیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے پہلے فارس کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے عراق کی طرف افواج روانہ کیں پھر روم کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے شام کی طرف لشکر بھیجے، چنانچہ دونوں جگہ لشکرِ اسلام نے زبردست معرکے لڑ کر بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ بنے۔ آپ کا دورِ خلافت ہر لحاظ سے تاریخی اور مثالی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کی صلاحیتوں کو اچھی طرح جانچ لیا تھا۔ کیونکہ آپ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے مشیر خاص تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے اپنے لئے نامزدگی کا علم ہوا اور انہوں نے معذرت کرنا چاہی اور عرض کیا کہ مجھے خلافت کی حاجت نہیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

''اگر ترا باآں حاجت نیست آن را بتو حاجت ہست۔'' (إزالة الخفأ : ۳/ ۱۵۱)

یعنی اگر تمہیں اس (خلافت) کی ضرورت نہیں ہے تو اس (خلافت) کو تمہاری ضرورت ہے۔

اسلامی نظام کی برکات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیندہ فتوحات، اسلام کے غلبہ اور امن وامان کے قیام کی پیشن گوئی

فرمائی تھی۔ صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی حضرات خلفاء خصوصاً دورِ فاروقی میں اس طرح پوری ہوئی۔ حضرت عدی بن حاتمؓ بیان فرماتے ہیں:

(ایک مرتبہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا اتنے میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فاقہ کشی اور محتاجی کی شکایت کی پھر دوسرا شخص آیا اس نے رہزنی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عدی! کیا تم نے مقام حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا میں نے اسے نہیں دیکھا مگر مجھے اس کے متعلق لوگوں سے خبر ملی ہے (اور جانتا ہوں کہ حیرہ کوئی مقام ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم زندہ رہے تو (ایک دن) دیکھ لوگے کہ عورت (تنہا) حیرہ سے چل کر (مکہ میں آکر) کعبہ کا طواف کرے گی اور اللہ کے سوا (راستہ میں) وہ کسی سے نہ ڈرے گی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت (قبیلہ) طے کے رہزن جنہوں نے (اپنے ظلم وفساد کی) آگ شہروں میں لگا رکھی ہے کہاں ہوں گے؟ (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے عدی! اگر تم زندہ رہے تو تم لوگ ضرور کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ میں نے عرض کیا: کیا کسریٰ بن ہرمز؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں) کسریٰ بن ہرمز۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اگر تم زندہ رہے تو ایک دن دیکھ لوگے کہ انسان سونے یا چاندی سے ہتھیلی بھر کر (صدقہ دینے کے لئے) باہر نکلے گا اور خواہش کرے گا کہ کوئی اسے قبول کرے مگر کسی کو (ایسا محتاج) نہ پائے گا کہ وہ اس سے (اس سونے چاندی کو) لے......عدی کہتے ہیں پھر میں نے (وہ زمانہ) پایا اور بچشمِ خود دیکھ لیا کہ عورت (تنہا) حیرہ سے چلتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اپنے گھر واپس جاتی ہے اور اس سفر میں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی ہے اور میں (بھی) ان لوگوں میں تھا کہ جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کئے اگر تم لوگ (کچھ دنوں اور) زندہ رہے تو جو نبی ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان ہاتھ بھر کر سونا چاندی لئے لئے پھرے گا (اور کسی قبول کرنے والے کو نہ پائے گا) اسے بھی دیکھ لوگے۔''

غلبۂ اسلام اور اظہارِ دین

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے اس وقت کی دو بڑی طاقتوں روم وفارس کو فتح کرنا بھی شامل تھا، جیسا کہ امام ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''پس این ہمہ نعم الٰہی است ووجود این امور معجزۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وبعثتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم متضمن است فتح فارس را۔'' (إزالة الخفاء : ۳/۱۹۲)

''یعنی یہ سب (روم و فارس کی فتوحات) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور ان امور کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت فارس کی فتح کو متضمن ہے۔''

اسلام کے مکمل غلبہ اور اظہارِ دین کا اظہار حضرت عمر فاروقؓ کے مبارک دور میں ہوا۔ امام ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''سالِ پانزدہم و سالِ شانزدہم فرقانِ اکبر درمیانِ اسلام و کفر بسعی و اہتمام او رضی اللہ عنہ بظہور پیوست و اینجا واضح گشت کہ تسمیۂ خلیفۂ ثانی بفاروقِ اعظم بچہ وجہ بودہ است۔''

(إزالة الخفاء : ۳/ ۱۹۱)

''یعنی پندرہویں اور سولہویں سال میں ان (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی مساعی اور اہتمام سے اسلام اور کفر کے درمیان فرقانِ اکبر (یعنی کامل امتیاز و فرق) کا پورا پورا ظہور ہو گیا اور اس موقع پر یہ واضح ہو گیا کہ خلیفۂ ثانی کو فاروقِ اعظم لقب دینے کی وجہ کیا ہے؟''

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں فارس، عراق جزیرہ خراسان، بلوچستان، شام، فلسطین، مصر، آرمینیا وغیرہ کے علاقے فتح ہوئے اور دنیا کی دو بڑی طاقتوں روم و فارس پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ قادسیہ کی مشہور جنگ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ شاہِ فارس یزدگرد کے دربار میں گئے تو شاہِ فارس نے کہا کہ'' ہمیں معلوم ہے کہ تم عرب ہو، تمہارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے اس لئے تم نے ہمارے ملک پر چڑھائی کر دی ہے۔ ہم تمہاری ضروریات پوری کر دیتے ہیں، لہٰذا تم واپس چلے جاؤ'' اس کا جو جواب حضرت مغیرہ نے دیا اس سے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے آنے والے انقلاب کی واضح تصویر سامنے آتی اور آپ کی پیشن گوئیوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے وہاں جہاد کا مقصد بھی واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

''واللہ یہ چیز ہمیں یہاں نہیں لائی ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہم پتھروں اور بتوں کو پوجنے والی قوم تھے، جب ہم کسی اچھے پتھر کو دیکھتے تو پہلے کو پھینک کر اسے معبود بنا لیتے تھے اور رب کی معرفت ہمیں نہ تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول بھیجا جس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی تو ہم نے ان کی پیروی کی۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اسلام کو ترک کرنے والے دشمنوں کے ساتھ قتال کریں۔ ہم کھانے کے لئے نہیں آئے لیکن تمہارے جنگجو مردوں سے لڑنے اور تمہاری اولادوں کو قید کرنے کے

لئے آئے ہیں۔'' (إزالة الخفأ : ۳/۱۹۷۔۱۹۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جس طرح ملکی نظم ونسق کو مدبرانہ انداز سے چلایا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ جدید مغربی دنیا کے متعصب مستشرقین بھی ان کی انتظامی صلاحیتوں اوران کے کارناموں کے اعتراف پر مجبور ہیں۔

حضرت الفاروقؓ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمان بن عفانؓ خلیفہ بنائے گئے۔آپ کے دورِ خلافت میں اسکندریہ، افریقہ، قبرص، روڈس، طبرستان اور دیگر کئی بڑے شہر فتح ہوکر اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی المناک شہادت کے بعد سیدنا علی بن ابی طالبؓ چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے۔آپ کے دور میں نئے علاقے فتح نہ ہوسکے اور مسلمانوں کی آپس میں کشمکش اور لڑائیاں جاری رہیں چنانچہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین جیسی مشہور جنگیں آپ کے دور میں ہوئیں۔ جنگ نہروان کے موقع پر آپ نے خوارج کی طاقت کو ختم کر دیا۔آپ کی خلافت کے آخری دور ۴۰ھ کی ابتداء میں آپ کی حکومت صرف عراق وایران تک محدود رہ گئی جبکہ دوسری طرف سیدنا امیر معاویہؓ کی حکومت حجاز ،یمن، فلسطین، شام، مصر وغیرہ پر قائم ہوچکی تھی۔

سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند سیدنا امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی لیکن آپ نے چھ ماہ حکومت کرنے کے بعد سیدنا امیر معاویہؓ کو ایک معاہدے کے تحت خلافت تفویض کر دی۔ سیدنا امیر معاویہؓ خلافت سے پہلے بیس سال حاکم اور منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد بیس سال خلیفہ رہے۔آپ کا زمانۂ خلافت مثالی اور تاریخ کا درخشندہ باب ہے۔آپ نے داخلی شورشوں سے فارغ ہونے کے بعد رومیوں کے خطرے کو ختم کرنے کے لیے بحری فوج تیار کی۔آپ کے دور میں پہلی مرتبہ اسلامی لشکر نے سلطنتِ روم کے دارالسلطنت قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔آپ کے زمانہ میں ہند، افریقہ اور دیگر علاقوں میں فتوحات ہوئیں اور ایک وسیع رقبہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوا۔

خلافتِ امویہ

سیدنا امیر معاویہؓ کے بعد یزید بن معاویہ اور ان کے بعد معاویہ بن یزید خلیفہ منتخب ہوئے۔ ۳/ ذیقعد ۶۴ھ میں مروان بن حکم کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت ہوئی، جس کے بعد امویوں میں خلافت کا سلسلہ جاری رہا۔ اموی خلفاء نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا زمانہ حکومت بھی خلافتِ امویہ کا اہم حصہ ہے۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد ۲۸ / ذوالحجہ ۱۳۲ھ میں قتل کر دیا گیا جس کے ساتھ ہی اموی خلافت کا خاتمہ ہوگیا، اموی خلفاء نے ملکی نظم ونسق، امن و

امان، جہاد اور نئی فتوحات کے ذریعے اشاعتِ اسلام جیسے شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔ان کا نظامِ حکومت مثالی تھا اور تمام اسلامی علاقوں میں ہر پہلو سے ترقی ہوتی رہی۔سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی۔آپ نے حجاز، عراق اور مصر وغیرہ پر حکومت کی اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں جمادی الثانی ۷۳ھ میں مکہ معظّمہ میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔

خلافتِ عباسیہ

خلافتِ امویہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عباسیوں نے حکومت قائم کرنا شروع کی۔آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے بعد ان کی جگہ عباسیوں نے لے لی۔ربیع الاول ۱۳۲ھ میں پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس عبداللہ سفاح کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی گئی۔عباسیوں نے بغداد کو دارالخلافۃ بنایا۔متعدد عباسی حکمرانوں نے حکومت کی لیکن جہاد اور توسیع سلطنت سے محروم رہے۔ان کی آپس میں کشمکش اور خانہ جنگی جاری رہی۔امویوں کی حکومت تمام عالمِ اسلامی پر مشتمل تھی اور ایک ہی مرکز خلافت تھا۔عباسیوں کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد عالمِ اسلامی کی تقسیم شروع ہوئی۔اندلس علیحدہ ہوگیا، اس کے بعد مراکو، افریقہ اور دوسرے ممالک میں علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قائم ہوگئیں۔جب عباسی سلطنت انتہائی زوال کو پہنچی تو اسی دوران منگولیا سے تاتاریوں کا طوفان اٹھا اور بغداد کی خلافتِ عباسیہ جو کہ کئی ممالک پر مشتمل اور بظاہر مضبوط و طاقتور نظر آتی تھی، کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔۶۵۶ھ میں بغداد سے خلافت کا وجود ختم ہوگیا۔

سلطنت اندلس

۹۲ھ میں عظیم مسلمان جرنیل طارق بن زیادؒ نے اندلس میں داخل ہوکر بارہ ہزار لشکر کے ساتھ ایک لاکھ عیسائی لشکر کو تاریخی شکست دے کر یورپ میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔۹۶ھ میں طارق بن زیادؒ اور موسیٰ بن نصیرؒ پورے اندلس کو فتح کر چکے تھے۔خلافتِ امویہ میں امویوں کی طرف سے گورنر مقرر ہوتے رہے۔خلافتِ امویہ کے خاتمے اور خلافتِ عباسیہ کے آغاز کے بعد ۱۳۸ھ میں عبدالرحمٰن الداخل نے اموی سلطنت کی بنیاد رکھی جو ۴۲۲ھ تک قائم رہی۔پھر خلافتِ امویہ کے خاتمے کے بعد اندلس چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔مجموعی طور پر آٹھ صدیوں تک مسلمان خلفاء اور امراء نے یہاں حکومت کی اور تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں جو ترقی اندلس میں ہوئی یہ تاریخ کا روشن باب ہے۔مسلمان بادشاہوں کی عیش کوشی، دین سے دوری، خانہ جنگی اور شمشیر و سناں

سے لاتعلقی نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ عیسائی مختلف علاقوں پر قبضہ کرتے کرتے آخر کار ربیع الاوّل ۸۹۷ھ میں اندلس کے آخری شہر غرناطہ پر بھی قابض ہو گئے۔ عیسائیوں نے قبضہ کے بعد جو سلوک مسلمانوں اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے ساتھ کیا وہ تاریخ کا سیاہ باب اور ایسی داستانِ درد ہے جسے پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ۹۰۴ھ ، 1556ء میں فلپ دوم نے ایک عام حکم جاری کیا کہ مسلمان عیسائیت قبول کر لیں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں:

''چند سال کے عرصے میں قسم کھانے کو بھی خدائے واحدہ لاشریک کا نام لینے والا اندلس میں باقی نہ رہا، عیسائیوں نے سب ہی کو تلوار کے گھاٹ اتارا یا سمندر میں ڈبو دیا یا آگ میں جلا دیا۔'' (تاریخ اسلام:۳/۱۱۹۵)

خلافتِ عثمانیہ

تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں کچھ ترک خاندان اناطولیہ میں جا بسے۔ 1299ء تا 1326ء سلطان عثمانؒ اپنے والد ارطغرل کی وفات کے بعد چھوٹی سی ریاست کا مالک بن گیا۔ یہ دولتِ عثمانیہ کا پہلا تاجدار تھا۔ سلطان عثمان نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور اپنی سلطنت کو وسعت دینا شروع کی۔ سلطان عثمان نے وفات کے وقت اپنے لائق فرزند کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے بیٹے! میں سفرِ آخرت اختیار کر رہا ہوں، لیکن مجھے اپنے مرنے کا کوئی غم نہیں، کیونکہ میں اپنے پیچھے تجھ جیسا قابل جانشین چھوڑ رہا ہوں۔ عدل و انصاف کو اختیار کرنا، نیکی سے محبت کرنا اور رحم دلی کو اپنا شعار بنانا، بلا کسی تفریق کے اپنی رعایا کی حفاظت کرنا اور احکامِ شریعت کو رواج دینا۔ یہ باتیں زمین پر بادشاہوں کے فرائض میں داخل ہیں اور انہی کی بدولت ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔''

(عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ: ص ۳۷)

گیلی پولی کی فتح کے ساتھ ہی یورپ میں عثمانی فتوحات کا آغاز ہوا۔ پھر عظیم عثمانی جرنیل اور مجاہد سلطان محمد فاتحؒ نے 29 / مئی 1453ء کو قسطنطنیہ بھی فتح کر لیا۔ اس طرح گیارہ صدیوں سے قائم شدہ بازنطینی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ جنوری 1517ء میں سلطان سلیم اوّل نے مصر کے مملوکوں کو قاہرہ کے قریب رضوانیہ کے مقام پر فیصلہ کن شکست دے کر برائے نام عباسی خلیفہ سے خلافت اپنے نام منتقل کرالی۔ اس طرح اب خلافت کا مرکز بغداد اور قاہرہ کی بجائے قسطنطنیہ بن گیا اور ترک خلیفہ تمام دنیائے اسلام کے سیاسی و روحانی پیشوا قرار پائے۔ ستمبر 1566ء میں سلطان سلیمان اعظم کی وفات

تک خلافتِ عثمانیہ مصر، شمالی افریقہ، ایشیائے کوچک، فلسطین، شام، ریاستہائے بلقان اور ہنگری تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت خلافتِ عثمانیہ کی عسکری قوت کا عروج تھا۔ دو لاکھ سے زائد فوج تھی، توپخانہ تین سو توپوں پر مشتمل تھا اور بحری بیڑے میں تین سو جہاز تھے۔ خشکی اور سمندر دونوں جگہ پر ترک فوجیں چھائی ہوئی تھیں۔

سلیمان اعظم کے بعد رفتہ رفتہ خلافتِ عثمانیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ تین براعظموں پر پھیلی اور تقریباً دو درجن نسلوں اور قوموں پر مشتمل سلطنت کو بعد میں آنے والے خلفاء نہ سنبھال سکے۔ سلیمانِ اعظم کے جانشین سلیم ثانی کا یہ حال تھا کہ وہ پہلا عثمانی خلیفہ تھا جو میدانِ جنگ میں جانے سے گریز کرتا تھا اور اس میں انتظامِ سلطنت کی بھی اہلیت نہ تھی۔ عیسائیوں کی طرف سے حملے بڑھتے گئے۔ مختلف علاقوں میں خود مختار ریاستیں وجود میں آنا شروع ہو گئیں، انیسویں صدی میں مصر نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ 1881ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے پاس افریقہ میں صرف طرابلس باقی رہ گیا تھا، جس پر بھی 1912ء میں اٹلی نے قبضہ کر لیا۔ 1914ء میں پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ہو گیا۔ ترکی نے جرمن کا ساتھ دیا۔ اتحادیوں نے جرمنی اور ترکی کو شکست دے کر تین براعظموں پر پھیلی ہوئی خلافتِ عثمانیہ کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ جنگ کے بعد 29 / اکتوبر 1923ء میں مصطفیٰ کمال پاشا کی صدارت میں جمہوری حکومت قائم ہوئی ۔ آخرکار 2 / مارچ 1924ء کو جمہوری حکومت کی گرینڈ نیشنل اسمبلی نے منصبِ خلافت کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور ترکی کو سیکولر اسٹیٹ قرار دیا۔ یوں مسلمانوں کی وحدت کی علامت اور آخری سہارا بھی چھین گیا۔

انحطاط و اضمحلال

قرونِ خیر کے بعد مسلمانوں کی دین سے وابستگی کمزور ہوتی گئی، پہلے جیسا نورِ ایمان نہ رہا، قرآنی و نبوی تعلیمات سے دوری بڑھتی گئی اور دنیوی چیزوں اور مظاہر زندگی سے لگاؤ بڑھتا گیا۔ دعوت و جہاد جس میں مسلمانوں کے غلبہ واستحکام اور ترقی کا راز مضمر تھا، سے فرار شروع ہو گیا۔ مسلمان حکمران اسلامی نظامِ حیات کی ترویج، قرآنی تعلیمات و احکامات کی نشر و اشاعت اور پوری دنیا کے سامنے دین اسلام کو پیش کرنے کے لئے جہاد کرنے کی بجائے عیش و عشرت اور بے ضرر زندگی گزارنے پر اکتفا کرنے لگے تو اسلامی معاشرے کے ساتھ مسلم سلطنتیں بھی رفتہ رفتہ اضمحلال و انحطاط کا شکار ہونے لگیں۔

جب تک نظامِ خلافت، قرآن وسنت کے پیش کردہ اصول وقوانین کے مطابق اور خلفائے

راشدین کے طرزِ عمل کے موافق رہا، مسلمان اس کی ہمہ جہت برکات سے مستفید ہوتے رہے اور زندگی کے تمام شعبے نظامِ عبادات، معاشرت، عدالت، سیاست، جہاد، اقتصادیات وغیرہا اپنی اپنی جگہ ٹھیک ٹھیک کام کر رہے تھے جس کی وجہ سے وسیع اسلامی مملکت داخلی و خارجی طور پر مضبوط و طاقتور، دنیا میں سیاسی، عسکری اور اقتصادی حوالے سے غالب اور عالمی سطح پر اپنا ایک خاص مقام و مرتبے کی حامل تھی۔ جب خلفا محض حکمران بن گئے اور سلطنت اپنی بنیادوں سے دور ہٹتی گئی اور دعوت و جہاد کو ترک کیا جانے لگا تو وہ آہستہ آہستہ ہر پہلو سے کمزور ہوتی گئی اس کے باوجود اس کا کمزور وجود مسلمانوں کے لئے رحمتِ الٰہیہ سے کم نہ تھا لیکن جب اس کا بالکل وجود ختم ہو گیا تو مسلمانوں کا اجتماعی نظام درہم برہم اور شکست و ریخت کا شکار ہو گیا۔

فصل سوم

سلطنتِ مغلیہ کا زوال اور تحریکِ جہاد

اس سے پہلے ہم دیگر اسلامی سلطنتوں کے زوال کا اجمالی ذکر کر چکے ہیں۔ اب ہم سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور اس کے بعد پیدا ہونے والے حالات کا ذکر کچھ تفصیل سے کریں گے۔ اولاً اس لیے کہ ہمارے قارئین کا تعلق برصغیر سے ہے ثانیاً اس لیے کہ ہندوستان پر قبضے "سونے کی چڑیا" کو لوٹنے اور صنعتی انقلاب برپا کرنے کے بعد ہی برطانوی سامراج نے دیگر مسلم ممالک کو زیر کرنا اور ان پر قبضہ کرنا شروع کیا۔

ولید بن عبد الملک کے زمانہ خلافت میں حجاج بن یوسف کے حکم سے محمد بن قاسمؒ نے سندھ کو فتح کیا اور ۹۴ھ تک بندر سورت سے لے کر کشمیر تک پورے مغربی ہندوستان کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ایک طویل عرصے تک دربارِ خلافت سے سندھ کے گورنر مقرر ہو کر آتے رہے۔ پھر کئی خود مختار سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ محمود غزنوی نے پنجاب و ملتان پر قبضہ کیا۔ شہاب الدین غوری نے شمالی ہند کو فتح کر کے باقاعدہ حکومت قائم کی اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو بادشاہ بنایا۔ غلام خاندان کے بعد خلجی خاندان اور ان کے بعد تغلق، پھر لودھیوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔ لودھیوں کے بعد ظہیر الدین بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی جو کہ انیسویں صدی کے پہلے نصفِ اوّل تک کسی نہ کسی صورت میں برقرار رہی۔ جب سلطنتِ مغلیہ انحطاط پذیر ہونے لگی اور انگریزوں کی آمد شروع ہوئی تو اس وقت کے علماء نے انگریزوں کے اخراج، ملک کے اندر موجود بغاوتوں کے سدِ باب، سلطنتِ مغلیہ کی مضبوطی اور اسلامی نظام کے از سرِ نو قیام کے لئے علمِ جہاد بلند کیا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بذریعہ خط و کتابت مغلیہ سلاطین کو ملکی اصلاحِ احوال کی ترغیب و تاکید کی۔ مرہٹوں کی بغاوت و شورش عروج پر پہنچ گئی تو شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو مرہٹہ بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ہندوستان آمد کی دعوت دی۔ مرہٹوں کی شورش تو ختم کر دی گئی لیکن مغلیہ سلطنت کی حالت جوں کی توں برقرار رہی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر و رسوخ بڑھتا جا رہا تھا اور انگریز نئے نئے علاقے فتح کرتے جاتے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے سیلاب کو روکنے کے لئے سلطان حیدر علیؒ اور فتح علی ٹیپوؒ جیسے مجاہد جرنیل سامنے آئے لیکن اپنوں کی غداری اور انگریزوں کی سازشوں کی وجہ سے سلطان حیدر علی کے بعد شیر میسور سلطان فتح علی ٹیپو بھی لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کر گئے۔

جماعتِ مجاہدین کی تشکیل اور جہاد کا آغاز

برصغیر میں برطانوی سامراج کے خلاف مختلف کوششیں ہوئیں۔ یہاں ہم سید احمد شہیدؒ کی زیر قیادت تحریکِ جہاد کا ذکر چند وجوہ کی بنا پر کرنا چاہتے ہیں۔ اولاً یہ ایک ہمہ جہت تحریک تھی، اس نے لوگوں کے عقائد درست کیے، رسوم و بدعات کا قلع قمع کیا، مدارس و مساجد کی صورت میں اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی نظام کے احیاء اور نفاذ کے لیے دعوت و جہاد کا نبوی منہج اختیار کیا۔ الغرض تاریخ میں ایسی ہمہ گیر تحریک کی مثال نہیں ملتی۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے جانشین شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دعوت و جہاد کی سنت کا احیاء کرتے ہوئے اسلامی نظام کے احیاء کے لئے تحریکِ جہاد کو آگے بڑھاتے ہوئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی زیر قیادت انگریزی سامراج کے اخراج اور اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کے لئے مجاہدین کا لشکر تشکیل دیا۔ حضرت سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید رحمہما اللہ نے اپنی جہادی مہم کا آغاز طویل اور کٹھن سفر طے کر کے سرحدی علاقے سے کیا۔ جذبۂ ایمانی، تقویٰ، للٰہیت، ولولۂ جہاد اور قرآنی تعلیمات اور احکامات کے عملی نفاذ کے لئے تن من دھن وارنے کے جذبے اور نصرتِ الٰہی کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

بیعتِ امامت اور نظامِ شریعت کا نفاذ

۱۲۴۴ھ میں سید احمد شہید رحمہ اللہ نے اپنے رفقاء سمیت پنجتار کا رخ کیا۔ راستے میں ضلع سمہ صدہ موضع ڈاگئی میں جو اس علاقے کا صدر مقام ہے، پڑاؤ کیا۔ آپ کی ملاقات کے لئے علماء میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو سو افراد سے کم نہ ہو گی آئی۔ ان سب علماء کا اس موضع میں قیام ہوا اور آپ نے امام کے تعین و وجوب اور اس کی اطاعت کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا۔ کچھ قیل و قال اور سوال و جواب کے بعد اس مسئلے کی تنقیح ہوئی۔ مولانا نیاز محمد، جو سرگروہ علماء تھے اور دوسرے علماء نے صاف صاف اعتراف کیا کہ ہم نے امام کے تقرر کے بارے میں واقعی بڑی سستی و غفلت سے کام لیا اور ہم خطا وار ہیں۔ انہوں نے اس موقع پر قوم کے باحیثیت لوگوں اور سرداروں کو بھی نصیحت آمیز ملامت کی کہ انہوں نے مسائل میں عموماً اور جہاد اور امام کے تقرر کے بارے میں خصوصاً مجرمانہ غفلت اور لاپرواہی سے کام لیا ہے۔ اکثر اہل مجلس ان کی اس مؤثر اور پر خلوص گفتگو سے متاثر ہوئے اور مولانا اور تمام حاضرینِ مجلس نے سید صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی۔

۱۵/ شعبان ۱۲۴۴ھ کو جمعے کے بعد فتح خان کے مطالبہ پر ایک عظیم اجتماع نے آپ کے ہاتھ پر

بیعتِ امامت کی اور شرعی نظام کے اجراء کا آغاز ہوا۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اسی مجمع میں ایک دیندار اور بڑے عالم مولانا سید محمد میر کو اضلاعِ پنجتار کا منصبِ قضا سپرد ہوا، دستارِ قضا ان کے سر پر باندھی گئی اور فرمانِ قضا عطا ہوا اور اس کے بعد احکامِ شرعی جاری ہوگئے۔ پنجتار کے اضلاع میں مقدمات وتنازعات کا شرع شریف کے مطابق فیصلہ ہونے لگا۔ ایک دوسرے بزرگ ملا قطب الدین ننگرہاری کو جو بڑے دیندار و متقی تھے، بے نمازیوں پر احتساب کی خدمت سپرد کی گئی اور تیس قندھاری تفنگچی ان کی ماتحتی میں دیے گئے۔ اس نظامِ شرعی کے برکات جلد ظاہر ہونے شروع ہوگئے، شریعت کے احکام جاری ہو گئے، مقدمات شریعت کے مطابق فیصل ہونے لگے اور شریعت کے سامنے لوگوں کے سر جھک گئے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: حصہ ششم، ۲/ ۸۷)

مقصدِ جہاد اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے

آپ نے مختلف لوگوں کو خطوط لکھے، فتوحات کی خوشخبری سنائی، جہاد کی اہمیت وفرضیت بتائی اور یہ واضح کیا کہ ہمارا مقصد فقط اسلامی احکامات کا نفاذ ہے۔ پنجاب میں برسرِ اقتدار مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے آپ کو صلح کی پیشکش ہوئی تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ''ہم جو مسلمانوں کے اس ملک میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہیں، تو نہ کسی کی ریاست چھیننے کی غرض سے آئے ہیں، نہ ملک گیری کے شوق میں۔ ہم تو محض جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے واسطے آئے ہیں اور جو رنجیت سنگھ اتنے ملک دینے کا لالچ دیتا ہے، اگر وہ اپنا تمام ملک دے، تب بھی ہم کو غرض نہیں ہے، البتہ اگر وہ مسلمان ہوجائے تو ہمارا بھائی ہے۔ اللہ کی تائید سے جو ملک ہمارے ہاتھ لگے ہیں، ہم اس کو دے دیں اور جو اس کا ملک ہے، وہ بھی اس کے پاس رہے۔''

(تاریخ دعوت و عزیمت : حصہ ششم ، ۲/ ۸۷)

اسی طرح فرانسیسی جرنیل دینتورا کے اس سوال کہ ''سید صاحب سفر کی صعوبتیں اور وطن کی مفارقت اٹھا کر اور عیش وعشرت کی زندگی کو ترک کر کے بے سروسامانی کے عالم میں طاقتور دشمن کے مقابلے پر کیوں آئے ہیں؟ کے جواب میں آپ کے نمایندے مولوی خیر الدینؒ نے فرمایا: ''اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ دین اسلام میں پانچ احکام فرض کا درجہ رکھتے ہیں جن کی ادائیگی کی خداوندِ عالم کی طرف سے تاکیدِ شدید ہے اور وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد ہے۔ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، غنی ہو یا فقیر اسی طرح روزہ، البتہ زکوٰۃ غنی پر فرض ہے...... جہاد کی عبادت حج سے بھی دشوار تر ہے۔ وہ دولت کی

کثرت اور فراوانی پر بھی موقوف نہیں۔ وہ محض توفیق الٰہی پر منحصر ہے...... چونکہ سید صاحب عنایتِ الٰہی سے مقبول بارگاہ اور صاحبِ ارادہ و عالی ہمت بزرگ ہیں، انہوں نے اس فریضے کی ادائیگی کا تہیہ کیا۔ اس کی ادائیگی کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ جماعتِ مجاہدین کا کوئی امیر اور امام ہو، جس کی ماتحتی میں شرعی طریقے پر جہاد کیا جائے، دوسرے یہ کہ کوئی دارالامن ہو، جہاں سے اس فریضے کی ابتداء کی جائے۔ ہندوستان میں کوئی دارالامن نہیں ہے۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ قبائل یوسف زئی سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کا کوئی شرعی امیر یا امام نہیں، ان کا ملک کوہستان اور جائے امن ہے۔ اس لئے آپ چھ سو اشخاص کے ساتھ اس ملک میں تشریف لائے اور اس ملک کے مسلمانوں کو اس فریضے کی ادائیگی کی ترغیب دی اور ان کو اس پر آمادہ کیا یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعتِ امامت کر کے آپ کو اپنا سردار بنایا۔ اسی وقت سے آپ کو امام، امیر المومنین اور خلیفہ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد جنگ و ملک گیری کا نام نہیں، جہاد کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ، کفار کا زور توڑنے اور ان کے دین و مذہب کی شورش کو دفع کرنے کی امکانی کوشش کی جائے۔ یاد رہے کہ جماعتِ مجاہدین کے امام کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ اس کی تیاریاں اور ساز و سامان دشمن کے ساز و سامان کے مساوی ہو۔ دین کی ترقی اور اس کے سامان کی فراہمی کی کوشش البتہ شرط ہے۔'' (**تاریخ دعوت و عزیمت : حصہ ششم ، ۲/ ۲۲۳ . ۲۲۴ . ۲۲۵**)

تحریک جہاد جاری تھی کہ علاقائی خوانین سازش کا شکار ہو گئے اور بغاوت شروع ہو گئی۔ ادھر سکھ فوج نے بھی آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ چنانچہ سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید رحمہما اللہ اپنے رفقاء سمیت بالاکوٹ کے میدانوں میں شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوئے۔ بعد میں باقی ماندہ مجاہدین نے لڑائی جاری رکھی اور یہ سلسلہ ایک عرصے تک جاری رہا۔ 1857ء میں فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ جس میں انگریزوں نے دہلی پر مکمل تسلط حاصل کر لیا۔ برائے نام بادشاہت ختم کر دی گئی اور اس معرکے میں شریک مجاہدین کی گرفتاریوں اور پھانسیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو کہ تاریخ کا سیاہ باب ہے۔

فصل چہارم

تحریک دارالعلوم دیوبند

جنگِ آزادی کے بعد میدانِ جنگ بدلا۔ شاملی کے محاذ پر دادِ شجاعت دینے والوں حضرت نانوتویؒ اور سید محمد عابدؒ کے مشوروں سے دیوبند کے قصبہ میں ۱۵/محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق 1867ء کو مدرسہ قائم ہوا۔ مدرسہ کے قیام کے مقصد کو اس مدرسہ کے اولین طالب علم حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

> ''حضرت الاستاذ (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ) نے اس مدرسہ کو کیا درس و تدریس، تعلیم وتعلم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں 1857ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے، جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تا کہ 1857ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔''

(احاطۂ دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن: ص ۱۷۰)

مدرسہ دیوبند کے قیام کا مقصد، حضرت شیخ الہندؒ کی وضاحت

چونکہ کچھ حضرات دیوبند کا مقصد محض تعلیم وتعلم سمجھتے تھے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلق بھی ان کا یہی خیال تھا اس لئے آپ نے وضاحت فرمائی کہ:

> ''تعلیم وتعلم، درس وتدریس جن کا مقصد اور نصب العین ہے، میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں لیکن خود اپنے لئے تو اسی راہ کا میں نے انتخاب کیا ہے جس کے لئے دارالعلوم کا یہ نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ (نانوتوی رحمہ اللہ) نے قائم کیا تھا۔''

(ایضاً: ص ۱۷۱)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اس مدرسہ کے اولین طالب علم تھے۔ بانیانِ مدرسہ خصوصاً قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے آپ نے تعلیم وتربیت پائی۔ انہوں نے اپنا نظریہ اپنے لائق ترین شاگرد میں منتقل کیا۔ ۱۲۹۵ھ مطابق 1873ء میں آپ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے تو دیوبند میں ہی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا اور ۱۳۰۸ھ میں صدر المدرسین کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ نے مدرسہ کے قیام کا مقصد ہمیشہ پیش نظر رکھا، مولانا سید محمد میاںؒ لکھتے ہیں:

> ''چونکہ آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے تلمیذِ خاص اور ہمراز رفیق

تھے، لہٰذا آپ تحریک دارالعلوم دیوبند کے اصلی منشاء سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ آپ کی تدریس، خشک اور جامد زہد وتقویٰ کی تلقین نہیں کرتی تھی بلکہ آپ کی تربیت نے ایسے حضرات کو پیدا کیا جو آج آسمانِ سیاست کے روشن ستارے مانے جاتے ہیں۔

(علماء ھند کا شاندار ماضی : ۵/۱۰۰)

تحریک شیخ الہندؒ

اس مقصد کے پیش نظر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ۱۲۹۷ھ میں ''ثمرۃ التربیت'' کے نام سے ایک جمعیت قائم کی۔ اس سے پیشتر حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے دور سے سرحدی اور ہندوستانی مجاہدین میں مسلسل رابطہ قائم رہا۔ جب شیخ الہند کا زمانہ آیا تو آپ نے اسے دوسری شکل دی جو کچھ اس طرح تھی۔

''دارالعلوم دیوبند نے اس رابطہ کو استادی اور شاگردی کی شکل میں تبدیل کر دیا جو انقلابی جدوجہد کے لئے پہلے سے بہت زیادہ مستحکم اور مفید ہوسکتا تھا، خصوصاً جبکہ مولانا محمود حسن صاحب جیسا سیاسی اور مذہبی مقتدا، نہ صرف استاذ بلکہ شیخ اور پیر بھی ہو جس کے دستِ حق پرست پر سلوک وطریقت کے لئے بیعت کی جاتی ہو اور جہاد کے لئے بھی۔''

(علماء ھند کا شاندار ماضی : ۵/۱۱۷)

اس تحریک کو آگے بڑھانے ، وسیع پیمانے پر اس کے نظریے کی اشاعت اور عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے جمعیت الانصار کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی گئی۔ اس کا پہلا اجلاس شوال ۱۳۲۸ھ مطابق 17,16,15 / اپریل 1911ء کو ہندوستان کے شہر مراد آباد میں ہوا، جس میں ہندوستان کے اطراف واکناف سے تقریباً تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس جلسہ کی صدارت حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے نہایت محبوب شاگرد اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سیاسی رفیق حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ نے فرمائی۔ 1912ء میں بلقان اور ترکی کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ 1915ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے خصوصی شاگرد حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کو کابل بھیجا۔ جس سے متعلق حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

''کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ جس جماعت کے نمائندہ تھے، اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظّم شکل میں تعمیلِ حکم کے لئے تیار ہے۔ اس میں میرے جیسے ایک خادم شیخ الہندؒ کی اشد ضرورت تھی۔''

(علماء هند کا شاندار ماضی : ۱۲۴/۵)

مولانا سندھی رحمہ اللہ کابل میں کام کر رہے تھے۔ادھر شیخ الہند رحمہ اللہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ترکی کے حکمرانوں سے ملاقات کے لئے حجاز روانہ ہوگئے۔۱۳۳۳ھ کو مکہ معظّمہ پہنچ کر گورنرِ مکہ غالب پاشا سے ملاقات کی۔ پھر مدینہ منوّرہ میں ترکی وزیر جنگ انور پاشا اور جنوبی ومغربی محاذ کے کمانڈر جمال پاشا سے ملاقات کر کے انہیں اپنے پروگرام کا نقشہ سمجھایا۔حضرت شیخ الہندؒ کی اپنی خواہش تھی کہ خشکی کے راستے آزاد قبائل پہنچ کر اپنے پروگرام کو عملی شکل دیں۔انور پاشا کی رائے سے یہ طے پایا کہ بغداد سے بحری راستہ سے روانہ ہو کر مکران کے راستے آزاد قبائل پہنچیں۔ حالات تبدیل ہونے کی بناء پر آپ نے استنبول پہنچ کر اپنی اسکیم کو کامیاب بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

اس خفیہ تحریک کا راز فاش ہونے پر صفر ۱۳۳۵ھ میں آپ اپنے رفقاء سمیت گرفتار کر لئے گئے۔ ادھر ہندوستان میں بھی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ہزاروں آدمی گرفتار ہوئے۔سینکڑوں کو پھانسی اور دیگر سزائیں دی گئیں۔1919ء میں خلافتِ اسلامیہ سے متعلق مطالبات منوانے کے لئے خلافت کمیٹی قائم کی گئی جس کی قیادت حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلقین مولانا محمد علی اور شوکت علی کر رہے تھے۔اس کا پہلا اجلاس نومبر 1919ء کو دہلی میں مولانا شوکت علی کی زیر صدارت ہوا۔

جمعیۃ علماءِ ہند کا قیام اور حضرت شیخ الہندؒ کی ہندوستان واپسی

دسمبر 1919ء کو جمعیۃ علماءِ ہند کا قیام عمل میں آیا جس کا پہلا اجلاس مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کی زیر صدارت ہوا۔حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اپنے رفقاء سمیت 1925ء میں مالٹا کی قید سے رہا ہو کر ہندوستان تشریف لے آئے۔ ہندوستان واپسی پر آپ کی سرگرمیوں سے متعلق حضرت سید محمد میاںؒ تحریر کرتے ہیں:

''حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ ہندوستان تشریف لائے تو مرض الوفات کا آغاز تھا آپ کو وجع المفاصل کا قدیم سے عارضہ تھا۔کثرت بول کی شکایت بھی پرانی تھی۔اس پر مالٹا کا سرد موسم اور مزید برآں حضرت والا کی شب بیداری، ریاضت اور قلتِ غذا بایں ہمہ پیرانہ سالی اور پھر ترکوں کی شکست اور جدو جہد کی ناکامی کا صدمہ ان تمام اسباب کی بناء پر گویا مرض کا سلسلہ مالٹا ہی میں شروع ہوگیا تھا۔ پھر تقریباً تین ماہ تک راستہ کی مشقت اور ہندوستان پہنچنے کے بعد مخلوقات کا ہجوم، تحریک کی ترقی، مشاغل کی کثرت، یہ سب چیزیں اضافہ مرض کا سبب بنتی رہیں، انتہاء یہ کہ آپ کو تپ دِق ہوگئی۔مگر درحقیقت اس شیخ طریقت اور شیخ

سیاست کی ہمت واستقلال، ہر ایک مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کے لئے سبق آموز ہے۔
تپ دِق کا آخری اسٹیج ہے۔ چلنا پھرنا تو درکنار بیٹھنا بھی ممکن نہیں، مگر اسی حالت میں تحریک
کی قیادت جاری ہے۔ اجلاسوں کی شرکت کے لئے سفر ہو رہا ہے۔ صدارت فرمائی جارہی
ہے۔ العظمۃ للہ! عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ بستر مرگ پر ایک شیخ فانی کا بے پناہ جذبۂ عمل۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی: ۱۹۲/۵، ۱۹۳)

مسلم نیشنل یونیورسٹی کا قیام اور حضرت شیخ الہند کی صدارت

اسی زمانہ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ نے یونیورسٹی کا بائیکاٹ کیا اور ایک دوسری یونیورسٹی
مسلم نیشنل یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز سامنے آئی تو حضرت شیخ الہند کو اس کے تاسیسی اجلاس کی
صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ حضرت شیخ الہند کی بیماری اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ کروٹ بدلنے میں
بھی دشواری ہوتی تھی۔ خدام نے اس حالت میں سفر اور پھر صدارت کو بہت زیادہ خطرناک تصور کیا اور
اصرار کے ساتھ حضرت شیخ کو منظوری صدارت سے روکنا چاہا تو حضرت شیخ کا جواب تھا کہ اگر میری
صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو میں اس جلسہ میں ضرور شریک ہوں گا۔ چنانچہ پالکی میں لٹا کر
حضرت شیخ کو دیوبند کے اسٹیشن پر لے گئے، دارالعلوم دیوبند کے طلبہ نے پالکی کو اپنے کندھوں پر
اٹھایا۔ یہ اجلاس ۱۶/صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو علی گڑھ میں ہوا حضرت شیخ کا خطبہ
صدارت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے پڑھ کر سنایا۔ خطبۂ صدارت کے مندرجہ ذیل فقرے خاص
طور پر یادگار ہیں:

''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس
لئے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ بہت سے نیک
بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب اُن
سے کہا جاتا ہے کہ خدارا! جلد اُٹھو اور اس امتِ مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے
دِلوں پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامانِ
حرب وضرب کا۔''

پھر چند سطور کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

''اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار جس میں میری
ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں

نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم ''علی گڑھ'' کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں ''دیوبند اور علی گڑھ'' کا رشتہ جوڑا۔ آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے میرے بزرگوں نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں یہ بے شک کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور اپنے مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومتِ وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا اچھا ہے۔ ہماری قوم کے سربرآوردہ لیڈروں نے سچ تو یہ ہے کہ امتِ اسلامیہ کی ایک بڑی اہم ضرورت کا احساس کیا۔ بلاشبہ مسلمانوں کی درس گاہوں میں جہاں علومِ عصریہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہو۔ اگر طلبہ اپنے مذہب کے اصول وفروع سے بے خبر ہوں اور اپنے قومی محسوسات اور اسلامی فرائض فراموش کردیں اور ان میں اپنی ملت اور اپنی قوموں کی حمیت نہایت ادنیٰ درجہ پر رہ جائے تو یوں سمجھو کہ وہ درسگاہ مسلمانوں کی قوت کو ضعیف بنانے کا ایک آلہ ہے، اس لئے اعلان کیا گیا ہے کہ ایسی آزاد یونیورسٹی کا افتتاح کیا جائے گا جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثر سے بالکل علیحدہ ہو اور جس کا تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی محسوسات پر مبنی ہو۔''

(علماء ھند کا شاندار ماضی : ۱۹۴/۵ ، ۱۹۵)

جمعیۃ علماءِ ہند کے اجلاس کی صدارت

۷، ۸، ۹/ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ مطابق 21,20,19 / اکتوبر 1920ء کو جمعیۃ علماءِ ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس ہوا جو اپنے مقاصد کے اعتبار سے نہایت اہم تھا۔ حضرت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز اگرچہ حیاتِ مقدسہ کے بالکل آخری دور میں تھے۔ مگر علماءِ ملت کی آرزو یہی تھی کہ جمعیۃ العلماء حضرت شیخ الہند کی صدارت کا تاریخی امتیاز حاصل کرے اور آپ کے فیوض سے وطنی اور ملی سیاست کے متعلق ایسے بنیادی اصول معلوم کرلے جن پر کاربند ہوکر اپنے فرائض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرتی رہے۔ حضرت شیخ کا خطبہ صدارت اگرچہ نہایت مختصر تھا مگر علماءِ امت اور ملی سیاست کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے مکمل اور کافی تھا۔ اس خطبہ صدارت نے علماءِ ملت کو مندرجہ ذیل اصول ونظریات کی ہدایت فرمائی۔

(۱) اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترکِ موالات فرض ہے۔

(۲) تحفظِ ملت اور تحفظِ خلافت کے خالص اسلامی مطالبہ میں اگر برادرانِ وطن (دیگر

ہندوستانی اقوام) ہمدردی اور اعانت کریں تو جائز اور مستحق شکریہ ہیں۔

(۴) استخلاصِ وطن کے لئے برادرانِ وطن سے اشتراکِ عمل جائز ہے مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ نہ ہو۔

حضرت شیخ کی اختتامی تحریر جو آخری اجلاس میں پڑھی گئی۔اس کے چند جملے درجِ ذیل ہیں:

''کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں موئید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتحاد و اتفاق کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کے لئے میرے دل میں بہت قدر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حالات اگر اس کے مخالف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے گی۔ ادھر دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقشہ باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بداعمالیوں سے حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔'' (علماء ہند کا شاندار ماضی : ۱۹۶/۵ ، ۱۹۷)

جانشین شیخ الہند

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ آپ کے جانشین قرار پائے۔آپ نے اپنی زندگی میں بے شمار سیاسی کارنامے سرانجام دیے۔۱۹۲۰، ۱۹۲۱ء میں آپ نے تحریکِ ترکِ موالات اور تحریک خلافت میں سرگرم حصہ لیا۔ جولائی ۱۹۲۱ء میں کراچی میں منعقدہ خلافت کانفرانس میں فوجی بھرتی کی مخالفت میں تجویز پاس کرانے کی پاداش میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور ۲۶/ستمبر ۱۹۲۱ء کو خالق دینا ہال کراچی میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی جس میں دیا ہوا آپ کا تاریخی بیان ایک عظیم مقام رکھتا ہے۔آپ نے جمعیت علماء ہند کے کوکناڈا میں منعقدہ اجلاس دسمبر ۱۹۲۳ء میں نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے نہرو رپورٹ کی مخالفت کی ۱۳۴۶ھ میں آپ دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں آپ نے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے فارمولا پیش کیا۔ جون ۱۹۴۲ء میں گرفتار کر لیے گئے اور دو سال بعد اگست ۱۹۴۴ء میں رہا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے رفقاء سمیت بھارتی مسلمانوں کا سہارا بنے اور مسلمانوں کے مستقبل کو محفوظ بنایا جو کہ آپ کا تاریخی کارنامہ ہے۔۱۹۵۷ء میں آپ نے جان جاں آفرین کے سپرد کی۔

فصل پنجم

تحریک پاکستان اور تھانہ بھون

ایک طرف تحاریکِ آزادی زور وشور سے جاری تھیں، دوسری طرف تھانہ بھون کے قصبہ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ عملی سیاست سے دور رہنے کے باوجود امتِ مسلمہ کے مستقبل سے غافل نہ تھے، بلکہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

''۱۹۲۸ء تھا اور مخاطب روزنامہ ''ہمدرد'' کا ڈائریکٹر تھا، صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آجانا ناگزیر سا تھا۔ گفتگو آئی، حضرت نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کافور ہوکر رہیں۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں، پہلے پہل اس قسم کی آواز یہیں کان میں پڑی، بس صرف حضرت کو ہم لوگوں کے اس وقت کے طریق کار سے پورا اتفاق نہ تھا، لیکن یہ اختلاف کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں۔ نفس مقصد یعنی حکومتِ کافرانہ سے گلوخلاصی اور دارالاسلام کے قیام میں تو حضرت ہم لوگوں سے کچھ پیچھے نہ تھے۔ عجب نہیں جو کچھ آگے ہی ہوں، حضرت کی گفتگو میں یہ جز بالکل صاف تھا۔ حضرت کو حکومتِ وقت سے جو مخالفت تھی، وہ اس کے ''کافرانہ'' ہونے کی بناء پر تھی نہ کہ اس کے بدیسی یا غیر ملکی ہونے کی بناء پر۔'' (نقوش و تاثرات : ص ۲۳)

مولانا دریا آبادی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت کو بعض معاصر علماء کی طرح ''جنگ آزادی''، ''جنگِ حقوق''، ''آزادی وطن'' وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ ان کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں تمام تر دینی تھا وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔ 1928ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی، تو اس ملاقات میں حضرت نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکامِ شریعت کے مطابق ہو بیت المال ہو، نظامِ زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں وقس علی ہذا۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس مقصد کے لئے تو صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہیے اور اسی کو یہ کوشش کرنی

چاہیے۔''

منشی عبدالرحمان خان اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گویا دربار اشرفیہ میں حصول و بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظامِ پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہوا، جب کہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے دارالاسلام کا جو نقشہ پیش کیا تھا، قائداعظم بھی اسی کے مطابق نظامِ پاکستان بنانا چاہتے تھے۔''

(تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی : ص۔ ۴۷)

بانی پاکستان اور اسلامی حکومت

اگست 1941ء میں جب قائداعظم حیدرآباد تشریف لے گئے، تو ان سے ''اسلامی حکومت'' کی وضاحت چاہی گئی انہوں نے اس سوال کے جواب میں نوجوان طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اسلامی حکومت کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کے لئے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ کسی پارلیمان کی نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی و پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔''

(حیات قائد اعظم : ص ۴۲۸)

دسمبر 1930ء کو علامہ محمد اقبال نے اسی طرح کا خیال الہ آباد کے خطبہ میں ظاہر کیا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے نہ صرف پاکستان کے حصول کے لئے خاکہ پیش کیا بلکہ عملی جدوجہد بھی شروع کر دی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا حالات و واقعات کے پیش نظر یہ خیال تھا کہ اب ہندو اور مسلمانوں کا اکھٹے رہنا مشکل ہے اور جو جماعت مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کا مطالبہ کرے گی اسے کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اس لئے آپ کو یہ فکر دامن گیر ہو رہی تھی کہ ہندوستان میں جو آئندہ متوقع اسلامی ریاست قائم ہو، اس کا نظام کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ آپ سمجھتے تھے کہ یہ تبھی ممکن ہے کہ ارکانِ حکومت خود کتاب و سنت کے پیرو ہوں۔ اس لئے آپ نے مسلم لیگ کی قیادت کو تبلیغ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ خانقاہِ امدادیہ کے مہتمم اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بھتیجے حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ روئیدادِ تبلیغ میں لکھتے ہیں:

''واقعہ مئی 1938ء کا ہے کہ ایک روز دوپہر کا کھانا کھا کر میں اپنے دفتر میں کام کر رہا تھا، جو حضرت حکیم الامت کی سہ دری کے سامنے تھا حضرت حکیم الامت دوپہر کا کھانا نوش فرما کر قیلولہ کے لئے خانقاہ میں تشریف لائے۔ اپنی سہ دری میں پہنچ کر مجھے آواز دی، میں فوراً حاضر ہوا اور سامنے بیٹھ گیا۔ حضرت سر جھکائے ہوئے کچھ متفکر تشریف فرما تھے اس زمانہ تک پاکستان کا مشہور ریزولیشن لاہور پاس نہیں ہوا تھا مگر کانگریس اور ہندوؤں کی ذہنیت بہت کچھ بے نقاب ہو چکی تھی اور عوام و خواص کی زبان پر یہ آ گیا تھا کہ ہندو کے ساتھ مسلمان کا نباہ ناممکن ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے علیحدہ سلطنت قائم کرنا ضروری ہے غرض حضرت نے دو تین منٹ کے بعد سر اٹھایا اور جو ارشاد فرمایا، اس کے الفاظ آج تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور بحمد للہ حافظہ میں محفوظ ہیں آپ نے فرمایا'' میاں شبیر علی! ہوا کا رُخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور بھائی جو سلطنت ملے گی، وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی۔ جن کو آج سب فاسق و فاجر کہتے ہیں۔ مولویوں کو تو ملنے سے رہی، لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ یہی لوگ دیندار بن جائیں۔ اگر تمہاری کوشش سے یہ لوگ دیندار اور دیانتدار بن گئے اور پھر سلطنت ان ہی کے ہاتھ میں رہی تو چشمِ ما روشن دل ما شاد کہ ہم خود سلطنت کے طالب ہی نہیں۔ ہم کو تو صرف یہ مقصود ہے کہ جو سلطنت قائم ہو، وہ دیندار اور دیانتدار لوگوں کے ہاتھ میں ہو اور بس! تاکہ اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا ہو۔''

میں نے ارشاد سن کر عرض کیا کہ پھر تبلیغ نیچے کے طبقہ یعنی عوام سے شروع ہو یا اوپر کے طبقہ یعنی خواص سے؛ اس پر ارشاد فرمایا کہ'' اوپر کے طبقہ سے کیونکہ وقت کم ہے خواص کی تعداد کم ہے اور **الناس علی دین ملوکھم** . اگر خواص دیندار اور دیانتدار بن گئے، تو انشاءاللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ (روائیداد : ص ۲ . ۱ بحوالہ تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی ص ۵۴ . ۵۵)

وفودِ تبلیغ

آپ نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ایک وفد شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی سربراہی میں مسلم لیگ کے مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 4 / جون 1938ء بمقام بمبئی کے موقع پر ارباب لیگ کی قیادت سے ملاقات کے لئے بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، لیکن حضرت عثمانی رحمہ اللہ کے اپنے شدید عذر کی وجہ سے شریک وفد نہ ہو سکنے کی وجہ سے پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ دسمبر 1938ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں ہونا قرار پایا تو آپ نے پھر تبلیغی وفد مولانا مرتضیٰ حسن

چاند پوری کی سربراہی میں روانہ کیا۔مولانا شبیر علی تھانوی رحمہ اللہ نے مسٹر جناح سے گفتگو کی۔اس وفد کے اہم رکن حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وفد نے قائداعظم سے کہا کہ مسلمان کسی تحریک میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس تحریک کے چلانے والے خود کو احکامِ اسلام کا نمونہ نہ بنائیں اور ان کے پیرو شعائر اسلام کی پابندی نہ کریں کیونکہ جب یہ سب خود کو احکامِ دین کا پابند بنالیں گے تو اس کی برکت سے نصرت و کامیابی خود بخود ان کے قدم چومے گی اور انشاء اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہو گی......مسلمانوں کی سیاست کبھی مذہب سے الگ نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے قائد مسجدوں کے امام بھی تھے اور میدان کے جرنیل بھی، خلفائے راشدینؓ، حضرت خالد بن ولید، ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سب مذہب و سیاست کے جامع تھے۔قائداعظم نے فرمایا کہ میرا تو خیال یہ ہے کہ مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہیے۔ وفد نے کہا کہ پھر اس طرح کامیابی کی توقع نہیں۔“

الغرض اس موضوع پر پورے اڑھائی گھنٹہ گفتگو ہوتی رہی اور آخر کار یہ خانقاہ نشین علماء دنیا کے اس بڑے اور کامیاب سیاستدان کی سیاست کو مذہب کی حدود کے اندر لانے میں کامیاب ہو گئے۔قائد اعظم نے وفد کے دلائل کو تسلیم کرتے ہوئے، اسے اپنے اس تاریخی فیصلہ سے آگاہ کیا کہ:

”دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو، میری سمجھ میں اب خوب آ گیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں، بلکہ مذہب کے تابع ہے۔“

(روائیداد ص ۷)

جب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی طرف سے تبلیغی وفود کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلم لیگ کی حالت کیا تھی؟ ملاحظہ فرمایئے!

”مسلم لیگ زیادہ تر عافیت پسند خطاب یافتہ حضرات پر مشتمل تھی۔جنہیں رجعت پسند اور انگریزوں کا پٹھو کہا جاتا تھا۔ان کی اکثریت دیندار حضرات پر مشتمل نہ تھی اسے متعارف علماءِ کرام کی تائید حاصل نہ تھی۔عام مسلمان اور بالخصوص دیہات وقصبات میں رہنے والا مذہب پرست طبقہ اس سے مانوس نہ تھا اس لئے عوام کا اسے اعتماد حاصل نہ تھا۔“

(تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی : ص ۱۰۰)

مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ

حضرت حکیم الامتؒ نے مسلم لیگ کی جدوجہد کو ہی ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کے لئے مفید سمجھا اس لئے جون ۱۹۳۹ء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ (مفتی اعظم پاکستان) اور بعض دیگر اکابر دیوبند کے مشورہ سے مسلم لیگ کی حمایت میں یہ فتویٰ جاری کیا۔

"گو مسلم لیگ متقی جماعت نہیں، بلکہ ایک سیاسی جماعت ہے گو اس جماعت کے آحاد (ارکان) میں اختلافِ مذاہب بھی ہے مگر چونکہ اسلام کی حفاظت اور مخالفین اسلام کی مدافعت اس کا مقصودِ مشترک ہے۔ اس لئے اس وقت کی فضاء پر نظر کر کے بظاہر اسباب اس کی ضرورت ہے کہ اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے باہمی اختلاف کو بجائے خود رکھ کر سب کلمہ گو جمع ہو جائیں اور جو متعصبین آزادی ہند کے بعد ہندوستان سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اس کی حمایت کریں، تاکہ اسلام اپنے اصول وشعائر کے ساتھ ہندوستان میں باقی رہے، زعماء کا کام اس وقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو من حیث القوم مٹنے نہ دیں اور علماء کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو من حیث المذہب بگڑنے نہ دیں اور ہر حال اور ہر عمل میں اصل مطمع نظر رضائے حق کو رکھیں کہ حقیقی کامیابی اسی پر موقوف ہے۔"

(تعمیر پاکستان اور علماء ربانی: ص ۱۰۰، ۱۰۱)

اس فتویٰ کا یہ اثر ہوا کہ مسلم لیگ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی اور اس کے تن مردہ میں روح پڑ گئی۔ ابتداءِ مارچ 1940ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے اصرار پر مفتی اعظم ہند اور صدر جمعیت علماءِ ہند مولانا مفتی محمد کفایت دہلوی رحمہ اللہ مسٹر محمد علی جناح سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو مسٹر جناح نے مفاہمت کے لئے یہ شرط پیش کی کہ جمعیۃ علماء ہند کے ارکان کانگریس سے استعفیٰ دے کر مسلم لیگ کے ممبر بن کر اس کے فیصلے پر عمل کرتے رہیں۔ مفتی صاحب نے ان کی یہ شرط اس شرط پر قبول کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی کہ اگر مسلم لیگ ایک معین مطالبہ برطانیہ کے سامنے پیش کرے جو آزادیٔ کامل پر مبنی ہو۔ اگر برطانیہ اسے منظور نہ کرے تو مسلم لیگ جارحانہ اقدامات شروع کر دے۔ مسٹر جناح نے معین پروگرام اور جارحانہ اقدام کے متعلق وعدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی: حصہ ۶/ ۱۰۳. ۱۰۴)

24,23,22 / مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں قراردادِ لاہور پاس ہوئی جسے بعد میں قراردادِ پاکستان کا نام دیا گیا ایک طرف تو مسلم لیگ نے قراردادِ پاکستان منظور کر لی

اور اس کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں تو دوسری طرف 9,8,7 / جون 1940ء کو جونپور میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی زیر صدارت جمعیۃ علماءِ ہند کا بارہواں سالانہ جلسہ ہوا جس میں آپ نے ۴۸ صفحات پر مشتمل خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا، آپ نے آزادی ہند کے لئے جد و جہد سے متعلق فرمایا:

''محترم بزرگو! حالات موجودہ اور زیادہ مجبور کرتے ہیں کہ آزادی ہند کے لئے اپنے مساعی میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی عمل میں لائی جائے اور تمام خلق خدا کو عموماً اور اہل ہند کو خصوصاً اسی ذریعہ سے ہر قسم کے عذابِ الیم سے نجات دلائی جائے۔ ہماری غلامی نہ صرف ہمارے لئے باعثِ مصائب و آفات ہے بلکہ بہت سی غیر ہندوستانی قومیں بھی اس کی وجہ سے انتہائی تکالیف میں مبتلا ہیں۔ اس ملک کی آزادی میں قرب و جوار کے اسلامی ملک مثل یاغستان، افغانستان، ایران وغیرہ بہت سے مصائب اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے۔ مقاماتِ مقدسہ اور دیارِ عرب، مصر و شام، فلسطین، سوڈان، شمالی ہند وغیرہ جن میں اسلامی آبادی ہے اور ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے یہ سب غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں، آزاد ہو سکیں گے۔ موجودہ حکومت نے تمام باشندگانِ ہند سے زیادہ مسلمانوں کو برباد کیا ہے۔ یہ آزادی خواہ اسلام راج کی طرف ہو یا اھون البلیتین مشترک راج کی طرف (بہر حال) مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ آزادی کے بغیر یہ ہلاک کرنے والا افلاس، قحط اور گرانی زائل نہیں ہو سکتے اور بغیر ان کے زوال کے نہ دنیاوی زندگی بہتر ہو سکتی ہے اور نہ دینی فرائض و واجبات پوری طرح ادا ہو سکتے ہیں۔''

آپ نے تحریکِ پاکستان سے متعلق فرمایا:

اس زمانہ میں پاکستان کی تحریک زبان زد عام ہے اگر اس کا مطلب اسلامی حکومت علی منہاج النبوۃ (جس میں تمام احکام اسلامی حدود و قصاص وغیرہ جاری ہوں) مسلم اکثریت والے صوبوں میں قائم کرنا ہے تو ماشاء اللہ نہایت مبارک اسکیم ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ مگر بحالاتِ موجودہ یہ چیز متصور الوقوع نہیں اور اگر اس کا مقصد انگریزی حکومت کے ماتحت کوئی ایسی حکومت قائم کرنا ہے جس کو مسلم حکومت کا نام دیا جا سکے تو میرے نزدیک یہ اسکیم محض بزدلانہ اور سفیہانہ ہے جو ایک طرف برطانیہ کے لیے ''ڈیوائیڈ اینڈ رول'' کا موقع بہم پہنچا رہی ہے اور یہی عمل برطانیہ نے ہر جگہ جاری کر رکھا ہے۔ ٹرکی کو اسی طرح تقسیم کیا گیا۔ عربی ممالک کو اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹا

گیا اور یہی عمل ہندوستان میں مختلف پیراؤں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس کی وحی بھی لندن، آکسفورڈ، کیمبرج، شملہ، نئی دہلی وغیرہ سے ہوئی ہو جیسا کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔

(علماء ہند کا شاندار ماضی : حصہ ۱۱۴/۶ . ۱۱۵)

جمعیۃ علماءِ ہند کا فارمولا

جنگِ عظیم دوم کے چھڑ جانے کے بعد فروری 1942ء میں جاپانی فوجوں کا سیلاب بہت تیزی کے ساتھ ہندوستان کی طرف بڑھ رہا تھا تو ایسے میں وزیر اعظم برطانیہ نے کرپس مشن ہندوستان روانہ کیا۔ 22,21,20 / مارچ 1942ء کو لاہور میں جمعیۃ علماءِ ہند کا اجلاس حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی زیر صدارت ہوا۔ جس میں جمعیۃ علماءِ ہند نے آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے صحیح مؤقف سے متعلق درجِ ذیل فارمولا پیش کیا:

''جمعیۃ علماء بار بار اس امر کا اعلان کر چکی ہے کہ اس کا نصب العین آزادی کامل ہے، اس پر تمام مسلمانانِ ہند متفق ہیں اور اسی کو اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔ جمعیۃ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ ان کا مذہب آزاد ہوگا اور مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی وہ کسی ایسے آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

جمعیۃ علماءِ ہند ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کی زبردست حامی ہے جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔ جمعیۃ علماءِ ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔''

اس فارمولے میں چار اصول پیش کئے گئے ہیں:

(1) آزادیٔ کامل

(2) ایسی وطنی آزادی کہ مسلمان اپنے مذہب، کلچر، تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے بھی آزاد

ہوں۔

(3) صوبے کامل خودمختار ہوں۔مرکز کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوں جن کو صوبے طے کردیں۔باقی غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں۔

(4) ہندوستان کا ایک وفاق ہو۔مگر وہ اس طرح مرتب کیا جائے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔وہ کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر مجبور نہ ہوں۔

(علماءِ ہند کا شاندار ماضی : ۱۳۴/۴)

جمعیت علماء اسلام کی تشکیل

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بعد ان کے خلفاء حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ جو کہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی تھے، پاکستان کی حمایت کررہے تھے۔نومبر 1945ء میں کلکتہ میں علماء کا ایک اجتماع ہوا جس میں ''جمعیت علماء اسلام'' تشکیل دی گئی۔شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا، چنانچہ جمعیت علماء اسلام نے متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔یہ مسلم لیگ کے لئے بہت مشکل وقت تھا۔الیکشن سر پر آ گئے تھے اور ابھی تک لیگی امیدواروں کو عوامی حمایت حاصل نہ تھی۔ چنانچہ نوابزادہ لیاقت علی خان نے ایک خط مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور مولانا شبیر علی صاحب تھانوی رحمہما اللہ مہتمم خانقاہ امدادیہ کے پاس تھانہ بھون بھیجا۔جس میں لکھا کہ اگر آپ اس وقت دورہ پر نہ نکلیں گے، تو مسلم لیگ کی کامیابی دشوار ہے۔چنانچہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے انتخابات کے میدان میں نکل کھڑے ہوئے اور لیگی امیدواروں کی حمایت میں تقاریر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔سب سے زیادہ مقابلہ خود لیاقت علی خاں کے حلقہ میں تھا۔لیاقت علی دہلی سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔انہیں پورے ملک کے انتخابات کی فکر تھی، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فتویٰ حاصل کر کے مختلف علاقوں میں پھیلائے گئے۔اس طرح لیگی امیدواروں کو کامیابی حاصل ہوئی۔

مجلس احرار اور حکومتِ الٰہیہ

انگریز نے 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو اپنی حکومت کے استحکام کے لئے خطرہ سمجھ کر اسے منسوخ کرانے کا فیصلہ کیا جس کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کو منتخب کیا گیا۔ انگریز کے اس خود کاشتہ پودے نے حق نمک ادا کرتے ہوئے نبوت کا دعویٰ کیا اور جہاد کو منسوخ قرار

دینے کا اعلان کر دیا۔علماء کرام نے اس نئے فتنے کا تعاقب شروع کیا، دسمبر 1929ء میں مولانا ابو الکلام آزادؔ رحمہ اللہ کی تجویز پر مجلس احرارِ اسلام کا قیام عمل میں آیا جس کے پہلے صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ منتخب کیے گئے۔مئی 1943ء میں مجلس احرار نے حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے جدوجہد کے آغاز کا اعلان کیا۔جانباز مرزا مرحوم اس سے متعلق لکھتے ہیں:

''1940ء کی لاہور قرارداد کے بعد اقوامِ ہند کے خیالات نئے زاویوں سے دیکھے جانے لگے۔ ہندو کے جذبۂ نفرت نے مسلمان کو اس سے متنفر کر دیا تھا۔دلوں کی باتیں زبانوں پر آکر فضاؤں میں پھیل چکی تھیں، جس کے باعث ہر روز کے حالات نئے واقعات کو جنم دے رہے تھے۔دوسری طرف جنگِ عظیم کے متوقع نتائج کے پیش نظر غیر ملکی اقتدار کا زوال صاف دکھائی دے رہا تھا، ایسے میں احرار رہنماؤں کو یقین تھا کہ مستقبل قریب میں ہندوستان کے نقشے پر کوئی نیا سورج طلوع ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ یہ سورج اسلام کا سورج ہو، برائی نیکی کی ضامن بن جائے، لہٰذا آنے والے کل کے لئے آج سے راستہ ہموار کرنا چاہیے، چنانچہ مئی 1943ء میں آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی نے سہارنپور میں سول نافرمانی کی قرارداد جو کہ 1942ء میں واپس لے لی گئی تھی کی جگہ ''حکومتِ الٰہیہ'' کی قرارداد منظور کی، نیز فیصلہ کیا کہ مجلس احرار ہندوستان کے موجودہ فرقہ وارانہ فیصلوں سے الگ رہے گی اور ہندوستان کے آئین میں اگر کوئی تبدیلی آئی تو مسلمان اپنے لئے حکومتِ الٰہیہ کا نظام پسند کریں گے، کیونکہ اس سے پیشتر انگریز کا نعرہ تھا ''خلقت خدا کی، حکم بادشاہ (ملک معظم) کا''، لیکن سہارنپور کی قرارداد کے بعد مجلس احرار کا نعرہ تھا ''خلقت خدا کی اور حکم بھی خدا کا۔''

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّٰه ﴾

(حیات امیر شریعت: ص ۲۷۴)

امیر شریعت اور تحریکِ پاکستان

حضرت امیر شریعتؒ حکومتِ الٰہیہ کے داعی ہونے کے باوجود مسلم لیگ کے نظریے سے متفق نہ تھے، ان کا فرمانا تھا کہ:

''کسی زمین کو حاصل کرنے سے پیشتر اللہ تعالیٰ کا نظام اپنے دلوں پر قائم کریں، فرنگی کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی سے جو دل زنگ آلود ہو چکے ہیں، انہیں ایمان کی کسوٹی پر پرکھیں، تاکہ کفر کے نظامِ حکومت کی جو آلائشیں اس پر جم چکی ہیں وہ صاف ہو جائیں۔اس کے علاوہ

اگر آپ نے کوئی زمین حاصل کر بھی لی تو جو نظام آپ قائم کریں گے، وہ انسانوں کا بنا ہوا ہو گا جس کی ہر شق کفر کے آئین سے ماخوذ ہو گی۔'' (حیات امیر شریعت : ص ۲۷۴)

انسانیت کے لئے اسلامی نظام کس قدر ضروری ہے؟ حضرت امیر شریعت فرماتے ہیں:

''مخلوق میں جب تک خالق کا نظام نہیں چلایا جائے گا دنیا میں امن نہ ہو گا۔''

(حیات امیر شریعت : ص ۲۵)

امیر شریعتؒ پاکستان کے مقصد سے اختلاف نہ کرتے تھے بلکہ ان کے نزدیک برصغیر کی جس طرز پر تقسیم کا مطالبہ مسلم لیگ کر رہی تھی درست نہ تھی، نیز ان کی یہ رائے تھی کہ مسلم لیگ جو کہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا دعویٰ کرتی ہے، اس کی قیادت ایسا ہرگز نہ کرے گی کیونکہ جب وہ خود اسلامی تعلیمات سے نا بلد اور اس پر عمل سے گریزاں ہے تو کروڑوں مسلمانوں پر اسلامی نظام کیسے نافذ کرے گی؟ پاکستان کے مطالبہ پر انہوں نے ہر پہلو سے غور وفکر کیا لیکن انہیں یہ مطالبہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کے خلاف نظر آتا تھا۔

فصل ششم

تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان

3 / جون 1947ء کو تقسیم ہند کا اعلان ہو گیا تو 11 / جون کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی، تحریک پاکستان کی کامیابی کی مبارک باد پیش کرنے کے لئے مسلم لیگ کے قائد محمد علی جناح کی کوٹھی پر پہنچے۔ جونہی یہ حضرات ان کے کمرہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ مصافحہ کے بعد اپنے پاس بٹھلایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے انہیں حصولِ پاکستان پر مبارک باد پیش کی، تو انہوں نے کہا کہ: ''مولانا یہ مبارکباد تو آپ کو ہے کہ آپ کی ہی کوششوں سے یہ کامیابی ہوئی ہے۔''

اسلامی نظام کا وعدہ

اس کے بعد محمد علی جناح نے از خود کہا کہ مولانا مجھے تو اس وقت بڑی فکر سلہٹ اور فرنٹیئر کے ریفرنڈم کی ہے۔ اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا، تو یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس ریفرنڈم میں پاکستان کامیاب ہو جائے؟ اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ سرحد پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ بھی مشرقی پاکستان کے لئے ایسا ہی ہے۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ پاکستان اس ریفرنڈم میں کامیاب ہو۔ اس کے جواب میں ان دونوں حضرات نے یہ شرط پیش کی کہ ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں کہ انشاءاللہ پاکستان اس میں کامیاب ہوگا بشرطیکہ آپ اعلان کر دیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہوگا اور اس کا دستور اسلام ہوگا، کیونکہ فرنٹیئر اور بنگال کا مسلمان سیاسی مصالح کو نہیں جانتا، وہ صرف اسلام کو جانتا ہے اور اسی کے نام پر ووٹ دے سکتا ہے۔ کہنے لگے مولانا! میں تو اس کا بارہا اعلان کر چکا ہوں اور جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو وہاں اسلامی دستور کے سوا اور کون سا دستور ہو سکتا ہے؟ آپ بخوشی اپنی تحریر و تقریر میں میرے حوالے سے اس کا اعلان کرتے رہیں اور ان کو پورا اطمینان دلائیں کہ میں نے قوم سے کبھی غداری نہیں کی۔ جو میں نے پہلے بارہا کہا ہے وہ میں آج بھی کہتا ہوں کہ پاکستان کا نظامِ حیات اسلامی ہوگا اور اس کا دستور کتاب و سنت کے موافق ہوگا۔ (تعمیر پاکستان اور علماء ربانی: ص ۱۲۹)

اس پر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا: میں انشاءاللہ سلہٹ کا محاذ سنبھال لوں گا اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرنٹیئر کے محاذ کا وعدہ کیا۔ اس پر ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کھڑے ہو کر ان

سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: ''خدا آپ کو اور آپ کے ذریعہ سے پاکستان کو کامیاب کرے۔'' چنانچہ ان دونوں حضرات نے سرحد وسلہٹ کے محاذ سنبھال لئے اور پاکستان کی حمایت میں زوردار تقاریر کیں ،آخرکار دونوں صوبوں میں لیگ کو کامیابی نصیب ہوئی۔

تحریک پاکستان اور علماء کرام کی آرائمیں اختلاف

تحریک شیخ الہند کے انکشاف اور حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء کی گرفتاری کے بعد جہاد آزادی کے طریقہ کار میں تبدیلی لائی گئی اور عوامی تحریک کے زور پر برطانوی سامراج کو نکالنے کا راستہ منتخب کیا گیا۔آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں مختلف آراء سامنے آئیں ۔جہاد آزادی کے مرکز دار العلوم دیوبند کے اکابر میں بھی اختلاف آراء سامنے آیا۔جمعیت علماء ہند کے راہنما شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کرام یہ یقین کرتے تھے کہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری متحدہ ہندوستان میں ہے۔اس کے لئے انہوں نے اس وقت کے لحاظ سے ایک جامع اور قابل قبول فارمولا بھی پیش کر دیا جس کا مختصر ذکر آ چکا ہے۔اس کے علاوہ مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کرنے والی اور اسلامی نظام کے نفاذ کے وعدے وعید کرنے والی لیگی قیادت کے بارے میں بھی انہیں تحفظات وخدشات تھے۔ دوسری طرف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور آپ کے خلفاء جو کہ جید ومستند علماء کرام اور مفتیانِ کرام تھے،مسلم لیگ کے علیحدہ وطن کے مطالبے کی تائید کر رہے تھے چنانچہ ان حضرات کی شمولیت سے ہی مسلم لیگ بام عروج تک پہنچی۔

دونوں فریق اپنی اپنی رائے کو درست سمجھتے تھے اور ہر فریق اپنے آپ کو برحق سمجھتا تھا۔ چنانچہ دونوں فریقوں نے اپنے اپنے نقطہ نظر کے لیے لازوال خلوص،محنت اور جذبے کے ساتھ کام کیا۔ پاکستان کے مطالبے کے نظریے کو مقبولیت حاصل ہوئی اور پاکستان بن گیا۔علماء کرام کا یہ اختلاف چونکہ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے اس لئے ہم نے مختصراً ذکر کر دیا ہے، ورنہ عصرِ حاضر میں اس کو موضوعِ بحث بنانا عبث ،بے کار اور لاحاصل ہے کیونکہ یہ بحث اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہے اور اب اس کو زیر بحث لانے سے کوئی فائدہ تو نہیں ہوتا البتہ طرفین میں نفرت بڑھتی ہے اور مسلمانوں میں وحدت اور جوڑ پیدا کرنے کی سعی کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔لہٰذا اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ماضی کے قصے کو چھیڑنے کی بجائے قیام پاکستان کے مقصد اور اسلامی نظام کے احیاء کے لیے عملی جدوجہد کی جائے۔

آئین ساز مجلس العلماء کا قیام

علماء کرام نے تحریک پاکستان کی حمایت ونصرت اس بنا پر کی تھی کہ قیام پاکستان کے بعد اس میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا۔ چنانچہ تحریک پاکستان کے دوران ہی لاہور میں آئین ساز مجلس العلماء کے نام سے علماء کی ایک جماعت قائم کی گئی تا کہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی وہ جدید آئین کی بنیادی شکل کے لئے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں مجلس دستور ساز کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کردے چنانچہ اس مجلس کی رکنیت کے لئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی خدمت میں ایک چٹھی لکھی گئی مذکورہ بالا چٹھی موصول ہونے پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے نہ صرف اس جماعت کی رکنیت بلکہ قیادت بھی منظور فرماتے ہوئے حسب ذیل تاریخی جواب لکھا۔

''اکابر مسلم لیگ کے وہ اعلانات جو گذشتہ الیکشن کے دوران میں پاکستان میں اسلامی اور قرآنی نظام قائم کرنے کے متعلق کئے گئے تھے، میں اپنی خاص وعام مجلس میں دہراتا رہا ہوں۔ ۹ر جون ۱۹۴۷ء کی آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے موقعہ پر ایک وفد کی معیت میں میری جو گفتگو اس سیاق میں جناح صاحب سے ہوئی، اس میں موصوف نے ہم کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے قیام کے بعد کوئی کمیٹی علماء کی بنائی جائے گی، جو مجوزہ دستور کی شرعی نقطہ نظر سے جانچ کرے گی۔ میں اس نظریہ (آئین اسلامی) کا دل سے حامی ہوں اور جس حد تک موقعہ اپنی بساط کے موافق اس بارے میں سعی کرنا اپنا فرض مذہبی سمجھتا ہوں چونکہ میرا انتخاب دستور ساز اسمبلی کے لئے بھی ہو چکا ہے۔ میرا عزم مصمم ہے کہ وہاں پہنچ کر اپنی استطاعت کی حد تک اس سلسلہ میں پوری قوت کے ساتھ آواز بلند کروں، خواہ کوئی میری پارٹی کا ساتھ دے یا نہ دے اور آخری نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ یہ نہ صرف میرے ضمیر کی آواز ہوگی، بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اس طرح کروڑوں مسلمانوں کے صحیح جذبات اور ان کے ایمانی تقاضوں کی سچی ترجمانی کروں گا۔ اس لئے لاہور میں جو بعض علماء نے آئین ساز مجلس العلماء کے نام سے ایک جماعت قائم کی ہے، اُس کی شرکت میں نے منظور کر لی ہے اور ان سے کہہ دیا ہے کہ اس سلسلہ میں اپنی دعوتِ تعاون کا دائرہ تنگ نہ کریں، بلکہ ہر قسم کے علماء اور دانشمند ماہرین کو، جو اس کام سے دلچسپی رکھتے ہوں اور اس میں مدد کر سکتے ہوں، دعوت دیں۔ خواہ ان کا مسلک کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اسلام کے اولین اساسی اصول میں ان کو کوئی اختلاف نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ باوجود ہمارے ہزاروں اختلافات کے اس مرکزی نقطہ پر ہم سب مجتمع ہو سکتے ہیں کہ نوع انسانی کے دنیوی اور اُخروی مصائب کا واحد علاج اس نظام حکومت کے قیام سے متصور ہے، جو قرآن

وسنت کے بتلائے ہوئے فطری اصول اور تاریخ عالم کے درخشاں تریں عہد حکومت کی بہترین روایات پر قائم ہو۔(**حیات شیخ الاسلام : ص ۴۹ . ۵۱**)

اسلامی دستور کے لئے بانی پاکستان سے ملاقتیں

مارچ ۱۹۴۸ء میں جب بانی پاکستان محمد علی جناح مشرقی پاکستان کے دورہ پر تشریف لے گئے تو ایک دن مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دستور سازی کے معاملہ پر بانی پاکستان سے گفتگو کرنے کے لئے ذاتی طور پر ان کی ڈھاکہ کی قیام گاہ پر پہنچے۔مولانا عثمانیؒ نے قائد اعظم سے فرمایا'' مجھے سب سے پہلے یہ عرض کرنا ہے کہ پاکستان اس لئے نہیں لیا تھا کہ ہندوستان کے لاکھوں مسلمان قتل اور لاکھوں مسلمان خانماں برباد ہو جائیں۔ہم نے اس خطرہ کو دہلی میں پہلے ہی آپ پر ظاہر کیا تھا،مگر آپ نے ہم کو یقین دلایا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔مگر جو خطرہ ہم نے ظاہر کیا تھا، وہ پیش آ کر رہا۔پھر یہ سلسلہ ہنوز ختم نہیں ہوا۔آپ نے اس کا کیا انتظام فرمایا؟ پھر اگر پاکستان میں نظامِ اسلام جاری ہو گیا ہوتا تو ہماری اشک شوئی ہو جاتی اور ہم یہ سمجھتے کہ ان قربانیوں کی تلافی نظامِ اسلام جاری ہونے سے ہوگئی، جو بہت بڑی نعمت ہے۔افسوس! وہ بھی اب تک نہ ہوا تو ہم قوم کو کیا منہ دکھلائیں کہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنا تھا، وہ بھی حاصل نہ ہوا اور نقصان حد سے زیادہ ہو گیا۔(**تعمیر پاکستان اور علماء ربانی : ص ۱۴۲**)

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے دونوں سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا:

'' مولانا جو خطرہ آپ کو تھا، اس کا احساس مجھے بھی تھا۔مگر میرا یہ خیال تھا کہ پاکستان بننے پر ہندو کچھ ایسی ہی شورش کریں گے، جیسی قربانی یا محرم کے موقع پر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں۔سو میری قوم نے ایسے موقع پر کبھی ہندو سے شکست نہیں کھائی، ہمیشہ غالب رہی ہے۔ایسا اس دفعہ بھی ہوگا۔اس کا مجھے وہم بھی نہیں تھا کہ اس قوم (ہندو) کو باؤلا کتا کاٹ جائے گا...... باقی رہا نظامِ اسلام کا مسئلہ تو آپ مطمئن رہیں ذرا مجھے مہاجرین کی طرف سے اطمینان ہو جائے اور اسمبلی کو بھی اطمینان نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ بہت جلد دستورِ پاکستان اصولِ اسلام کے موافق مرتب ہو جائے گا۔میرا خیال ہے کہ پاکستان میں ایک لارڈ بشپ ہوگا۔اس کا ترجمہ آپ کیا کریں گے؟ میں نے کہا'' شیخ الاسلام'' کہنے لگے ہاں! ایک شیخ الاسلام ہوگا جو حکومتِ پاکستان کو کنٹرول کرتا رہے گا کہ کوئی دستور اور کوئی قانون خلاف اسلام پاس نہ ہو سکے۔

(**تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی : ص ۱۴۳ . ۱۴۴**)

قائداعظم جب چاٹگام کا دورہ کرنے کے بعد واپس ڈھاکہ آئے ،تو جمعیت علماء اسلام کے وفد نے ان سے ملاقات کی ۔مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے ان سے فرمایا۔جیسا کہ انکی روئیداد میں درج ہے کہ:

''آپ نے حصولِ پاکستان سے پہلے وعدہ فرمایا تھا کہ دستورِ پاکستان کتاب وسنت کے موافق ہوگا ۔یہ وعدہ جلد پورا کیا جائے کیونکہ ہم نے قوم سے یہی وعدہ کیا تھا اور اب لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ وہ اسلامی نظامِ حیات کہاں ہے؟'' قائداعظم نے اس وقت بھی ان کو اطمینان دلایا کہ ''یہ وعدہ پوا ہو کر رہے گا۔ میں نے قوم سے کبھی دھوکا نہیں کیا۔آپ کی حکومت اسلامی حکومت ہے اس کا دستور اسلام کے اصول پر نہ ہوگا تو اور کس اصول پر ہوگا؟ اور یہ انشاءاللہ جلد مکمل ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا۔مولانا شبیر احمد عثمانی اسمبلی کے اندر موجود ہیں ان کی رہنمائی میں کام ہورہا ہے۔ چند ناگہانی مصائب کی وجہ سے دیر ہوگئی ہے اب زیادہ دیر نہیں ہوگی۔ (ایضاً : ص ۱۴۴)

علامہ عثمانیؒ کا اربابِ اقتدار کو چیلنج

پاکستان کو قائم ہوئے ایک سال سے زائد کا عرصہ ہوچکا تھا لیکن ابھی تک دستور سازی کا کام نہ ہو سکا کہ اسی دوران 11 /ستمبر 1948ء کو بانی پاکستان محمد علی جناح اس دنیا سے رخصت ہوگئے ۔ان کے بعد اربابِ اقتدار نے مقصدِ پاکستان سے یکسر انحراف کرنا شروع کردیا اور اسلامی نظام کے مخالفین نے سیکولر یعنی لادینی نظامِ حکومت کے قیام کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔ چنانچہ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے اربابِ اقتدار کے خودغرضانہ طرزِ عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے 10,9 /فروری 1949ء کو ڈھاکہ میں جمعیۃ علماءِ اسلام کی ایک کانفرنس زیرِ صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی منعقد ہوئی۔جس میں آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں اربابِ اقتدار کے طرزِ عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''حصولِ پاکستان کے بعد علماء ومشائخ کی ان مساعی عظیمہ کو اربابِ اقتدار نے قطعاً فراموش کردیا ہے۔ مذہبی طبقہ کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف تو درکنار نشرواشاعت کے ان تمام ذرائع سے جو حکومت کے دامن سے وابستہ ہیں،اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے کہ مذہبی عنصر زیادہ چمکنے یا ابھرنے نہ پائے اور جہاں تک ہو سکے،اس کو خمول اور کسمپرسی کی حالت میں ہی چھوڑ دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ وقت پڑنے پر علماءِ حق کو احمق بنالیا جاتا

ہے۔ جب کام نکل گیا تو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ میں بالکل صفائی سے بتلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ صورتِ حال ہمارے لئے کوئی غیر متوقع چیز نہیں۔ ہم یقیناً پہلے سے جانتے تھے کہ ایسا ہوگا ...... ہم خالص خدا کی خوشنودی اور اسلام اور اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اپنی اس نئی مملکت کو مضبوط اور محفوظ بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ ساتھ ہی ہم اس کوشش سے بھی کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کا وہ دستور و آئین اور وہ نظامِ حکومت تشکیل پذیر ہو، جس کی رُو سے اس بات کا مؤثر انتظام کیا جائے کہ مسلم قوم اپنی زندگی اسلام کے انفرادی و اجتماعی تقاضوں اور اسلامی تعلیمات کے مطابق، جو قرآن وسنت سے ثابت ہوں، مرتب و منظّم کر سکے اور کوئی ایسا قانون، بل اور آرڈیننس جاری یا نافذ نہ ہو سکے، جو احکامِ اسلام کے خلاف ہو۔''

(تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی: ص ۱۵۴ . ۱۵۵)

چیلنج کا نتیجہ

علامہ عثمانیؒ کے اس چیلنج سے ایوانِ اقتدار میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔ اس وقت نوبزادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم تھے۔ علماءِ اسلام اور عوام کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر آئین سازی کی مہم کو تیز کر دیا۔ ان کی درخواست پر علامہ عثمانی نے قرار دادِ مقاصد کا مسودہ تیار کیا، پھر شیخ الاسلام حضرت عثمانی رحمہ اللہ کا بھی دسمبر 1949ء میں انتقال ہو گیا اور حضرت بھی اسلامی نظام کی عملی شکل نہ دیکھ سکے۔ قرار دادِ مقاصد پاس ہونے کے بعد دستور کی تیاری کے لئے 1949ء کے وسط میں پانچ علماء پر مشتمل تعلیماتِ اسلامی بورڈ منظور کیا گیا۔ جس کی صدارت کے لئے مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا جو کہ اس وقت تک ہندوستان میں تھے۔ وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان کی درخواست واصرار پر سید صاحب 14 / جون 1950ء کو کراچی پہنچے۔ حکمرانوں کی غفلت ولا پرواہی کو دیکھ کر انہوں نے ہندوستان واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن احباب کے روکنے پر رک گئے۔ سید صاحب کے مطالبہ پر حکومت نے مروّجہ قوانین پر نظر ثانی کرنے اور انہیں اسلامی قانون کے معیار میں لانے کے لئے ایک لاء کمیشن مقرر کیا۔ جس کے ارکان دو ججوں کے علاوہ سید صاحب خود اور مولانا مفتی محمد شفیع تھے۔ تعلیماتِ اسلامی بورڈ کی رپورٹ سید صاحب کی رائے کے ساتھ حکومت کو پیش کی گئی، چونکہ وہ اربابِ اقتدار کے مزاج کے مطابق نہ تھی اس لئے اسے دبا دیا گیا۔

اسلامی دستور سے متعلق پروپیگنڈہ اور بائیس نکات

ادھر مخالفین اسلام نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ تعلیماتِ اسلامی بورڈ کوئی معقول رپورٹ پیش نہیں کر سکا اور یہ کہ اسلام کا کوئی دستور مملکت نہیں اور نہ قرآن میں دستور سے متعلق کوئی لفظ موجود ہے۔حکومت کے اس غلط رویے اور پروپیگنڈے کا جواب دینے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اسلام کا واضح دستور مملکت موجود ہے۔ 24,23,22,21 / جنوری 1951ء کو کراچی میں تمام مسالک کے 31 جید علماء کرام کا اجتماع علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔اس میں متفقہ طور پر اسلامی مملکت کے بنیادی اصولوں پر مشتمل 22 نکات پیش کئے گئے۔ یہ متفقہ نکات ان علماء کا تاریخی کارنامہ تھا۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے دستور قرآنی کے نام سے 18 دستوری دفعات کو قرآن کریم سے اجمالاً پیش کر کے ثابت کیا کہ دستورِ اسلامی قرآن سے ثابت ہے۔ 14 / اکتوبر 1951ء کو نوابزادہ لیاقت علی خان قتل کر دیے گئے۔خواجہ ناظم الدین کی وزارتِ عظمیٰ میں از سر نو دستوری سفارشات مرتب کرنے کا کام شروع ہوا۔لیکن حکومت میں شامل مخالفین اسلام پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے اور اسلامی دستور میں رکاوٹیں کھڑی کرنے میں کوشاں تھے۔ چنانچہ حکومت کو اس کا فرض جتلانے کے لئے 15,14 / نومبر 1952ء کو ڈھاکہ میں نظامِ اسلام کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں اربابِ اقتدار پر واضح کر دیا گیا:

> ’’پاکستان کے دستور کا کوئی جز،کوئی گوشہ اور کوئی دفعہ اگر اسلامی نظام کے خلاف ہوا تو وہ دستور ہرگز اسلامی نہ کہلائے گا اور کسی ایسے دستور کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا جو بنایا تو گیا ہو اسلام کے نام پر لیکن اس میں اسلامی روح کارفرما نہ ہو۔ یہ مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ ایک ایسا فیصلہ جس کو منوانے کی خاطر وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔‘‘

(تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی : ص ۱۸۶ . ۱۸۷)

اس اعلان کے بعد نظامِ اسلام کانفرنس کے تیسرے روز وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کی طرف سے اکابر علماء کو دعوت نامے موصول ہوئے کہ 22 / نومبر 1952ء کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کئے جانے والے دستور پر غور و خوض کے لئے کراچی تشریف لائیں۔ 11 تا 18 / جنوری 1953ء کو کراچی میں 22 دستوری نکات مرتب کرنے کے لئے علماء کرام کا اجتماع ہوا،جس میں چند اہم ترمیمات کے ساتھ نئے دستور کی تائید کی گئی۔

اربابِ اقتدار کی ریشہ دوانیاں

18/جنوری کو ہی کراچی کے اجتماع میں مسئلہ ختمِ نبوت پر راست اقدام کی تحریک کا فیصلہ کیا گیا۔ 22/نومبر 1953ء کو تعلیمات اسلامی بورڈ کے صدر علامہ سید سلیمان ندویؒ انتقال فرما گئے۔ جن کے بعد تمام تر ذمہ داریاں مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے سنبھال لیں۔ ان مخلص اکابر کی انتہائی جدوجہد کے باوجود دستور نہ بن سکا۔ اس دوران سیاستدانوں کا یہ حال تھا کہ بدقسمتی سے ہمارے ارباب اختیار و اقتدار کی اکثریت چونکہ مغرب زدہ مفاد پرست اور متضاد عناصر پر مشتمل تھی، اس لئے وہ اسلامی اصولوں کے احیاء کو پاکستان کے لئے نہیں، اپنے لئے موت کے پروانہ پر دستخط کرنے کے مترادف سمجھتی تھی۔ بظاہر تو وہ قومی اتحاد، ملی استحکام اور ملکی سلامتی کا دَم بھرتی تھی۔ مگر بباطن پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو ختم کرنے اور عملاً قائداعظم کے اصول و ہدایات کے نقوش مٹانے میں مصروف تھی جن کی کوششوں سے یہ برسر اقتدار آئی تھی۔

اربابِ اقتدار کی ان ناپاک مساعی کا پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ سات سال تک تو پاکستان کے دستور بننے کی نوبت ہی نہ آئی، جبکہ تقریباً 3 سال کے عرصہ میں ہندوستان اپنا آئین مکمل کر چکا تھا۔ جب اسلامی آئین قریباً قریباً تیار ہوگیا، تو اربابِ اقتدار نے اس سے بچنے کے لئے ایک دوسری چال چلی۔ غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے ملک میں ہنگامی صورت حال کا اعلان کرتے ہوئے 24/اکتوبر 1954ء کو مجلس دستور ساز کو توڑ کر اقوامِ عالم کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کردیا اور آج تک اسلامی قوانین کی ترتیب و تشکیل کے لئے جس قدر کوششیں ہوتی رہی تھیں ان پر پانی پھر گیا اور اس طرح وہ طبقہ جو اسلامی آئین کے نفاذ کا مخالف تھا، اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ کامیاب و کامران ہوگیا۔

فصل ہفتم

اسلامی دستور کے لئے علماءِ کرام کی جدوجہد

21/ جنوری 1955ء کو نئی مجلس دستور ساز معرض وجود میں آئی۔ اسلام مخالفین کا پورا زور تھا کہ اسلامی دستور ہر گز نہ بننے پائے۔ دوسری طرف ملک کی سیاسی جماعتیں اقتدار کی جنگ میں مصروف تھیں اور انہیں دستور سازی خصوصاً اسلامی دستور کی تیاری سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان حالات میں حضرت مفتی محمد حسنؒ صدر مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کی ہدایت کے مطابق مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی زیر قیادت مجلس دستور ساز کے ممبران کو انگریزی میں ایک میمورنڈم پیش کیا گیا۔ جس کے اہم نکات یہ تھے: ''ہمارا دستور قرارداد مقاصد کے مقتضیات کے عین مطابق مرتب کیا جائے، علماء کرام کے متفقہ 22 نکات کی روشنی میں دستور میں اسلامی دفعات شامل کی جائیں، قانون سازی کے لئے قرآن وسنت کو ماخذ اصلی قرار دیا جائے۔''

دستوری مہم چلانے کے لئے پانچ علماء کی ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کے ممبر مولانا ظفر احمد انصاریؒ نے جولائی 1955ء میں مجلس دستور ساز کے مری میں منعقدہ اجلاس میں ممبران سے ملاقات کر کے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی، پھر مشرقی پاکستان سے نظامِ اسلام پارٹی کی طرف سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا اطہر علی مجلس دستور ساز کے ممبر منتخب ہوئے جو کہ دستور مرتب کرنے والی کمیٹی کے بھی رکن منتخب کر لئے گئے۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ان کے ذریعے دستوری مہم جاری رکھی۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ستمبر 1955ء کو وزیر اعظم چوہدری محمد علی کو ایک خط بھیجا جس کے اہم نکات یہ تھے:

> ''آپ کی وزارتِ عظمیٰ سے یہ امید قائم ہو گئی تھی کہ اب ان مقاصد کو جلد از جلد پورا کیا جائے گا جن کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک ہی مہینہ کے اندر ایسی باتیں سننے میں آئیں جن سے یہ امید یاس میں تبدیل ہونے لگی اور خطرناک صورتیں سامنے آنے لگیں ...... کانگریس اور مسلم لیگ کی جنگ مخلوط اور جداگانہ انتخابات ہی کی جنگ تھی۔ دو قوموں کے نظریے کی جنگ تھی۔ اسی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا۔ حیرت ہے کہ آپ کی وزارت نے سب سے پہلا حملہ پاکستان کے بنیادی نظریہ ہی پر کیا۔''

(تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی : ص ۱۱۲)

15/ اکتوبر کو آپ نے دوسرا خط وزیر اعظم کو بھیجا جس میں فرمایا:

''پاکستان اس وعدہ پر اس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا کہ اس کو ایک مثالی اسلامی مملکت بنایا جائے گا، مگر افسوس! یہ وعدہ اب تک شرمندۂ ایفاء نہیں ہوا، بلکہ مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ دیانت وامانت، خداترسی و پرہیز گاری اور اخلاقی معاشرتی پہلو سے اس وقت پاکستانی مسلمان بجائے ترقی کے بہت تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ضرورت ہے کہ اس وعدہ اور مقصد کو جلد سے جلد پورا کیا جائے۔(ایضاً : ص ۲۱۵)

9 / جون 1956ء کو وزیر قانون آئی آئی چندریگر نے آئین کا مسودہ دستور ساز اسمبلی میں پیش کر دیا۔12 /فروری 1956ء کو مشرقی پاکستان میں''اسلامی آئین کی کل جماعتی کمیٹی'' اور مغربی پاکستان میں تمام دینی جماعتوں کی طرف سے عظیم الشان جلسوں میں اسلامی آئین کی منظوری کا مطالبہ کیا گیا۔ تمام دینی جماعتوں نے متفقہ طور پر آئین میں کچھ ترمیمات کیں اور اربابِ اقتدار اور دستور ساز اسمبلی کے ارکان سے حسبِ ذیل متفقہ اپیل کی گئی۔

''اس بات کا پورا احساس رکھتے ہوئے کہ نو سال کی طویل مدت میں دستور سے محرومی کے باعث ہمارا ملک جس خطرناک خلفشار میں مبتلا ہو چکا ہے اور جس طرح بیرونی دنیا میں اس کا وقار مجروح ہوا ہے، وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ بلاکسی تاخیر کے دستور مرتب ہو، نیز اس بات کا بھی پورا احساس رکھتے ہوئے کہ بعض عناصر کی طرف سے مرکز کو کمزور تر کرنے ، ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے ، اسے تحریک پاکستان کے بنیادی مقاصد ونظریات سے محروم کرنے اور ملتِ مسلمہ کی وحدت وسالمیت کو ختم کرکے، ہندو مسلم قومیت کا کانگریسی جال دوبارہ بچھانے اور مخلوط انتخابات رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ...... بایں ہمہ ہمارا خیال ہے کہ مسودہ دستور میں جو اہم خامیاں جمہوری اور اسلامی نقطۂ نظر سے باقی رہ گئی ہیں ان کی جانب دستور سازوں کو پوری دلسوزی کے ساتھ متوجہ نہ کرنا اور ان کو دور کرنے کی ممکن آئینی کوشش سے گریز کرنا بھی ملک وملت کے ساتھ خیانت ہوگی، کیونکہ ملک کی آئندہ نشوونما ہی نہیں بلکہ اس کی بقاء وسالمیت پر بھی اس دستور کے اثرات بہت دوررس ہوں گے......لہٰذا ہم متفقہ ترمیمات پیش کرتے ہوئے دستور سازوں سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں جن خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے انہیں دور کرکے جلد از جلد دستور کی تکمیل کریں اور یوم قراردادِ پاکستان یعنی آئندہ 23 / مارچ 1956ء سے دستور کے نفاذ کا اعلان کر دیں اور اس کے بعد جلد از جلد عام انتخابات کرائیں۔''(تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی : ص ۲۲۸ . ۲۲۹)

اس اپیل کے بعد 29 / فروری 1956ء کو رات کے ٹھیک گیارہ بج کر انسٹھ منٹ پر دستور ساز

اسمبلی نے آئینی بل منظور کرلیا۔اس آئین کی منظوری کے خلاف حزبِ اختلاف کے ارکان مسٹر حسین شہید سہروردی کی زیرِ قیادت احتجاج کرتے ہوئے اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔اس آئین کی حمایت میں جن علماء کرام نے جدو جہد کی، انہیں عوامی لیگ کے لیڈر مسٹر حسین شہید سہروردی نے علماءِ سوء کا خطاب دیا کیونکہ وہ مسٹر حسین شہید سہروردی کے غیر اسلامی نظریات کی پورے زور سے اخیر وقت تک مخالفت کرتے رہے۔یاد رہے کہ یہ آئینی بل خالص اور مکمل اسلامی اصولوں پر مشتمل تھا اور نہ اس پرعمل درآمد کیا گیا۔

قرآنی نظام کی بالادستی سب سے بڑا مشن

1952ء میں جمعیت علماءِ اسلام کی تشکیل نو ہوئی۔ 1954ء میں اس کے دوبارہ انتخابات میں حضرت مفتی محمد حسنؒ امیر اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ ناظم عمومی مقرر ہوئے۔ 1956ء میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ اس کے امیر منتخب ہوئے۔ حضرت لاہوریؒ کی وفات کے بعد حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ امیر اور حضرت مفتی محمودؒ ناظم عمومی مقرر ہوئے۔حضرت درخواستی ایک بے بدل خطیب، محدث، مفسر اور خالص دینی سیاست کے قائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے 1962ء میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی وفات کے بعد انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اسلامی نظام کے حوالے سے اپنے نظریے کی اس طرح وضاحت کی:

> ''میں سیاسی آدمی نہیں ہوں اور ملک کے صدر اور تمام افسروں سمیت ہر شخص پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے مارچ کی سیاست نہیں آتی مگر قرآن وحدیث کی سیاست کو میں چھوڑ نہیں سکتا۔میری سیاست قرآن وسنت ہے اور قرآن وسنت کے نظام کی بالادستی ہمارا سب سے بڑا مشن ہے، اس سے ہم کبھی دستبردار نہیں ہوسکتے۔ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں قرآن کا نظام آئے، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام آئے، کلب خانے بند ہوں، سینماؤں پر تالے لگ جائیں، رمضان المبارک کا احترام ہو اور اسلامی احکام کی حکمرانی ہو، اس سے ہم کبھی دستبردار نہیں ہوں گے، ہم دار ورسن قبول کرسکتے ہیں لیکن اسلامی نظام سے دستبردار نہیں ہوسکتے...... ہم ملک کے وفادار ہیں مگر اس ملک کو فرنگی نظام سے نجات دلا کر محمدی نظام کے ذریعہ مستحکم کرنا چاہتے ہیں اور قرآن وسنت کا قانون ملک میں رائج کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ملک کی بقا اور استحکام اسی میں ہے۔''

(ماہنامہ انور القرآن، ''حافظ الحدیث نمبر'' ص ۳۸۲)

قیامِ پاکستان کے بعد بھی انگریزی قانون؟

27/اکتوبر 1958ء کو جنرل ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کر کے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ یکم مارچ 1962ء کو ملک میں نیا آئین نافذ ہوا۔ 1962ء میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے۔ حضرت مفتی محمودؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ ممبر منتخب ہوئے۔ حضرت مفتی محمودؒ نے اسمبلی میں بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے اسلامی نظام کے حوالے سے فرمایا:

"کتنے افسوس کا مقام ہے کہ پندرہ سال ہونے کو ہیں ہمارے ملک میں وہی انگریزی دور کا قانون رائج ہے، اسی کے مطابق دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ ہمارے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں، جب ہم ان خوشنما وعدوں کو یاد کرتے ہیں جو پاکستان بناتے وقت کئے جاتے رہے۔ اسلام بیچارے کو اس ملک میں ہمیشہ اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔" (بیس مردانِ حق : ص ۴۳۸)

قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی

ہمارے عوام اور خواص نے ہر آنے والے نئے سول وفوجی حکمران سے اچھی امیدیں وابستہ کیں۔ لیکن ہر ایک نے اس بدقسمت قوم کو دھوکے کے سوا کچھ نہ دیا۔ اکتوبر 1966ء میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا:

"توقع ہوگئی تھی کہ صدر محترم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے جس طرح پاکستان کی اقتصادی اور سیاسی پوزیشن کو مضبوط کر دیا ہے۔ شاید ان کے عہد میں دینی اقدار کو بھی استحکام نصیب ہو جائے اور ان کی وہ انحطاط پذیر حیثیت نہ رہے جو سابق ادوار میں رہی ہے لیکن افسوس ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تعجب اور تأسف کا مقام یہ ہے کہ ایک طرف تو "قراردادِ مقاصد" میں یہ طے کیا جائے کہ کتاب وسنت پر پاکستان کے قانون کا مدار ہوگا اور کتاب وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا لیکن دوسری طرف جو قانون بنائے جائیں۔ کتاب وسنت کے خلاف بنائے جائیں۔" (بصائر وعبر : ۲/۷۹۸)

بیس سال گزر گئے

قیامِ پاکستان کو بیس سال مکمل ہونے پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اگست

1967ء میں لکھتے ہیں:

''تاریخ اسلام کے اس حسین واقعہ کو آج بیس سال ہو چکے ہیں، کسی بھی قوم کی تعمیر و ترقی میں بیس سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا اور ہم سے بجا طور پر یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ہم نے اس مدت میں کیا کیا؟ ...... ہماری نظر میں قیامِ پاکستان کا واحد مقصد یہ تھا کہ برصغیر کے مسلمان پوری فکری اور عملی آزادی کے ساتھ اپنی زندگی کو خالص اسلامی خطوط پر استوار کر سکیں۔ یہاں رہ کر ایک طرف وہ کسی اجنبی مداخلت کے بغیر اپنے نظریہ حیات کو عملی جامہ پہنائیں......اسلام اپنی قدیم تعبیرات کے باوجود عصر حاضر کی تمام مشکلات کا واحد حل ہے اور اس قوم (پاکستانی) کو مطمئن کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ یہاں اسلام کو اپنی اصلی شکل و صورت میں نافذ کیا جائے اور اسلام کا صرف نام بار بار لے کر نہیں بلکہ اسلام کے صحیح تقاضوں کو روبہ عمل لا کر اسے اطمینان دلایا جائے کہ حکومت کا رخ اسی منزل کی طرف ہے جس کے شوق نے ان سے قیام پاکستان کے لئے قربانیاں دلوائی تھیں۔''

(البلاغ: جلد ۱، شمارہ ۵، ص ۲)

پارلیمنٹ میں علماء کرام کا کردار اور متفقہ آئین

1970ء کے عام انتخابات میں جمعیت علماء اسلام کو سرحد اور بلوچستان میں اکثریت حاصل ہوئی تو اس نے دونوں صوبوں میں نیشنل عوامی پارٹی کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت تشکیل دی۔ حضرت مفتی محمودؒ سرحد کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ انہوں نے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اسلامی اصلاحات کا عمل شروع کر دیا۔ بہت سے غیر شرعی امور پر پابندی عائد کر دی۔ مرکزی حکومت نے بلوچستان کے گورنر، وزیر اعلیٰ اور سرحد کے گورنر کو برطرف کیا تو انہوں نے بھی احتجاجاً وزیر اعلیٰ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ 14 / اگست 1973ء کو نیا متفقہ آئین نافذ ہوا۔ جس میں اسلامی دفعات شامل کی گئیں۔ اسمبلی کے اندر موجود علماء اور اسمبلی سے باہر جید علماء کرام نے اس آئین میں متفقہ اسلامی دفعات کو شامل کرنے کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس آئین میں اسلامی آئین کے لئے سفارشات مرتب کرنے کے لئے ایک اسلامی کونسل کے قیام کی منظوری دی گئی۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم مجوزہ اسلامی کونسل پر تبصرہ کرتے ہوئے نومبر 1973ء میں لکھتے ہیں:

''پاکستان کی تاریخ مختلف کمیٹیوں اور کونسلوں کے بننے اور بگڑنے کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ 1947ء سے لے کر اب تک نہ جانے کتنی کونسلیں، کتنے بورڈ اور کتنے

کمیشن ملک وملت کے مسائل سلجھانے کے لئے بیٹھے ہیں لیکن تقریباً سارے کے سارے الا ماشاء اللہ قومی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ صرف کرنے کے بعد جوں کے توں اٹھ گئے ہیں بلکہ بعض اوقات ان سے مسائل کے پیچ وخم میں کچھ اور اضافہ ہی ہوگیا ہے۔موجودہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے بھی متعدد ادارے وجود میں آئے لیکن اب تک ان میں سے کوئی ادارہ نت نئے فتنے جگانے اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو نئی رزمگاہ مہیا کرنے کے سوا کوئی خدمت انجام نہیں دے سکا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس نئی اسلامی کونسل کی تشکیل کے وقت ان اسباب پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کیا جائے جو ان اداروں کی ناکامی کا باعث بنے اور جن کی بناء پر ہم اسلامی نظام کی منزل سے قریب ہونے کی بجائے دور ہوتے چلے گئے۔(البلاغ : جلد ۷، شمارہ ۹، ص ۴)

فوجی آمریت اور نفاذِ اسلام

1953ء کے بعد دوبارہ تحریک ختمِ نبوت شروع ہوئی۔بالآخر 7 /ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔7 / مارچ 1977ء کے عام انتخابات کے بعد 9 سیاسی پارٹیوں کے متحدہ محاذ ''قومی اتحاد'' نے حکمران جماعت پر دھاندلی کا الزام لگایا اور اس کے خلاف تحریک شروع کردی، جس میں دینی سیاسی جماعتیں ہراول دستے کا کردار ادا کررہی تھیں۔چنانچہ اس تحریک کو ''نفاذِ نظامِ مصطفیٰ تحریک'' کا نام دے دیا گیا۔جنرل ضیاء الحق نے جمہوری حکومت کی بساط لپیٹ کر اقتدار پر قبضہ کرلیا اور اسلام نظام کے نفاذ کی آواز بلند کی۔سیاسی جماعتوں خصوصاً سیاسی وغیر سیاسی دینی افراد اور جماعتوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جنرل ضیاء الحق جیسے شخص سے امیدیں وابستہ کرلیں۔اگرچہ انہوں نے سیاسی مصلحت کے تحت چند ضروری اصلاحات کیں، لیکن اپنے پیش رؤں سے زیادہ مختلف کردار ادا نہیں کیا۔حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر یہاں جتنے حکمران آئے، انہوں نے لفظی طور پر تو خوب اسلام کے بلند بانگ دعوے کئے مگر عملی طور پر اسلام کی تکذیب کی۔لا دینیت کو ملک میں پھیلایا، اسلامی شعائر کو پامال کیا...... جب مارشل لاء حکومت (ضیاء الحق) برسرِ اقتدار آئی تو شروع میں ایک بار پھر اسلامی نظام کا غلغلہ بلند ہوا......اور قوم کو بجا طور پر یہ توقع ہوگئی کہ پاکستان میں اسلام ہی آئے گا اور آئے گا بھی ہمارے مردِ مؤمن جنرل ضیاء

الحق کے ہاتھوں، لیکن ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

(حسن یوسف: ۱/۹. ۱۰)

افغان جہاد اور امارتِ اسلامی کا سقوط

1979ء میں روس نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ افغان عوام خصوصاً علماءِ کرام اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ۔ روس کے مذموم عزائم کے پیش نظر حکومتِ پاکستان نے اسے افغانستان میں ہی روکنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان کے جید علماء کرام نے روس کے خلاف جہاد کرنے کا فتویٰ جاری کیا۔ پاکستانی مجاہدین جن کی قیادت علماء کر رہے تھے، نے افغان اور عرب مجاہدین کے ساتھ مل کر تاریخی کردار ادا کیا اور بیسویں صدی کی دوسری سپر پاور کو شکست سے دوچار کیا۔ امریکہ نے اپنے مفادات کے پیش نظر بذریعۂ پاکستانی حکومت افغان جہاد میں ایک حد تک کردار ادا کیا۔ روس کے انخلاء کے بعد افغانستان خانہ جنگی کا شکار ہو گیا تو طالبان مجاہدین نے 1996ء میں آگے بڑھ کر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا، امارتِ اسلامی کی بنیاد رکھی اور مفتوحہ علاقوں میں اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیا۔ پوری دنیا خصوصاً پاکستانی وعرب مجاہدین نے ''امارتِ اسلامی'' کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور اسے مضبوط و مستحکم کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔

نائن الیون کے بعد امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ امارتِ اسلامی کا سقوط ہو گیا اور طالبان نے گوریلا جنگ شروع کر دی، جو تا حال جاری ہے۔ حکومتِ پاکستان نے مکمل یوٹرن لیتے ہوئے نہ صرف طالبان حکومت کے سقوط کے لئے اپنا کندھا پیش کیا بلکہ افغان جہاد میں شریک پاکستانی جہادی تنظیموں پر بھی پابندی عائد کر دی۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ چونکہ جہادی تنظیموں کا پاکستانی خفیہ ایجنسیوں سے ربط وضبط تھا اس لئے ان تنظیموں پر پابندی لگانا اور ان کی سرگرمیوں کو ختم کرنا اس کے لئے کوئی زیادہ مشکل نہیں تھا، چنانچہ یہی ہوا، لیکن انتہائی افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تنظیموں کے کردار کو بہت ہی بھونڈے طریقے سے ختم کیا گیا جس میں دینی جماعتوں خصوصاً سابقہ جہادی تنظیموں کے راہنماؤں کے لئے درسِ عبرت ہے، لہٰذا انہیں اس بات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور وفکر کرنا ہو گا کہ کس طرح اسلام دشمن سامراجی طاقتوں کی سازشوں، اغیار کے ہاتھوں استعمال ہونے اور اپنوں کی غداری وسادگی سے بچ کر جہاد کے اعلیٰ ترین مقصد ''اسلامی نظام خلافت'' کے قیام کو ممکن بنایا جا سکتا ہے؟

نفاذِ اسلام کے لئے جمہوری جدوجہد

6 / اکتوبر 1989ء کو آٹھ سیاسی جماعتوں پر مشتمل اتحاد ''اسلامی جمہوری اتحاد'' قائم ہوا جس میں دینی سیاسی جماعتیں بھی شامل تھیں، جس کے منشور کی پہلی شق یہ تھی ''ملک میں اسلامی قانون کی بالادستی قائم کرنا''۔ 1990ء کے انتخابات میں اس اتحاد کو اکثریت حاصل ہوئی اور اس نے حکومت بنائی۔ اس اتحاد نے دینی جماعتوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ 2002ء میں مذہبی سیاسی جماعتوں کے اتحاد ''متحدہ مجلس عمل'' کا قیام عمل میں آیا، 7 /مئی 2002ء میں اس نے اپنا انتخابی منشور جاری کیا۔ امریکہ کی افغانستان پر جارحیت اور طالبان کی اسلامی ریاست کے سقوط کے بعد افغان و پاکستانی عوام میں امریکہ کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوئی۔ چونکہ حکومتِ پاکستان نے طالبان کے خلاف امریکہ کی بھرپور حمایت کی اور پاکستان کے اندر بھی اس کی پالیسیوں پر عمل درآمد کیا، اس لئے پاکستانی عوام خصوصاً سرحدی علاقوں میں حکومت مخالف جذبات پروان چڑھے۔

متحدہ مجلس عمل نے حکومتی پالیسیوں کی کھل کر مخالفت کی تھی اس لئے اکتوبر 2002ء کے عام انتخابات میں مجلس عمل کو بلوچستان میں جزوی کامیابی اور سرحد میں اکثریت حاصل ہوئی۔ مجلس عمل بلوچستان میں ق لیگ کے ساتھ مخلوط حکومت میں شامل ہوئی اور سرحد میں اپنی حکومت تشکیل دی۔ مجلس عمل نے سرحد اسمبلی میں اسلامی اصلاحات کے حوالے سے حسبہ بل منظور کیا جسے مرکزی حکومت نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گورنر سرحد نے اس پر دستخط نہیں کئے اور سپریم کورٹ نے اس پر مختلف اعتراضات کیے۔ الغرض صوبائی حکومت کے مکمل اقتدار کے باوجود مجلس عمل مختلف رکاوٹوں کی وجہ سے اسلامی قوانین نافذ نہیں کرسکی۔

قیامِ پاکستان کے مقصد سے انحراف

قیامِ پاکستان کے مقصد کو کس طرح فراموش کیا گیا اور اس کی جگہ ہمارے حکمرانوں نے کون سے نظام اور معاشرت کو پروان چڑھایا؟ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کی زبانی سنیے:

''کبھی بھی سنجیدگی کے ساتھ نہ یہاں قرآن وسنت کا نظام نافذ کرنے کی کوشش کی گئی، نہ عدل وانصاف کی حکمرانی قائم ہوئی، نہ اسلامی علوم کی سرپرستی کی گئی اور نہ اسلام کو بالادستی عطا کی گئی بلکہ اس عرصے میں غیر اسلامی نظامِ تعلیم اور فرنگی معاشرت وثقافت کے ذریعے تین نسلیں وہ تیار کی گئی ہیں جو اسلام کے متعلق یا تو شک وشبہ کا شکار ہیں یا پھر کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہیں۔'' (صدائے حق : ص ۱۳۱)

اسلامی نظام کے وعدوں اور نعروں کی حقیقت

جب اسلامی نظام نافذ نہیں کیا گیا، اسلامی تہذیب وثقافت کو رائج نہیں کیا گیا تو پھر قیامِ پاکستان کا مقصد کیا تھا؟ مسلمان عوام سے کیا کیا وعدے کئے گئے اور اصل حقائق کیا تھے؟ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے قلم سے مئی 1970ء میں کیا گیا تبصرہ ملاحظہ ہو:

''ایک ملک اسلام کے نام پر مانگا گیا۔ اس ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی غرض سے تمام جانی ومالی نقصانات اور حوادث وآلام برداشت کئے گئے کہ اس خداداد مملکت پر پھر ایک دفعہ اسلام کا جھنڈا لہرائے گا...... افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کی بائیس سالہ سرگزشت نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ تمام وعدے جھوٹے تھے، تمام نعرے سیاسی ڈھونگ تھے، اسلام کی شیدائی سادہ لوح قوم کو یہ سبز باغ دکھا کر چند خود غرض افراد اور جماعتوں نے عوام کو اپنا آلہ کار بنایا تھا، نہ اسلام کو سربلند کرنے کی نیت تھی نہ اسلامی قوانین نافذ کرنے کا ارادہ تھا بلکہ مٹھی بھر دولت مندوں اور ان کے سرپرست حکمرانوں نے بے خوف وخطر اور بے شرکت غیرے معاشی لوٹ کھسوٹ اور استحصال کی غرض سے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ اسی لئے اس بائیس سال کے عرصہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوا۔''

(بصائر و عبر : ۱۷۳/۲ . ۱۷۴)

قیامِ پاکستان کے بائیس سال بعد کیا جانے والا حضرت بنوری رحمہ اللہ کا جاندار تبصرہ آج کے حالات پر پورا پورا منطبق ہوتا ہے۔ آج 58 سال گزرنے کے باوجود حالات تبدیل نہیں ہوئے بلکہ روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں اور ہمارے موجودہ حکمران اپنے پیش رؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وطن عزیز کو بزور باز وسیکولر اسٹیٹ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔

فصل ہشتم

مسلم ممالک میں احیائی تحریکیں

اسلامی سلطنتوں کے زوال اور کفریہ طاقتوں کی جارحیت اور ان کے قبضے کے بعد اہل اسلام نے سامراجی طاقتوں کے اخراج، ان سے آزادی حاصل کرنے اور دوبارہ نئے سرے سے اسلامی نظام کے احیاء اور نفاذ کے لیے تحاریک کا آغاز کر دیا۔ جن میں سب سے اہم کردار علماءِ کرام نے ادا کیا۔ آخر کار مسلم ممالک نے آزادی حاصل کر لی۔ چونکہ ہمارا اور قارئین کا تعلق برصغیر سے ہے اس لیے ہم نے برصغیر میں برپا ہونے والی تحریک جہاد و آزادی کا تفصیلی ذکر کیا۔ اب ہم دیگر ممالک میں چلنے والی تحاریک کا تذکرہ کریں گے۔

برصغیر کی طرح دیگر مسلم ممالک میں بھی احیاء اسلام کے لئے جد و جہد کی گئی۔ ہم یہاں چند تحاریک کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں۔

ترکی

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد نئے سیکولر ترکی میں مذہبی تعلیم کو ممنوع قرار دیا گیا۔ صوفیاء کی خانقاہوں کو بند کر دیا گیا، عربی رسم الخط کو سرکاری حکم کے ذریعے ترک کر دیا گیا اور اذان، نماز وغیرہ عربی زبان میں پڑھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ مصطفیٰ کمال اور اس کے رفقاء نے یہود و نصاریٰ کی دیرینہ خواہش کے عین مطابق ترکی کی اسلامی حیثیت کو ہر لحاظ سے ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کے تمام آثار و علامات کو مٹانے کی ہر ممکن سعی کی۔ جس ملک میں صدیوں تک اسلامی نظام خلافت قائم رہا اور اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت کا مرکز رہا، تھوڑے ہی عرصے میں مغربی تہذیب و ثقافت کے آثار و مظاہر کا ظہور شروع ہو گیا۔ تاہم ترک مسلمانوں کی اسلام پسندی، مذہبی حمیت، جذبہ ایمانی اور اسلامی غیرت کو فنا نہ کیا جا سکا۔

سیکولرازم کے خلاف جہاد

مصطفیٰ کمال کے سیکولر نظریات اور اعمال کے سیلاب کے آگے دردِ دل رکھنے والے علماء نے بند باندھنے کی حسبِ استطاعت کوشش کی اور ترکوں کے ایمان و عقیدہ اور اسلامی تعلیمات و احکام سے وابستگی کو باقی رکھنے اور اسے مضبوط کرنے کے لئے بھرپور جد و جہد کی۔ علماء کرام نے مختلف طریقوں

سے دعوتی واصلاحی خطبات، دروسِ قرآن اور مواعظ کے ذریعے ترک مسلمانوں کے تزکیہ وتربیت کا کام جاری رکھا۔ جس کا یہ فائدہ ہوا کہ کمالی سیکولر افکار ونظریات پوری ترک قوم پر حاوی نہ ہوسکے۔ انہیں علماء کرام میں ایک عظیم شخصیت شیخ بدیع الزمان سعید نورسیؒ (1873 تا 1940) کی ہے، جنہوں نے ترک مسلمانوں میں دعوتی واصلاحی تحریک چلا کر ان کے ایمان واسلام کی حفاظت کر کے اسے پروان چڑھایا۔

ترک فوج کو ترکی کے سیکولر تشخص کا محافظ قرار دیا گیا چنانچہ کوئی جماعت بھی ترکی میں اسلامی تعلیمات کی ترویج اور قوانین کے نفاذ کے لئے کامیاب نہ ہوسکی اگر کوئی گروہ یا جماعت ایسا کرنے کی کوشش کرتی تو فوج آئین کی خلاف ورزی کے نام پر اس کے خلاف کارروائی کرتی اور اس طرح کی کوشش کرنے والی مقتدر جماعت کی حکومت کو ختم کر کے اقتدار پر اپنا تسلط قائم کرتی ہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ آج تک بدستور جاری ہے۔ 1941ء میں ترمیم شدہ دستور میں چند اسلامی سرگرمیوں کی اجازت دی گئی، جس سے ملک کے سیکولر کردار اور تشخص پر کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

احیاءِ اسلام کے لئے جمہوری جدوجہد

پروفیسر نجم الدین اربکان ترکی کے ساحل شہر سینوپ (Sinop) میں ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ترکی کی عدلیہ کے ایک اہم رکن تھے۔ پروفیسر اربکان نے اعلیٰ تعلیم ٹیکنیکل یونیورسٹی استنبول سے حاصل کی۔ پھر جرمن کی یونیورسٹی آف آچن سے میکینکل انجینئرنگ کے ایک شعبہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ 1957ء میں وطن واپس لوٹے۔ 1969ء میں ترکی میں ہونے والے عام انتخابات میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا اور تاریخ ساز کامیابی حاصل کی پھر پارلیمنٹ میں اپنے ہم خیال احباب کا ایک محاذ قائم کر کے 26 / جنوری 1970ء کو ملی نظام پارٹی کے نام سے اپنی پارٹی تشکیل دی۔ جس کے منشور کے اہم نکات یہ تھے:

ا۔ اسلامی فکر اور نظریات کی بالادستی

ب۔ امتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کا احیاء

ج۔ ملک میں نظم وضبط، خوشحالی وترقی اور خیر وفلاح کو عام کرنا

یہ چیز ترکی کے سیکولر طبقے اور مغرب کے لئے قابل قبول نہ تھی چنانچہ اس پارٹی کو مئی 1971ء خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ 11 / اکتوبر 1972ء کو ”ملی سلامت پارٹی“ کے نام سے نئی جماعت تشکیل دی گئی جس نے 1973ء کے پارلیمانی انتخابات میں شرکت کر کے 11 فیصد ووٹ حاصل کئے

اور 74 نمائندے منتخب ہوئے۔ پیپلز ریپبلکن پارٹی کے ساتھ اشتراک کیا گیا اور پروفیسر اربکان ڈپٹی وزیرِاعظم بنے، آپ نے اس منصب کے ذریعے ترک معاشرہ میں اسلامی فکر کے احیاء، اسلامی شعائر اور اپنے تاریخی ورثے سے محبت اور جہاد کے جذبے کو پروان چڑھایا۔ تمام فوجی مراکز اور اداروں میں اسلامی تعلیمات کو لازم قرار دیا گیا۔ ان اقدامات سے گھبرا کر فوج نے 14/ستمبر 1980ء کو پارلیمنٹ تحلیل کر دی اور تمام سیاسی جماعتوں کو ملی سلامت پارٹی سمیت خلافِ قانون قرار دیا۔ اس کے بعد اس کی جگہ ''ملی رفاہ پارٹی''، تشکیل دی گئی جس کے منشور کی اہم شقیں درجِ ذیل ہیں:

1- اسلامی نظریہ حکومت کا قیام 2- ترکی میں مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی

3- ترکی کو سرمایہ دارانہ نظام سے نجات دلانا

رفاہ پارٹی نے 1991,1987ء اور 1994ء کے عام انتخابات میں شرکت کی 1996ء کے عام انتخابات میں 21 فیصد ووٹوں کی حمایت سے قومی اسمبلی کی 153 نشستیں حاصل کر کے ترکی کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے طور پر سامنے آئی۔ پروفیسر نجم الدین اربکان پہلے اسلام پسند وزیرِاعظم منتخب ہوئے۔ خارجی و بیرونی سازشوں کی وجہ سے حکومت بمشکل گیارہ ماہ چل سکی۔ 18/جون 1997ء کو وزیرِاعظم اربکان کو مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد دسمبر 1997ء میں رفاہ کو خلافِ قانون قرار دے کر سیاست میں حصہ لینے سے روک دیا گیا۔

انڈونیشیا

انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت عرب مبلغین کے ذریعہ ہوئی اور مقامی نومسلموں نے اہم کردار ادا کیا۔ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی پہلی سلطنت سماٹرا میں 1205ء میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد آچے، پالم نگ، جاوا، بورینو، سلادیسی اور مالوکا میں مسلمانوں نے سلطنتیں قائم کیں جو کسی نہ کسی طرح 1755ء تک برقرار رہیں۔ 1511ء میں پرتگال نے جزائر انڈونیشیا پر قبضہ کر لیا۔ پھر ولندیزیوں نے آہستہ آہستہ ان علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ 1816ء میں برطانوی حکومت نے یہاں اقتدار حاصل کر لیا اور ہالینڈ سے ایک معاہدے کے تحت انڈونیشیا کے جزائر کو آپس میں بانٹ لیا۔ جنگ عظیم دوم کے دوران ایک مختصر وقفے کے لئے جاپانیوں نے اقتدار حاصل کر لیا۔ اس کے بعد اتحادیوں نے دوبارہ اس پر قبضہ کر لیا۔

استعماری طاقتوں کے خلاف جہاد

انیسویں صدی کے اوائل میں ولندیزیوں کے خلاف مختلف سیاسی اور مذہبی تحریکات کا آغاز ہوا۔

آچے کے ایک عالم امام ابوالنجول نے غاصب ولندیزیوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔اس کے لئے انہوں نے مجاہدین کی ایک باقاعدہ فوج تیار کی ۔چنانچہ یہ تحریکِ جہاد ان کی وفات 1864ء تک جاری رہی۔ اس تحریک سے دیگر جزائر کے عوام بھی متاثر ہوئے اور وہاں بھی مختلف تحاریکِ آزادی کا آغاز ہوا،جنہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی، رفاہی، معاشی، معاشرتی سطح پر بہت خدمت کی اور عوام کے اندر آزادی اور حریت کا شعور اور بیداری پیدا کی ۔1912ء میں حاجی عمر سعید نے ایک تحریک ''شرکتِ اسلام'' کی بنیاد رکھی۔ جس نے قومی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔1926ء میں ''نہضۃ العلماء'' کا قیام عمل میں آیا۔جس کے پہلے صدر ہاشم اشعری منتخب ہوئے ۔1937ء میں اسلامی تنظیموں کا اتحاد M.I.A وجود میں آیا۔جنگِ عظیم دوم کے دوران 1942ء سے 1945ء تک مختصر وقفے کے لئے جاپان انڈونیشیا پر قابض ہوگیا اور اس نے سیاسی تنظیموں پر پابندی عائد کردی جو کہ جلد اٹھالی گئی۔اسی دوران M.I.A کی جگہ ماشومی تحریک نے لی جس نے اپنا عسکری باز وحزب اللہ کے نام سے تشکیل دیا۔آزادی کی تحریک روز بروز زور پکڑتی گئی ۔1945ء میں جاپانیوں کی شکست کے بعد ڈچ حکمرانوں نے دوبارہ انڈونیشیا پر قبضہ کرنا چاہا لیکن ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔

دیگر جماعتوں سے اتحاد اور اسلامی دستور میں رکاوٹ

قوم پرستوں اور کمیونسٹوں کے ساتھ اسلامی تحریکیں بھی جنگ آزادی میں پیش پیش تھیں اور انڈونیشیا کے لئے دستور سازی میں شریک ہوئیں ۔اسلام پسندوں کا زور اس بات پر تھا کہ دستور میں انڈونیشیا کو ایک اسلامی ریاست قرار دے کر دستور کی بنیاد شریعتِ اسلامیہ پر رکھی جائے ،لیکن قوم پرستوں اور کمیونسٹوں کی مخالفت کی وجہ سے انہیں ایک ایسے پانچ ستونی فارمولے پر اتفاق کرنا پڑا جس میں خدائے واحد کو اوّل درجے پر رکھا گیا تھا۔ یہ دستور 18 / اگست 1945ء کو انڈونیشیا کی آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی نافذ کیا گیا۔انڈونیشیا کی آزادی کے اعلان کو ڈچ حکمرانوں نے تسلیم نہ کیا تو 1945ء تا 1949ء تک جنگِ آزادی جاری رہی ،جس میں حزب اللہ کے رضا کاروں نے کثیر تعداد میں شرکت کی ۔حزب اللہ میں شامل نہضۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے علماء نے اکتوبر 1945ء میں یہ فتویٰ جاری کیا کہ جنگِ آزادی ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے اور تمام انڈونیشیائی مسلمانوں پر اس میں شرکت لازم ہے۔اس فتوے نے جہادِ آزادی میں ایک نئی روح پھونک دی اور تحریک ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی۔آخر کار 28 / دسمبر 1949ء میں ڈچ حکمرانوں نے انڈونیشیا کی آزادی کو تسلیم کرلیا۔ ماشومی تحریک میں شامل نہضۃ العلماء کے اس مطالبہ کو کہ ''اس اتحاد میں علماء کی کونسل کو حتمی

فیصلہ کرنے کی مخصوص پوزیشن دی جائے'' ماشومی تحریک میں شامل دیگر جماعتوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کی بناء پر نہضۃ العلماء نے ماشومی اتحاد سے 1952ء میں علیحدگی اختیار کر لی۔ نہضۃ العلماء 1955ء میں دستور ساز اسمبلی اور پہلے پارلیمانی انتخابات میں 18.4 فیصد ووٹ حاصل کر کے چار بڑی سیاسی جماعتوں میں سے ایک رہی جبکہ مجموعی طور پر اسلامی پارٹیوں کو 43.9 فیصد ووٹ ملے۔ دستور ساز اسمبلی میں تمام اسلامی پارٹیوں نے انڈونیشیا کو اسلامی ریاست قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ جس کی کمیونسٹ، نیشنلسٹ، علاقائی پارٹیوں اور عیسائیوں نے مخالفت کی جس کی وجہ سے دستور پر اتفاق نہ ہو سکا۔ 1958ء میں سوکارنو نے دستور ساز اسمبلی تحلیل کر دی اور 1945ء کا دستور نافذ کر دیا۔ 1971ء کے انتخابات میں نہضۃ العلماء نے حزب اللہ کی قیادت میں 18.3 فیصد ووٹ حاصل کئے اور اکثریتی پارٹی گولکر پارٹی کو 63 فیصد ووٹ حاصل ہوئے۔ انتخابات کے بعد نہضۃ العلماء کو حکومت میں حصہ دینے سے انکار کر دیا گیا۔ 1985ء میں سوہارتو نے ''پانکشیلا'' نامی قانون عوام پر مسلط کر دیا۔ جس کی زیادہ تر اسلام پسند جماعتوں نے مخالفت کی۔

سوڈان

1820ء میں مصر نے سوڈان پر قبضہ کر لیا پھر انگریز بھی اس علاقے پر قابض ہونا شروع ہوئے۔ سید محمد احمد جو کہ مہدی سوڈانی (1831ء تا 1885ء) کے نام سے معروف ہیں، نے تحریکِ جہاد کی بنیاد رکھی اور چار سال 1881ء تا 1884ء میں انگریزوں اور مصریوں کے خلاف جہاد کر کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کی وفات کے بعد بھی یہ تحریک جاری رہی اور ان کے مریدوں نے 1898ء تک انگریزوں سے جہاد کیا۔ 1898ء، 1899ء میں مہدی کے مریدوں نے ''ام درمان'' کی جنگ میں شکست کھائی اور انگریزوں نے سوڈان کو مکمل طور پر اپنے قبضے میں لے لیا۔

تحریکِ آزادی

1928ء میں مصر میں اخوان المسلمین کی بنیاد رکھی گئی۔ 1930ء کے عشرے میں سوڈان میں بھی اخوان کی دعوت پہنچی اور یہاں بھی اخوان منظّم ہونا شروع ہو گئے۔ طلبہ کی ایک تنظیم ''اسلامک لبریشن موومنٹ'' قائم کی گئی جس نے 1948ء میں سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو خرطوم یونیورسٹی کے انتخابات میں شکست دی۔ اخوان نے 1955ء میں ''اسلامی دستور فرنٹ'' کے نام سے مختلف جماعتوں پر مشتمل ایک اتحاد تشکیل دیا، جس میں شامل جماعتوں کو اس بات پر متفق کیا گیا کہ 1956ء میں سوڈان کی

متوقع آزادی کے بعد ملک کا دستور اسلامی اصولوں پر مبنی ہوگا، لیکن آزادی کے بعد اسلامی دستور کے لئے کوئی اقدام نہ کیا گیا۔ 1958ء میں اخوان نے ملک کے پہلے انتخابات میں براہِ راست حصہ لینے کی بجائے اسلامی دستور کے لئے کام کرنے والے افراد کو کامیاب کرانے کی حکمت عملی اختیار کی اور نیشنل فرنٹ تشکیل دیا۔

نفاذِ اسلام کی جدوجہد اور فوجی آمریت

1958ء میں ہی جنرل ابراہیم عبود نے اقتدار پر قبضہ کرلیا اور سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کر دی۔ اسی دوران اخوان نے البلاغ کے نام سے کام جاری رکھا اور 1959ء میں امہ پارٹی اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ مل کر فوجی حکومت کو ختم کرنے کی کوشش کی جو کہ کامیاب نہ ہوسکی۔ 1964ء میں اخوان نے ''اسلامی چارٹر فرنٹ'' کے نام سے مختلف جماعتوں کا اتحاد تشکیل دیا۔ جس کا سیکریٹری جنرل ڈاکٹر حسن عبداللہ ترابی کو بنایا گیا۔ فرنٹ نے 1965ء کے انتخابات میں حصہ لیا اور سات نشستیں حاصل کیں۔ فرنٹ نے یہ منشور پیش کیا:

1-اسلامی نظام کا نفاذ 2- معیشت کی اصلاح 3- بدعنوانی سے پاک حکومت کا قیام

1967ء میں دوبارہ انتخابات ہوئے تو فرنٹ کو صرف پانچ نشستوں پر کامیابی ہوئی۔ 1969ء کو میجر جنرل جعفر نمیری نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ فرنٹ نے امہ پارٹی کے ساتھ مل کر نیشنل فرنٹ بنایا اور فوجی حکومت کے خلاف مزاحمت کی جسے فوجی حکومت نے بہت برے طریقے سے کچل دیا، جس میں سینکڑوں افراد کو ہلاک کیا گیا۔ فرنٹ 1973ء، 1975ء اور 1976ء کی فوجی حکومت کے خلاف مزاحمت میں شامل رہا۔ 1971ء میں جعفر نمیری ملک کے پہلے صدر منتخب ہوئے اور 1973ء میں نیا آئین نافذ کیا گیا۔

اسلامی قوانین کا نفاذ

1983ء میں نمیری دوبارہ صدر منتخب ہوئے اور ملک میں اسلامی نظام متعارف کرانے کا اعلان کیا۔ اسلامی جماعتوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور حکومت کی اس بارے میں کھلی حمایت کی۔ فرنٹ نے اسلامی قوانین کے نفاذ کے ایک سال بعد بین الاقوامی کانفرنس برائے نفاذِ شریعت منعقد کی، جس میں دنیا بھر سے دوسو سے زائد نمایندوں نے شرکت کی اور دس لاکھ افراد نے ڈاکٹر حسن عبداللہ ترابی کی اپیل پر خرطوم کی سڑکوں پر مارچ کیا۔ جون 1989ء میں جنرل عمر حسن احمد البشیر نے اقتدار سنبھال لیا اور پورے مملکت میں اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ 1990ء میں امریکہ نے سوڈان کی

امداد بند کر دی۔ 20 / اگست 1998ء کو امریکہ نے خرطوم میں ''الشفا فارسیوٹیکل فیکٹری'' کو 20 سے زائد کروز میزائلوں کا نشانہ بنایا۔ یہ حملہ اس الزام کی بنا پر کیا گیا تھا کہ یہ فیکٹری جہادی تنظیم القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کی ہے جس میں کیمیائی ہتھیار تیار ہوتے ہیں، یہ جھوٹ ثابت ہوا کیونکہ اس فیکٹری میں اینٹی ملیریا اور اینٹی بائیوٹک دوائیں تیار ہوتی تھیں۔

الجزائر

پہلی صدی ہجری مطابق ساتویں صدی عیسوی میں حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الجزائر کو فتح کیا۔ اسلامی مبلغین کی کوششوں سے اہل الجزائر نے اسلام قبول کیا۔ یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی۔ سولہویں صدی عیسوی میں اسپین نے الجزائر پر قبضہ کیا۔ الجزائری باشندوں کی درخواست پر خلافتِ عثمانیہ کے امیر البحر خیر الدین باربروسہ نے الجزائر کو آزاد کرادیا اور یہاں خلافتِ عثمانیہ کی عملداری قائم ہوئی۔ 1835ء میں فرانس نے الجزائر پر قبضہ کرلیا۔

تحریکِ جہاد

فرانسیسی قبضہ کے خلاف امیر عبد القادر الجزائری نے تحریکِ جہاد شروع کی اور وقفے وقفے سے فرانسیسی سامراج کے خلاف الجزائری مجاہدین لڑتے رہے۔ لیکن 1847ء میں فرانس نے الجزائر پر مکمل کنٹرول حاصل کرلیا۔ تحاریکِ آزادی تسلسل سے جاری رہیں البتہ جدوجہد آزادی کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی کے آغاز میں ہوا، الجزائر کے ممتاز عالم دین شیخ عبد الحمید بن بادیسؒ نے 1922ء میں جمعیۃ علماء الجزائر نامی جماعت قائم کی۔ جمعیۃ نے اپنے قیام کے بعد سب سے زیادہ زور دینی اور معاشرتی اصلاح پر دیا اور فرانسیسی ثقافتی یلغار کے آگے بند باندھنے کی بھرپور کوشش کی۔ 1951ء میں ''الجزائری محاذ برائے دفاع حریت'' قائم ہوا جس میں ''جمعیۃ علماء الجزائر'' جمہوری آزادیوں کی فتح کی تحریک (M.L.T.D) جمہوری اتحاد اور دیگر سیاسی تنظیمیں شامل تھیں۔ 1954ء میں جب آزادی کی تحریک مسلح جدوجہد کے دور میں داخل ہوئی تو اسے مشترکہ محاذ کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ سات سال کی جدوجہد کے بعد 3 / جولائی 1962ء میں فرانس نے اقتدار ''قومی محاذِ آزادی'' کے راہنماؤں کے حوالے کردیا جس میں سوشلسٹ راہنماؤں کی اکثریت اور غلبہ تھا۔ چنانچہ نئی حکومت میں سرکاری مذہب اسلام کو قرار دیا گیا اور مذہبی امور کی نگرانی کے لئے ایک وزارت اور مستقل محکمہ بھی قائم کیا گیا لیکن اسلامی نظام کو روکنے اور اس کے حامیوں کو دبانے کی ہر ممکن کوشش جاری رہی۔ 1989ء میں نیا

آئین نافذ ہوا۔ 20/ اپریل 1990ء کو اسلامی محاذ نجات نے دارالحکومت میں صدارتی محل کے سامنے مظاہرہ کیا اور محاذ کے صدر ڈاکٹر عباسی مدنی نے اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔

نفاذِ اسلام کے لئے جمہوری جدوجہد اور فوجی آمریت

1990ء میں پہلے صوبائی بلدیاتی کونسلوں کے انتخابات میں اسلامی محاذ نجات (اسلامک سالویشن فرنٹ) کو اکثریت حاصل ہوئی اور حکمران جماعت ''قومی محاذ آزادی'' کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔صوبائی اور بلدیاتی اداروں میں محدود اختیارات کے باوجود اسلامی محاذ نے متعدد اصلاحات نافذ کیں۔حکومت نے جون 1990ء میں پارلیمانی انتخابات کروانے کا اعلان کیا۔اسلامی محاذ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اسلام مخالف قوتیں پریشان ہوگئیں۔فرانس نے فوج کے ذریعے اسے اقتدار تک پہنچنے سے روکنے کی کوششیں شروع کردیں۔28/مئی 1991ء کو اسلامی محاذ کے 40ہزار مظاہرین نے دارالحکومت میں مظاہرہ کیا۔5جون کو حکومت نے ایمرجنسی نافذ کردی اور انتخابات ملتوی کردیے۔اسلامی محاذ کے سینکڑوں ارکان محاذ کے صدر 60 سالہ ڈاکٹر عباسی مدنی سمیت گرفتار کرلئے گئے۔اسلامی محاذ کے نئے قائد عبدالقادر حشانی نے انتخاباتی بائیکاٹ ختم کرتے ہوئے 26/ دسمبر 1991ء کو ہونے والے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور عوام کے سامنے منشور پیش کیا جس کے اہم نکات یہ ہیں:

1- شرعی قوانین نافذ کئے جائیں گے۔
2- اصلاحِ معاشرہ کو اوّلیت دی جائے گی۔
3- مخلوط تعلیم ختم کرکے اسلامی نصاب کا اجرا کیا جائے گا۔

انتخابات کے پہلے راؤنڈ میں محاذ نے قانون ساز اسمبلی کی 430 نشستوں میں سے 188 نشستیں جیت کر اکثریت حاصل کرلی۔مغربی پڑوسی مسلم ممالک تیونس، مراکش، مصر، لیبیا کی حکومتیں اور الجزائر کے اسلام مخالف عناصر پریشان ہوگئے۔چنانچہ فوج نے صدر سے استعفیٰ لے کر اقتدار پر قبضہ کرلیا۔انتخابات کا اگلا راؤنڈ جو 16/ فروری 1992ء کو ہونا تھا معطل کردیا گیا۔اس طرح جمہوریت کے راستے سے آنے والے انقلاب کا راستہ روک دیا گیا اور دینی سیاسی قوتوں کو کچلنے کی کارروائیاں شروع کردی گئیں۔

مصر

اخوان المسلمین کی تشکیل

ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ مطابق مارچ 1928ء میں حسن البنا نے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر تحریک اخوان المسلمین کی بنیاد رکھی اور خاموشی کے ساتھ اسلامی نظام کے احیاء کے لئے دعوت شروع کر دی۔ آپ نے شہر، گاؤں، قصبے الغرض ہر جگہ جا کر دعوت دی۔ آپ چونکہ سرکاری اسکول میں مدرس تھے اس لئے باہر کے سفر ہفتہ وار اور سالانہ گرمی کی تعطیلات میں کرتے تھے۔ یعنی ہفتہ وار میں قریب کے شہر اور بڑی چھٹیوں میں دور کے شہروں میں دعوت کے لئے جاتے تھے۔ لوگ آپ کی مؤثر تقریر سے متاثر ہو کر جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہونے لگے۔ 1934ء میں شیخ کا تبادلہ قاہرہ کر دیا گیا۔ یہاں آپ نے دعوت کو مزید وسعت دی۔ 1934ء میں مصر کے پچاس سے زائد شہروں میں دعوت کا کام پھیل چکا تھا۔ 1936ء میں شیخ البناء نے شاہ فاروق اور وزیر اعظم مصطفیٰ النحاس، عرب ممالک کے فرمانرواؤں، حکام اور متعدد دینی اور سیاسی راہنماؤں کے نام ایک خط لکھا جس میں اسلامی نظام، اس کے دستور اور اسلامی تہذیب و تمدن کی طرف ان کو دعوت دی اور مغربی و اسلامی نظامہائے حیات میں فرق واضح کر کے اسلامی نظام کی ترجیح کو ثابت کیا۔ 1939ء اور 1940ء کے درمیانی عرصے میں اخوان سیاسی جد و جہد میں شریک ہونا شروع ہوئی۔ قاہرہ یونیورسٹی اور ازہر یونیورسٹی کے نوجوانوں کا ایک گروہ اس میں شامل ہوا۔ اس کے علاوہ مختلف پیشوں اور طبقوں کے لوگ بھی جماعت میں شامل ہونے لگے۔

حسین سری کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں اخوان کے ہفت روزہ رسالے ''تعارف''، ''شجاع'' اور ماہنامہ ''المنار'' پر پابندی لگا دی گئی۔ رسائل اور کتابیں ممنوع قرار دی گئیں، پریس بند کر دیا گیا اور مرکزی راہنماؤں کو گرفتار کر کے دور دور کے شہروں میں لے جایا گیا۔ وزیر اعظم نحاس کے دور میں یہ پابندیاں ختم ہو گئیں لیکن برطانوی سفارت خانے کے دباؤ پر مرکز کے علاوہ ان کے تمام شعبوں پر پابندی لگا دی گئی۔ اس کے بعد احمد ماہر کی وزارت میں پھر سختی شروع ہوئی۔

جمہوری سیاست میں شرکت

حسن البناء اور دوسرے راہنماؤں نے انتخابات میں حصہ لیا۔ شیخ البناء کامیاب ہو گئے لیکن انگریزوں اور اخوان مخالف حلقوں کی طرف سے سازش کے ذریعے دوبارہ انتخابات کرا کر شیخ البناء اور

دیگر اخوانی امیدواروں کو ہرا دیا گیا۔5 /مئی 1946ء کو اخوان نے پہلا روزنامہ اخبار نکالا۔ اس زمانے میں جماعت کے باقاعدہ ممبروں کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ گئی۔ منسوب ممبران اور ہمدردان کی تعداد اس سے کئی گنا زائد تھی۔15 /مئی 1948ء کو عرب فوجیں فلسطین میں اتریں تو اخوان نے یہود کے خلاف جہاد میں بھرپور شرکت کی اور جرأت و بہادری کی لازوال مثال قائم کی۔ وزیر اعظم نقراشی نے 8 / دسمبر 1948ء کو اخوان کو خلافِ قانون قرار دیا کیونکہ امریکہ و یورپ اور مصری حکومت اخوان کے نظم وضبط، عوام بالخصوص نوجوانوں میں مقبولیت اور اس کی عسکری طاقت سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ نقراشی کے قتل کے بعد ابراہیم عبد الہادی کی وزارتِ عظمیٰ میں بھی اخوان پر پابندی برقرار رکھی گئی اور ان پر سختیاں کی گئیں۔12 /فروری 1949ء کو شیخ حسن البناء کو ایک خفیہ سازش کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔

شیخ حسن البناء کے بعد حسن بن اسماعیل الہضیبی مرشدِ عام (امیر) بنائے گئے، جو 1973ء تک اس منصب پر فائز رہے۔23 / جولائی 1952ء کو فوج نے شاہِ فاروق کا تختہ الٹ دیا۔ بادشاہت ختم کر دی گئی اور کمانڈر انچیف جنرل نجیب وزیر اعظم مقرر ہوئے۔1953ء میں اخوان کے شعبوں کی تعداد 1500 تک پہنچ چکی تھی اور صرف دارالحکومت قاہرہ میں ارکان کی تعداد دس لاکھ تھی۔ 13 / جنوری 1951ء کو اخوان کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ 4 / اپریل 1954ء کو جمال عبد الناصر نے جنرل نجیب کو ہٹا کر خود اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

اخوان پر آزمائش

26 /اکتوبر 1954ء کو جمال عبد الناصر پر قاتلانہ حملے کا ڈرامہ رچایا گیا جس کا الزام اخوان پر لگایا گیا اور گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ ایک ہفتے کے اندر 50 ہزار کارکن گرفتار کئے گئے۔ 7 / نومبر 1954ء کو چھ ممتاز اخوانی راہنماؤں کو سزائے موت کی سزا سنائی گئی اور مرشدِ عام شیخ الہضیبی کی درازئ عمر کی وجہ سے یہ سزا عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ جولائی 1965ء میں مصری حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں 20 سے 50 ہزار ارکان قید کئے گئے۔ جن میں 800 کے قریب خواتین بھی شامل تھیں۔ مرشد عام کو تین سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔25 / اگست 1966ء کو اخوان کے مرکزی راہنما اور مشہور مصنف و مفسر سید قطب شہیدؒ کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ 1970ء میں صدر ناصر کے بعد انور السادات صدر کے عہدے پر فائز ہوئے۔1973ء میں مرشد عام شیخ حسن الہضیبی وفات پا گئے۔ ان کے بعد السید عمر تلمسانی تیسرے مرشد عام مقرر ہوئے جو کہ 1954ء تا 1971ء

17 سال جیل میں قید رہے تھے۔ان کے دور میں 1974ء میں اخوان کا رسالہ ''الدعوۃ'' دوبارہ جاری ہوا اور بہت سے اخوانی ارکان رہا ہوئے۔

جمہوری جدوجہد اور سیاسی جماعتوں سے اتحاد

جون 1979ء میں اخوان نے دوسری سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے انتخابات میں حصہ لیا اور پارلیمنٹ میں اسلامی اقدار کے لئے آواز بلند کرنا چاہی۔1977ء میں صدر السادات نے اسرائیل کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اکتوبر 1981ء میں فوجی پریڈ کے دوران قتل کر دیے گئے۔ 1986ء میں مرشدِ عام السید عمر تلمسانی انتقال کر گئے جن کے بعد استاذ محمد حامد ابوالنصر مرشد عام قرار پائے جو کہ 1954 تا 1974ء 25 سال جیل میں گزارنے کے بعد رہا ہوئے تھے۔ان کے عہد میں اخوان نے دوبارہ مصری معاشرے میں کام شروع کیا۔اپریل 1987ء میں اخوان نے دونئ مصری پارٹیوں حزب العمل اور حزب الاحرار کے ساتھ اتحاد کر کے انتخابات میں حصہ لیا۔جس کے نتیجے میں پہلی بار اخوان کے 36 امیدوار پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے اور اپوزیشن کا کردار ادا کیا۔اخوان نے 1990ء کے عام انتخابات کا دوسری اپوزیشن پارٹیوں کے ساتھ مل کر بائیکاٹ کیا۔البتہ 1992ء کے لوکل باڈیز کے انتخابات میں حصہ لیا۔1993ء میں حسنی مبارک کے تیسری مرتبہ صدر بننے پر مخالفت کے نتیجے میں اخوان کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ 82 قائدین کو 1995ء میں فوجی عدالت کا سامنا کرنا پڑا۔ان میں سے 54 افراد کو جیل کی سزا سنائی گئی۔اخوان نے مجلس الشعب (پارلیمنٹ) کے انتخابات میں حصہ لیا۔مرشدِ عام حامد ابوالنصر نے 1988ء میں اسلام آباد میں منعقدہ اسلامک کونسل آف یورپ کے جلسے میں شرکت کی۔انہوں نے افغان مجاہدین کی قیادت سے ملاقات کی اور درۂ خیبر کا دورہ کیا۔جنوری 1996ء میں مرشد عام کی وفات ہوگئی۔جن کے بعد ان کے نائب اوّل استاذ مصطفیٰ مشہور کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔استاذ مصطفیٰ مشہور نے مجموعی طور پر 19 سال قید میں گزارے اور ملک بدری کی زندگی اختیار کرنے پر بھی مجبور ہوئے تھے۔1986ء میں ان کی وطن واپسی ہوئی تھی۔

اخوان کی خدمات

سماجی خدمات

اخوان نے تین طرح کی سماجی خدمات انجام دیں:

1-فلاحی وسماجی خدمات 2-جسمانی تربیت واسکاوٹنگ 3-وطنی وفوجی خدمات

فلاحی وسماجی خدمات کی چار اقسام تھیں: (1) وقتی تسلی بخش خدمات (2) اطمینان بخش خدمات (3) حفاظتی خدمات (4) تعمیری خدمات۔ اس کے لئے باقاعدہ ''ادارۂ بہبود وسماجی خدمات'' قائم کیا گیا۔ جس کی 1948ء تک مصر میں 500 شاخیں تھیں۔ مرکز اخوان کے تحت ایک ''شعبہ محنت کشاں و کاشتکاراں'' ہے۔ اس کے علاوہ ''شعبہ پیشہ وراں'' ہے جس کی دو شاخیں ہیں: (1) شعبہ ماہرین زراعت (2) شعبہ ماہرین عمرانیات۔ اس کے علاوہ ''شعبہ طلاب''، ''شعبہ خاندان''، شعبہ روابط مابین عالم اسلامی'' بھی مرکز کے تحت خدمات انجام دیتے ہیں۔

جسمانی تربیت اسکاؤٹنگ:

جسمانی تربیت کے لئے درج ذیل طریقے اختیار کئے جاتے تھے:

(۱) روزانہ مکان اور شعبے میں ورزش کرنا (۲) سفر اور کیمپنگ

(۳) ورزشی کھیل (مختلف علاقوں میں اخوان کی صرف فٹبال کی 99 ٹیمیں تھیں)

(۴) موسمِ گرما کے کیمپ

اسکاؤٹنگ

1941ء میں اخوان اسکاؤٹنگ کی تعداد 2000، 1942ء میں 15000، 1945ء میں 45000، 1946ء میں 40000 اور 1947ء کے آخر تک 75000 تھی۔

قومی وفنی خدمات

اخوان نے بے شمار وطنی وقومی خدمات انجام دیں۔

ثقافتی خدمات

اس کے چار حصے ہیں:

(۱) روحانی تربیتی (۲) اسلامی ثقافت (۳) علمی تعلیمی (۴) راہنمایانہ تحقیقی مقالے۔

روحانی تربیتی

اخوان کے اُسر (خاندانوں) کے نظام میں ہر فرد پر 39 فرائض لازم قرار دیئے گئے۔ روحانی تربیتی نظام میں ''اخوات مسلمات'' اور بچوں کی تربیت کا بھی باقاعدہ نظم قائم کیا گیا۔

اسلامی ثقافت

مرکز میں قائم ''شعبہ اشاعت دعوت'' یہ کام انجام دیتا ہے۔ اس کے تحت اخوان راہنماؤں کے

24 کتابچے اور کتابیں شائع ہو چکے ہیں۔اس کے علاوہ اخوان راہنماؤں کی اخوان مرکز کے علاوہ دیگراداروں سے 68 کتابیں شائع ہوئیں۔تصنیف وتالیف کے علاوہ درجِ ذیل ذرائع سے بھی اس کے لئے کام کیا گیا۔

۱۔ ہفتہ وار منظّم دروس اور خطبات

۲۔ عیدین اور دوسرے مناسب مواقع پر عام جلسے

۳۔ اخوانی صحافت کے تحت،روزنامہ،ہفتہ روزہ،ماہنامہ رسالے نکلتے تھے۔

۴۔ اخوانی لائبریریاں ،صرف مرکز میں 1983ء میں 25 مختلف موضوعات پر 2500 کتب تھیں۔

علمی تعلیمی

اخوان نے تعلیم کے میدان میں بھی شاندار خدمات انجام دیں۔ ہر طرح کے اسکول اور مدارس قائم کئے۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1946ء میں مصر کی وزارتِ تعلیم نے انسدادِ جہالت کے پروگرام میں اخوان سے مدد طلب کی۔

فصل نہم

اسلامی تحاریک میں قدرِ مشترک

احیاءِ اسلام کے لیے برپا ہونے والی مختلف تحاریک کے مختصر تعارف کے بعد ہم ان میں پائی جانے والی قدرِ مشترک کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔مسلم سلطنتوں اور اسلامی نظامِ حیات کے انہدام کے بعد مختلف مسلم علاقوں میں استعماری طاقتوں سے آزادی حاصل کرنے اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے لئے تحاریک شروع ہو گئیں جیسا کہ ہم چند ممالک میں برپا ہونے والی تحریکوں کا اجمالی تذکرہ کر چکے ہیں۔احیاءِ اسلام کے لئے جدو جہد کرنے والے حضرات خصوصاً علماء کرام بہت اخلاص، محنت اور جذبے کے ساتھ حتی الوسع تمام وسائل بروئے کار لائے لیکن جزوی کامیابیوں سے قطع نظر احیاءِ خلافت اور اسلامی معاشرے کے قیام کا خواب آج تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا ہے۔اس کی وجہ جہاں احیاءِ خلافت کے راستے میں حائل رکاوٹیں ہیں وہاں ان تحریکوں میں پائی جانے والی کچھ کمزوریاں بھی اس کا باعث ہیں۔ہم یہاں پہلے ایک اہم رکاوٹ پھر ان تحریکوں میں پائی جانے والی مشترک کمزوریوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(ا) فوج کا کردار

استعماری طاقتوں سے آزادی حاصل کرنے والے مسلم ممالک میں اسلامی تحریکوں کی اسلامی نظام اور آئین شریعت کے نفاذ کے لئے جدو جہد میں سب سے بڑی رکاوٹ فوج رہی ہے۔جب بھی یہ تحریکیں احتجاجی ومطالباتی یا جمہوری طریقے سے کامیابی کے قریب پہنچنے لگتیں تو فوج اقتدار پر قابض ہو کر ان جماعتوں کو خلافِ قانون قرار دیتی یا اپنا اثر ورسوخ اور طاقت استعمال کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلیاں تحلیل کروا دیتی اور جمہوری طریقے سے انتخابات کے ذریعے اسمبلیوں تک پہنچنے والی جماعتوں اور ان کو ملنے والی عوامی حمایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جاتا۔

احیاءِ اسلام کے لئے باقاعدہ جدو جہد کرنے والے حضرات کے لئے یہ بات قابل غور ہے کہ آخر تمام ممالک میں اسلامی تحریکوں کے خلاف فوج نے یہ کردار کیوں ادا کیا؟ اگر گہری نظر سے تحقیق وتجزیہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے استعماری طاقتوں کا ہاتھ ہے۔استعماری طاقتوں نے نوآبادیاتی دور میں مقامی لوگوں کو فوج میں بھرتی کیا، ان کی مخصوص نظریاتی تربیت کر کے جہاں اپنے اقتدار کو طول دیا اور انہیں اپنے ہم وطن مجاہدین آزادی کے خلاف استعمال کیا وہاں جاتے جاتے ایسے

لوگوں کو جانشین بنایا جو نہ صرف ان طاقتوں کے دیئے ہوئے نظام، افکار و نظریات، طرزِ معاشرت اور آئین کے محافظ تھے بلکہ نفاذِ اسلام کے لئے ہونے والی ہر کوشش کو بھی انہوں نے ایک منصوبہ بندی کے تحت ناکام کیا۔ انہی استعماری طاقتوں نے سول بیوروکریسی کا جو طبقہ تیار کیا تھا، اس نے بھی اس میں کردار ادا کیا۔ یہ دونوں طبقے (فوج اور سول بیوروکریسی) آج تک ان سامراجی طاقتوں کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے نظامِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ مذکورہ دونوں طبقوں کی اعلیٰ مناصب پر تقرریاں اور ترقیاں بھی اسی بنیاد پر ہوتی ہیں کہ وہ اسلام پسندوں کو کبھی آگے آنے دیں گے اور نہ اسلامی نظام کو نافذ ہونے دیں گے۔ نائن الیون کے بعد پاکستانی افواج سے اسلام پسندوں کی چھانٹی اس کی واضح دلیل ہے۔ لہٰذا احیاءِ خلافت کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو اس پہلو پر غور کرنا ہو گا تا کہ اس بڑی رکاوٹ کو دور کیا جا سکے۔

(۲) لادینی جماعتوں کے ساتھ اشتراکِ عمل

اسلامی تحریکوں میں دوسری قدرِ مشترک یہ ہے کہ اربابِ تحریک نے آزادی سے پہلے یا اس کے بعد غیر اسلامی بلکہ لادینی تحریکوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا۔ اتحاد میں شریک مختلف نظریات و مقاصد کی حامل جماعتوں کے اپنے اپنے مفادات ہوتے ہیں۔ اگرچہ وقتی طور پر ایک خاص ایشو پر اتحاد ہو جاتا ہے لیکن کوئی جماعت اپنے اساسی اصول و نظریات ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ غیر اسلامی اور لادینی جماعتوں کے ساتھ اتحاد (ممکن ہے اس وقت یہی چیز وقت کا تقاضا یا مجبوری ہو) کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ یہی جماعتیں اسلامی نظام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن کر سامنے آئیں اور انہوں نے اسلامی دستور اور آئین کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دینی جماعتوں کو لادینی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کی بجائے ٹھوس بنیادوں پر مبنی ایسا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے تھا، جس میں اگرچہ وقت زیادہ لگتا لیکن منزل تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہوتی۔ لادینی جماعتوں کے ساتھ اتحاد سے اسلامی نظام کا نفاذ تو ممکن نہ ہوا لیکن ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ان کی بعض کمزوریاں، خامیاں بلکہ برائیاں دینی جماعتوں کے نظم میں بھی در آئیں۔

(۳) انتخابی سیاست میں شرکت

دینی سیاسی جماعتوں میں ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ انہوں نے احیاءِ اسلام کے لئے اسوۂ رسولِ اکرم اور منہجِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرنے کی بجائے باطل نظامِ جمہوریت کا انتخابی راستہ منتخب کیا۔ نام نہاد مغربی جمہوریت کی بنیاد سرمایہ دارانہ نظام ہے اور جمہوریت کا ڈھانچہ ہی ایسا ہے کہ

اس میں جاگیردار، تاجر، سرمایہ دار، صنعت کار، امراء، وڈیرے، سردار، سابق بیوروکریٹ وغیرہ ہی ایوانِ اقتدار تک پہنچ سکتے ہیں۔ عام آدمی اور دولت کے انبار سے محروم شخص انتخابات میں شرکت کے لئے کاغذاتِ نامزدگی جمع کرانے کی فیس ادا کرنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتا۔ چنانچہ مذکورہ طبقے کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اسمبلیوں میں کیونکر پہنچ سکتا ہے (اگرچہ بعض دفعہ عوامی طبقے میں سے بھی چند افراد سامنے آجاتے ہیں لیکن ایسا شاذونادر ہوتا ہے) کوئی قانون یا بل پاس کرانے کے لئے کم از کم دوتہائی اکثریت کی حمایت ضروری ہے۔ سامراجی طاقتوں سے آزادی کے بعد سے آج تک جن مسلم ممالک میں جمہوری نظام ہے، دینی جماعتوں کو مرکز میں دوتہائی اکثریت کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ اگر حاصل بھی ہوئی تو ان کا مینڈیٹ تسلیم کرنے سے انکار کر کے حکومت تشکیل دینے پر پابندی لگادی گئی یا اسمبلیاں برخواست کردی گئیں۔ متعدد مسلم ممالک میں دینی جماعتیں کئی دہائیوں سے انتخابات میں شریک ہو رہی ہیں جس کے نتیجے میں چند امیدوار منتخب ہوجاتے ہیں۔ اسلامی نظام کا خواب تو شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا البتہ مسلسل انتخابی راستے کو اختیار کئے رکھنے اور منہج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اپنانے کی وجہ سے حکومتِ الٰہیہ کی منزل دور ہوتی جارہی ہے۔

دینی جماعتوں کا مقصد اسلامی نظام کا احیاء ہے۔ ہمارے اکابرین اور اسلاف رحمہم اللہ نے اس مقصد کے پیش نظر جماعتیں تشکیل دی تھیں۔ استعماری طاقتوں سے آزادی کے بعد بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ چونکہ ملک میں جمہوری نظام رائج ہے اور انتخابی راستے سے دیگر سیاسی جماعتیں اسمبلیوں میں پہنچ کر اپنے مقاصد اور پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتی ہیں اور لادینی جماعتیں خلافِ اسلام قوانین اور پالیسیاں منظور کرانے اور ملک کو سیکولر بنانے کے لئے کوشاں ہیں، لہٰذا ہمیں بھی اسی راستے سے اسلامی نظام کے نفاذ اور خلافِ اسلام سازشوں کی روک تھام کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے مقصد کے پیش نظر انتخابی راستہ منتخب کیا جو نسبتاً آسان اور مختصر تھا، لیکن یہی حضرات اس بات پر یقین رکھتے اور اس کا برملا اعتراف اور اظہار بھی کرتے تھے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا یہ اصل راستہ نہیں ہے اور اصل راستہ ''اسلامی انقلابی جدوجہد'' ہے۔

مقاصد اور ذرائع میں فرق ہوتا ہے۔ مقصد کے حصول کے لئے مختلف ذرائع اور طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ ہمارے اکابر واسلاف نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جمہوری سیاست کو بطورِ ایک ذریعہ اور راستے کے اختیار کیا تھا اور اس راستے کو اضطراراً اپنایا تھا۔ انتخابی سیاست میں شرکت ان کا مقصد تھا اور نہ منزل۔ انہوں نے اس راستے کو مُنزل مِنَ اللہ قرار دیا اور نہ اسے مستقل طور پر

اختیار کئے رکھنے کا کہا۔لیکن افسوس! بعد میں آنے والوں نے مقصد اور ذریعہ کے اس فرق کو فراموش کرتے ہوئے انتخابی راستے کو مستقل طور پر اپنا لیا اور اسی کو حصولِ مقصد کا واحد ذریعہ باور کیا جانے لگا۔

دراصل سالہا سال کے تجربے اور مقصد کے عدم حصول کی وجہ سے دینی جمہوری جماعتوں کی قیادت انتخابی سیاست سے خود بھی مطمئن نہیں ہے جس کا ان کی طرف سے وقتاً فوقتاً اظہار ہوتا رہتا ہے اور مرکزی رہنما بھی اپنی نجی مجلسوں میں اس بات کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ انتخابی سیاست اسلامی نظام کے نفاذ کا اصل راستہ نہیں ہے بلکہ اس کے لیے انقلابی جدوجہد ناگزیر ہے۔بعض حضرات اس راستے کو ترک کرنا چاہتے ہیں لیکن کچھ بے جا اور من گھڑت مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انتخابی سیاست نظامِ اسلام کے نفاذ کی راہ میں حائل ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔کفریہ طاقتیں جمہوری نظام اور انتخابی سیاست کے ذریعے نظامِ اسلام کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی پوری کوشش ہے کہ مسلم ممالک میں نام نہاد جمہوری جماعتوں کو انتخابی سیاست کے جھمیلوں میں پھنسا کر انقلابی جدوجہد کو پروان چڑھنے سے روکا جائے۔جب یہی صورتِ حال ہے تو ایسے میں کیا یہ دانشمندی نہ ہوگی کہ جب اس سے بہتر اور مناسب راستہ موجود ہے تو اسے اختیار کر کے دشمن کی سازشوں سے بچ کر منزلِ مقصود تک پہنچا جائے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ جب بار بار کے تجربے کے بعد بھی مقصد حاصل نہیں ہو رہا بلکہ اس راہ میں حیران و سرگراں رہنے کی وجہ سے منزل دور ہوتی جارہی ہے تو اس راستے کو ترک کر کے کوئی دوسرا ایسا راستہ اپنایا جاتا جس سے حصولِ مقصد ممکن ہوتا۔

جمہوری راستے کو انقلابی راستے کی بنسبت آسان اور مختصر سمجھا جاتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انقلابی راستے کو محض اس لئے ترک کیا جائے کہ وہ انتخابی راستے کی بنسبت مشکل، کٹھن اور طویل ہے اور جمہوری راستے کو محض آسان اور مختصر ہونے کی وجہ سے اختیار کیا جائے، چاہے یہ منزل تک نہ پہنچتا ہو بلکہ اس کی وجہ سے قافلہ اصل راستے سے بھٹک کر ''وادیِ تیہ'' میں حیران و سرگرداں پھرتا رہے؟

ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے راستے کو ترک کر دیں جو بظاہر سیدھا، آسان اور مختصر معلوم ہوتا ہے جبکہ درحقیقت یہ راستہ منزل کو جاتا ہی نہیں اور ایسی راہ منتخب کریں جو اگرچہ نسبتاً طویل، کٹھن اور مصائب و آلام سے بھری ہو لیکن آخر کار اس کے ذریعے قافلہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہو۔جس راستے پر کئی دہائیوں تک چلنے کے باوجود ہم آج بھی نقطۂ آغاز پر کھڑے ہیں بلکہ ہمارے دشمن ہمیں اس سے بھی دور لے جانا چاہتے ہیں تو کیا ہم اس کی بجائے ایسا راستہ منتخب نہ کریں جس کے ذریعے ہم گرتے پڑتے منزلِ مقصود کو پالیں؟

(۴) جامع منصوبہ بندی کا فقدان

احیائی تحریکوں میں ایک قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ انہوں نے نظام اسلام کی منزل کے لئے کوئی ٹھوس بنیادوں پر مبنی لائحہ عمل اور جامع منصوبہ بندی نہیں کی۔ مطالباتی، احتجاجی، ہڑتالی سیاست اور جلسے جلوس کی راہ اپنائی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے نبوی منہج کو ترک کیا گیا۔ جس نہج پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا سلسلہ شروع کیا اور صحابہ کرامؓ کی اعتقادی، نظریاتی وفکری تربیت کی، ان کی معاشرتی زندگی کو تبدیل کیا، انہیں جان، مال اور وقت کی قربانی کا خوگر بنایا، ان میں دشمنانِ دین کے ظلم وستم کو صبر واستقامت کے ساتھ جھیلنے کا مادّہ پیدا کیا، انہیں باقاعدہ جماعت کی شکل دی، جماعتی نظم ونسق اور اصولوں کا پابند بنایا اور انہیں کو لے کر پہلے مدینہ پھر پورے جزیرۂ عرب میں حکومتِ الٰہیہ تشکیل دی۔ افسوس! آج اس نہج کو ترک کر کے جمہوری انتخابی سیاست کو اپنا لیا گیا ہے۔ اگر احیائی تحریکیں دعوت وجہاد کے نبوی منہج کے اصولوں کی روشنی میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ٹھوس لائحہ عمل ترتیب دے کر عزمِ مصمم، اخلاص، جذبے اور محنت کے ساتھ اقامتِ خلافت کے لئے جدوجہد کرتیں تو اس کے مثبت نتائج ضرور سامنے آتے اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی منزل تک پہنچا جا سکتا تھا۔

فصل دهم

احیاءِ اسلام کیلئے عملی جدوجہد، تبصرہ و تجزیہ

امتِ مسلمہ کے زوال کے بعد مختلف دینی جماعتیں احیاءِ اسلام کے لئے جدوجہد کرتی رہی ہیں اور آج بھی اس کے لئے کوشاں ہیں جن میں سے کچھ کا اجمالی تذکرہ وتعارف ہم پیش کر چکے ہیں۔ جس سے قارئین کو ان کے مقاصد، طریقہ کار اور عملی جدوجہد میں ان کی کوششوں اور قربانیوں سے ایک حد تک واقفیت ہو چکی ہوگی۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے اسلاف اور اکابرنے احیاءِ اسلام کے لئے ہمیشہ جدوجہد جاری رکھی اور کبھی بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ گئے اور نہ انہوں نے حالات کی ناسازگاری وسنگینی کا عذر پیش کر کے اس جدوجہد سے کنارہ کشی اختیار کی بلکہ وہ لگاتار اس مقدس مقصد کے لئے زندگی بھر شب وروز کام کرتے رہے۔ اپنی جان، مال اور وقت اس میں صرف کیا اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ الغرض ہر جماعت اپنے نقطہ نظر اور طریقے کے مطابق اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے مصروفِ کار رہے۔ اسلامی نظام کے قیام کے لئے نبوی طریق کار کو واضح کرنے کے لئے ان جماعتوں کے طریق کار کا تجزیہ ضروری ہے، اس لئے ہم اجمالی طور پر ان جماعتوں کے طریقہء کار پر تبصرہ اور اس کا تجزیہ ضروری سمجھتے ہیں۔

عصر حاضر میں کام کرنے والی جماعتوں کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم ان جماعتوں یا گروہوں کی ہے جن کا اسلامی نظام کے قیام کے لئے عملی جدوجہد سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ جماعتیں یا گروہ غیر سیاسی ہیں۔

مذکورہ غیر سیاسی جماعتیں تین طرح کی ہیں:

فلاحی ادارے

وہ جماعتیں جو اعمالِ خیر (عوام الناس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی) کے لئے قائم ہوتی ہیں جیسے مدارس واسکولز اور ہسپتالوں کا قیام، فقراء، مساکین اور حاجت مندوں کی مالی امداد کرنا، مذکورہ امور کے لئے باقاعدہ ادارے قائم کرنا جیسے موجودہ دور میں وقف (ٹرسٹ) کثیر تعداد میں کام کر رہے ہیں، جنہیں مروّجہ زبان میں غیر سرکاری ادارے (N.G.O) کہا جاتا ہے۔ یہ وہ امور ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کی اسلام میں بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے اور نظامِ خلافت میں صدیوں اس طرح اس پر عمل ہوتا رہا ہے کہ دوسرے نظامہائے باطلہ قدیم وجدید میں اس کی نظیر نہیں ملتی، لیکن عصرِ حاضر میں نظامِ

خلافت کے قیام کے لئے جدو جہد کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی محض ان امور کو سرانجام دینے سے نظامِ خلافت کا قیام ہوسکتا ہے، کیونکہ نظامِ خلافت کا قیام نہ تو ان اداروں کے مقاصد میں شامل ہے اور نہ اس کے لئے عملی جدو جہد کی جارہی ہے۔ درحقیقت رعایا کو بنیادی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا حکومت وریاست کا کام ہے نہ کہ مذکورہ اداروں کا، کیونکہ یہ ادارے تب وجود میں آتے ہیں جب ریاست ان امور کو سرانجام دینے میں ناکام و نااہل ثابت ہوتی ہے۔ یادرہے کہ عوام الناس کی خدمت اور فلاحی کاموں کے لئے ان اداروں کی افادیت سے انکار نہیں بلکہ یہ ادارے احیاءِ خلافت کے لیے معاون اور پیش خیمہ ثابت ہوسکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ادارے اس مقصد کے پیشِ نظر قائم نہیں کیے گئے اور ان کے بانی وانتظامیہ کی طرف سے اس بات کی صراحت کی جاتی ہے کہ خدمتِ خلق کے علاوہ ہمارا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے، لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان اداروں کا قیام نظامِ خلافت کے قیام کا منہج نہیں ہے۔

اصلاحی دعوت

وہ جماعتیں جو عوام الناس کو عبادات کی طرف دعوت دینے کے لئے قائم ہیں۔لوگوں کو عبادات کی ترغیب دینا اسلام کا حکم ہے اور اسلام میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔عبادات، اسلامی نظامِ حیات کا جز ہیں اور ان کی دعوت جزءِ اسلام کی دعوت ہے۔ بالفاظِ دیگر عبادات کی دعوت، دین کے ایک جز کی دعوت ہے۔ حالانکہ دعوت پورے اسلام (مجموعۂ اسلام) کی دینی چاہیے۔یعنی عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، نظامِ حکومت، اقتصاد، معاشرت، تعلیم ، سیاستِ خارجہ وغیرہا۔محض عبادات کی دعوت، نظامِ خلافت کے قیام کی جدو جہد کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی اس کے ذریعے نظامِ خلافت کا قیام ممکن ہے۔محض عبادات کی دعوت کے ساتھ لوگوں کی انفرادی زندگی میں تو تبدیلی لائی جاسکتی ہے جو کہ ضروری اور مفید ہے لیکن اس سے اجتماعی معاشرت میں تبدیلی نہیں لائی جاسکتی ہے کیونکہ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ انفرادی اصلاح کے بعد اجتماعی معاشرت میں اصلاح اور تبدیلی کی ذہن سازی اور تربیت نہیں کی جاتی۔ظاہر ہے نظامِ خلافت کا تعلق اجتماعی امور سے ہے اور اجتماعی امور میں تبدیلی ریاستی نظام کی تبدیلی سے ہی لائی جاسکتی ہے۔محض عبادات کی دعوت ریاستی نظام میں تبدیلی نہیں لاسکتی۔عبادت کی دعوت کی ضرورت، اہمیت اور جزوی افادیت سے انکار نہیں ہے لیکن ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہ نظامِ خلافت کے قیام کا منہج نہیں ہے۔

تصنیف وتالیف

وہ جماعتیں یا تنظیمیں جومختلف اسلامی موضوعات پر تحقیقی و تصنیفی کام کرنے کے لئے باقاعدہ ادارے، اکیڈمیاں وغیرہ قائم کرتی ہیں۔ان کی مختلف اقسام ہیں:

ایک وہ افراد یا ادارے جوفروعی اور مسلکی اختلافی مسائل پر تحقیق وتصنیف کا کام کرتے ہیں،ان کا اسلامی نظامِ خلافت کے احیاء کی جد و جہد سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ ان میں سے بعض افراد یا اداروں کے ان فروعی مسائل کوضرورت سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرنے سے مختلف مسالک کے درمیان بعداور اختلاف کو ہوا ملتی ہے جو کہ امتِ مسلمہ میں انتشار کا باعث ہے۔اس سے وحدت ومرکزیت اور اتحادواتفاق کے امکانات کم ہوتے جاتے ہیں اور اختلافات کی خلیج بڑھتی جاتی ہے۔

دوسرے وہ ادارے ہیں جو جدید طرز پر تحقیقی کام کرتے ہیں اور جدید معاشرتی ومعاشی اور اجتماعی مسائل کا اسلام کی روشنی میں حل پیش کرتے ہیں۔ بلا شبہ اس طرح کے تحقیقی کام سے اہل اسلام کے ایمان ویقین میں پختگی واضافہ ہوتا ہے اور غیر مسلموں کو اسلام کے فطری نظامِ حیات کی طرف راغب کرنے میں مدد ملتی ہے۔اس کے ساتھ مغرب کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈہ کا بھی رد ہو جاتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ احیاءِ خلافت کے لئے یہ ادارے زیادہ کارآمد نہیں اور نہ احیاءِ خلافت کی عملی جدوجہد ان کا مقصود ہے۔

تیسرے وہ افراد یا ادارے ہیں جو اسلامی نظام کے حوالے سے تصنیف وتالیف کا کام انجام دیتے ہیں اور اسلام کو دنیا کے سامنے بطور ایک کامل ومکمل نظام کے پیش کرتے ہیں۔ بلا شبہ ایسے ادارے احیاءِ خلافت کے لئے بنیاد واساس فراہم کر رہے ہیں لیکن یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ خلافت کا عملی قیام محض تصنیف وتالیف سے ممکن نہیں۔جب تک تصنیف وتالیف کے ساتھ آگے بڑھ کر احیاءِ خلافت کے لئے عملی جدوجہد میں شرکت وراہنمائی نہ ہوگی تب تک خلافت کا احیاء ممکن نہیں ہے۔

احیاءِ اسلام کی جدوجہد میں کوشاں دوسری قسم کی وہ جماعتیں ہیں جو عملاً اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں۔ بالفاظِ دیگر سیاسی جماعتیں۔یہ دو طرح کی ہیں:

مذہبی جمہوری جدوجہد

پہلی قسم کی وہ جماعتیں ہیں جو جمہوری طریقے سے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مصروفِ کار ہیں۔یعنی یہ جماعتیں جمہوری نظام کا حصہ بن کر انتخابات میں شریک ہوتی ہیں۔ان کے ارکان دوسری

لادینی سیاسی جماعتوں کی طرح باقاعدہ انتخابی مہم چلا کر اسلامی نظام کے نفاذ کے نام پر ووٹ مانگتے ہیں۔ان دینی سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں کامیابی کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، یہ خارج از بحث ہے' کیونکہ مسلم ممالک کے عوام ان دینی سیاسی جماعتوں کی ''دینی سیاست'' سے بخوبی واقف ہیں۔موضوعِ بحث یہ ہے کہ جمہوری طریقہ نظامِ خلافت کے قیام کا منہج ہے یا نہیں؟ جمہوری طریقہ یعنی انتخابات، نظامِ خلافت کے قیام کا منہج نہیں ہے کیونکہ

(الف) جمہوری نظام کا بنیادی فکر ''عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے'' اسلامی فکر سے متصادم ہے۔اسلامی نظام کے نفاذ کے نام پر عوام سے ووٹ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ عوام کے قانون سازی اور حکومت کے حق کو تسلیم کیا جا رہا ہے اور انہیں یہ اختیار دیا جا رہا ہے کہ وہ اسلام کو قبول کریں یا اس کے بالمقابل ومتصادم باطل نظام کو۔عوام کو اس بات کا حق دینا اور ان کے اس حق کو تسلیم کرنا اسلامی فکر ونظریہ کے صریح خلاف ہے۔

(ب) پارلیمنٹ میں اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت کو قانون سازی کا حق ہوتا ہے۔جب تک دینی سیاسی جماعت کو اکثریت حاصل نہیں ہوتی، تب تک وہ قانون سازی نہیں کر سکتی۔جب تک دینی سیاسی جماعت اقلیت میں ہے، اس وقت تک مقابل اکثریت کے قانون سازی کے حق کو تسلیم کیا جا رہا ہے کہ وہ چاہے تو اسلام سے متصادم قانون سازی کر سکتی اور پالیسیاں بنا سکتی ہے۔حالانکہ ان کا یہ حق تسلیم کرنا سراسر خلافِ اسلام ہے۔

(ج) اقتدار تک پہنچنے کے لئے جمہوری نظام کے باطل دستور پر حلف اٹھانا لازم ہے کیونکہ حلف اٹھائے بغیر کوئی جماعت حکومت نہیں بنا سکتی، جمہوری دستور پر حلف اٹھانا خلافِ شریعت ہے۔

(د) انتخابات میں اکثریت حاصل کر کے اقتدار میں آنے والی جماعت کو پانچ سال تک حکومت کرنے کا حق ہے۔مقتدر جماعت کو یہ شرط قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے کیونکہ یہ جمہوری نظام کا بنیادی اصول ہے۔بالفرض اگر جمہوری طریقے سے کسی دینی سیاسی جماعت کا اقتدار قائم ہو جاتا ہے اور وہ اسلامی نظام بھی نافذ کر دیتی ہے تو اسلامی نظام کا نفاذ پانچ سال تک کے لئے ہوگا، جس کے بعد مقتدر جماعت کو اقتدار سے دستبردار ہونا پڑے گا جو کہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ خلیفہ (جب تک اہل ہے) تاحیات حکمران ہوتا ہے، نیز یہ نص کے بھی خلاف ہے کیونکہ شریعت کی بالادستی اسلامی نظام کا بنیادی اصول ہے۔پانچ سال بعد اقتدار سے دستبردار ہونے کا مطلب عوام کو پھر سے نظامِ اسلام یا باطل نظام کے انتخاب کا حق دینا ہے۔نیز یہ کہ باطل نظام اور اس کی حامل سیکولر جماعتوں کو

دوبارہ سے برسرِ اقتدار آنے کا موقع فراہم کرنا ہے۔

(س) اسلامی نظامِ خلافت اور جمہوریت دو متوازی نظام ہیں۔ دینی سیاسی جماعتوں کی جمہوری سیاست میں شرکت سے باطل جمہوری نظام کی تایید وتوثیق ہوتی ہے۔عوام یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جب علماء اس جمہوری سیاست کا حصہ بن رہے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ نظام حق ہے اور اسلام سے متصادم نہیں، ورنہ علماءِ اسلام اس میں شرکت نہ کرتے۔ دینی سیاسی جماعتوں کے رہنما لاکھ تاویلیں کریں کہ ہم اس نظام کو نہیں مانتے اور مجبوراً اس میں شریک ہیں لیکن عوام ایسی باتیں سمجھنے سے قاصر ہیں اور معروضی حقائق بھی ان تاویلات کی تصدیق نہیں کرتے، کیونکہ انتخابات میں کامیابی کے بعد پارلیمنٹ اور سیاسی عمل میں سیکولر اور دینی سیاسی جماعتوں کے طرزِ عمل میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہوتا ہے۔

(ط) ہر نظام کی ایک اساسی فکر ہے۔اس نظام تک پہنچنے کے لئے طریق کار اسی فکر سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس فکر کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔جمہوری نظام کا اساسی فکر سیکولرازم ہے اور اس فکر سے ماخوذ طریقہ انتخابات ہیں، جو اسی فکر کے ساتھ خاص ہے۔اسی طرح نظامِ خلافت کا اساسی فکر اسلام ہے۔ اس نظام تک پہنچنے کا طریقہ بھی اسلام نے بتا دیا ہے جو اس فکر یعنی اسلام کے ساتھ خاص ہے۔جیسا کہ آگے چل کر واضح ہو جائے گا۔عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انتخابات کے ذریعے نظامِ جمہوریت تک پہنچا جا سکتا ہے نہ کہ نظامِ خلافت تک۔ لہٰذا جس طرح اسلامی نظام کے ساتھ دوسرے نظامہائے باطلہ جمہوریت، سوشلزم وغیرہ کی پیوند کاری نہیں ہوسکتی اسی طرح نظامِ خلافت کے قیام کے لئے دوسرے نظاموں کے طریق کار بھی کارگر ثابت نہیں ہوسکتے، یعنی اسلامی نظام، اسلام کے نام یعنی اپنی اصل اور مکمل شکل وصورت کے ساتھ اور اسلامی طریقہ سے ہی آسکتا ہے۔اس میں دوسرے باطل نظاموں کی پیوند کاری کرنا اور انہی باطل نظاموں کے باطل طریقوں سے قائم کرنے کی کوشش کرنا غیر فطری اور خلافِ عقل ہے۔

(ظ) جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی فرع ہے۔اس لئے جمہوری سیاست میں شرکت سے نہ صرف جمہوری نظام کی تایید وتوثیق ہوتی ہے بلکہ درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام کی تایید ہوتی ہے، سرمایہ دارانہ نظام جمہوریت میں ہی پنپ اور پروان چڑھ سکتا ہے۔اسلامی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام دو متوازی نظام ہیں۔لہٰذا اسلام میں براستہ جمہوریت، سرمایہ دارانہ نظام کی پیوند کاری نہیں کی جاسکتی۔ اگر بالفرض دینی قیادت جمہوری طریقے سے برسرِ اقتدار آتی بھی ہے تو وہ آہستہ آہستہ سرمایہ دارانہ نظام

کا حصہ بن جائے گی، جس سے سرمایہ دارانہ نظام کو ہی تقویت ملے گی۔

(ع) جمہوری سیاست ایک ایسی دلدل ہے جس میں ایک دفعہ داخل ہونے کے بعد نکلنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ دینی جماعتوں کی جمہوری سیاست میں شرکت سے اسلامی نظامِ خلافت کے قیام کے لئے انقلابی جدوجہد پس منظر میں چلی جاتی ہے۔ دینی جماعتیں اس سے کنارہ کشی اختیار کر کے جمہوری سیاست پہ تکیہ کر لیتی ہیں اور جمہوری سیاست سے یہ امیدیں وابستہ کر لی جاتی ہیں کہ اس کے ذریعے اسلامی نظام کا نفاذ ہو جائے گا، نیز وہ یہ یقین کر لیتے ہیں کہ اس طرح اسلامی نظام کے احیاء کا فریضہ سرانجام دیا جا رہا ہے، لہٰذا علیحدہ سے اسلامی انقلاب کے لئے عملی جدوجہد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ خطرناک سوچ اسلامی انقلاب کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے جس کو دور کیے بغیر اسلامی انقلاب ممکن نظر نہیں آتا۔

(ف) برطانوی سامراج سے آزادی کے بعد مختلف مسلم ممالک میں مختلف دینی جماعتوں نے نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے جمہوری راستہ اپنایا۔ (جن میں سے کچھ کا تذکرہ ہم ماقبل میں کر چکے ہیں) وہ اس پر بڑے جوش وخروش سے عمل پیرا ہیں اور آج بھی اسی نہج پر چل رہی ہیں۔ لیکن آج تک کسی مسلم ملک میں یہ جماعتیں مکمل اسلامی نظام نہیں لاسکی ہیں۔ لہٰذا تاریخ نے بھی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ جمہوری انتخاباتی راستہ نظامِ خلافت کے قیام کا منہج نہیں ہے، کیونکہ جمہوریت ایسا نظام ہے جس کے اندر رہتے ہوئے دینی جماعتوں کو اکثریت نہیں مل سکتی یعنی دین اسلام کو سیاسی غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دراصل جمہوریت کی ساخت اور ڈھانچہ ہی ایسا ہے کہ اس کے ذریعے امرأ، جاگیردار، سردار، وڈیرے، سرمایہ دار، صنعت کار، سابقہ بیوروکریٹ اور ایسے کرپٹ افراد منتخب ہو سکتے اور ہوتے ہیں جن کے پاس رشوت، دھوکہ، فراڈ، ٹیکس چوری اور لوٹ مار سے جمع شدہ دولت کے ڈھیر ہوتے ہیں۔

(ق) انتخابی مہم چلانے کے لئے لاکھوں، کروڑوں روپے درکار ہوتے ہیں اور اتنی بڑی رقم مذکورہ طبقے ہی فراہم کر سکتے ہیں۔ ایک عام آدمی جس کے گھر کا نان نفقہ ہی مشکل سے پورا ہوتا ہے بھلا وہ کیسے انتخابات میں حصہ لے سکتا ہے؟ انتخابات میں شرکت تو درکنار اسے انتخابات سے کوئی دلچسپی یا سروکار نہیں ہوتا۔ اسے تو بس یہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ وہ شام کو گھر کا چولہا کیسے جلا پائے گا؟ اسی طرح وہ افراد یا گروہ جن کا تعلق مذکورہ طبقے سے نہیں ہے وہ انتخابات میں شرکت کی احمقانہ سوچ سے بھی دور رہتا ہے۔ اگر کوئی آدمی جمہوریت کے خوش کن نعروں سے متاثر ہو کر مذکورہ طبقے کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہوتا بھی ہے تو اس کا جو حشر ہوتا ہے، وہ کم از کم پاکستانی عوام سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایسا آدمی تو اپنی آیندہ

آنے والی نسل کے لئے بھی وصیت کر کے جاتا ہے کہ وہ ان چکروں میں پڑنے کی حماقت کبھی نہ کریں۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہماری دینی سیاسی جماعتوں کے لئے انتخابی سیاست میں شرکت کس قدر مشکل ہے۔ کیا وہ انتخابی سیاست میں مذکورہ طبقے کا مقابلہ کرسکتی اور انتخابی مہم چلانے کے لئے مطلوبہ فنڈز فراہم کرسکتی ہیں؟ اگر فراہم ہوبھی جائیں تو شرعاً واخلاقاً ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیا اس پر بھی کبھی غور کیا گیا ہے؟

(ل) انتخابی مہم کے دوران امیدوار انتخاب جیتنے کے لئے ہر جائز وناجائز طریقے اور ذرائع کے استعمال کو روا رکھتے ہیں۔ دھوکہ، فراڈ، دھاندلی، فریق مخالف پر جھوٹے الزامات، خلافِ حقیقت پروپیگنڈہ اور ووٹروں کو جھوٹے وعدے کرنا انتخابی سیاست کا حصہ لازمہ ہے، الغرض انتخابی مہم میں اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے دینی سیاسی رہنما ایسی جمہوری روایات کو اپنا سکتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو کیا ان روایات کو اپنائے بغیر وہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرسکیں گے؟ یاد رہے کہ ہماری بحث من حیث المجموع ہے وگرنہ انفرادی اور ذاتی شخصیت کے حوالے سے ایسی چند مثالیں موجود ہیں کہ ان روایات کے برخلاف انتخاب میں کامیابی حاصل ہوئی، لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ ایسے چند افراد اسمبلیوں میں پہنچ کر بھی کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کرسکتے اور نہ ان کے لئے ایسا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ ان کی نحیف وکمزور آواز اکثریت کے شور کی نذر ہو جاتی ہے۔

(م) اگر تمام رکاوٹیں ختم ہو جائیں اور دینی جماعتیں انتخابات کے ذریعے اکثریت حاصل کر کے برسرِ اقتدار آجائیں تو وہ متعلقہ ملک کے جمہوری دستور وآئین کی پابند ہوں گی کیونکہ وہ خود جمہوری راستے سے اقتدار تک پہنچی ہیں۔ اس صورت میں دینی سیاسی مقتدرہ کس قدر اسلامی نظام نافذ کرسکے گی؟ حالانکہ دستور وآئین کی بیڑی اس کے پاؤں میں ہے جو اسے ادھر ادھر ہلنے نہیں دیتی۔ اگر وہ دستور وآئین سے بالاتر ہوکر اسلامی نظام نافذ کرنا چاہے گی تو اپوزیشن اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ دے گی، دوسری بات یہ کہ جمہوری قوتوں کے نزدیک ایسا کرنے سے دینی مقتدرہ کے اقتدار میں رہنے کا کوئی جواز باقی نہ رہ جائے گا کیونکہ یہ تو جمہوریت کے بنیادی اصولوں کی صریح خلاف ورزی ہے۔

(ن) جمہوری طریقے سے برسرِ اقتدار آنے والی دینی مقتدرہ اگر اسلامی نظام نافذ بھی کر دے تو کیا وہ ایک خالص اسلامی ریاست کے تقاضے پورے کرے گی، جمہوری طریقے سے اقتدار پر براجمان ہونے والی اور جمہوری اصول وضوابط کی نہ صرف قائل بلکہ اس پر عمل پیرا ہونے والی دینی

مقتدرہ کیا اسلامی ریاست کے سب سے اہم فریضہ دعوت اور اقدامی جہاد کو سرانجام دے گی؟ حالانکہ بین الاقوامی طور پر مسلمہ جمہوری اصول اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتے بلکہ ان کی رُو سے اپنی ریاست تک محدود رہنا اور پڑوسی (مسلم وغیر مسلم) ممالک کے ساتھ امن وسلامتی اور تعاونِ باہمی پر مبنی خوشگوار تعلقات قائم رکھنا ضروری ہے۔

اسلامی انقلابی جدوجہد

اسلامی نظام کے احیاء کے لئے کوشاں دوسری قسم کی وہ جماعتیں ہیں جو جمہوریت کی بجائے اپنے اپنے نظریے اور نہج کے مطابق انقلابی طریقے سے اسلامی نظام لانا چاہتی ہیں۔ان میں سے بعض وہ ہیں جو اسلام کے نام پر اشتراکیت وکمیونزم کی دعوت دیتی ہیں اور اسلام کو محض ایک معاشی نظام تصور کرتی ہیں،جس کا مقصد لوگوں کو محض بنیادی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا اور معاشی مساوات قائم کرنا ہے۔ یہ بہت ہی خطرناک اور گمراہ کن نظریہ ہے جیسا کہ آج کل شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے افکار ونظریات کے نام پر یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اسلام محض ایک معاشی و اقتصادی نظام ہے۔حالانکہ یہ دونوں حضرات اسلام کو ایک مکمل دین اور کامل نظامِ حیات سمجھتے ہیں۔

بعض جماعتیں وہ ہیں جن کے قائدین (جن کی اکثریت پروفیسر اور ڈاکٹر حضرات پر مشتمل ہے) اسلامی نظام کی بنیادی تعلیمات سے کماحقہ آگاہ نہیں ہیں۔انہیں اسلامی تعلیمات کے اصل مآخذ قرآن وسنت تک رسائی حاصل نہیں،انہوں نے ملکی وقومی زبان میں اسلام کا مطالعہ کیا ہے،جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ اسلام کی عجیب وغریب تشریح کرتے ہیں۔ اسلامی نظام کو موجودہ زمانے سے ہم آہنگ کرنے کے نام پر اس کی غلط تصویر پیش کرتے ہیں نیز اسلامی نظامِ حیات کے بنیادی مسلمہ اصولوں میں تبدیلی کو لازمی یقین کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے باقاعدہ ایک ترتیب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بھی اسلامی نظام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہے۔

اشاعتِ اسلام یا غلبۂ دین

مذکورہ بحث سے متعلق ایک شعبے کا ازالہ ضروری ہے۔بعض اوقات یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مختلف جماعتیں مختلف حوالوں اور مختلف نوعیّتوں سے دین کا کام کررہی ہیں اور آگے چل کر اسی سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہوگی' لہٰذا اسلامی نظام کے قیام کے لیے علیحدہ سے جدوجہد کرنا اور جماعت بنانے اور تحریک اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اسی بات پر غور کرنا ہوگا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود کیا ہے، محض اشاعتِ اسلام یا غلبۂ دین؟ نیز یہ کہ کیا ان جماعتوں کی جدوجہد کے نتیجے میں یہ مقصود حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اشاعت اسلام اور غلبۂ دین میں فرق کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر نظام، قانون، حکومت اور اقتدار اسلام کا ہو اور اکثریت غیر مسلم ہو تو یہ غلبۂ دین ہے اگرچہ اشاعتِ اسلام نہیں۔ لیکن اگر کسی ملک میں اکثریت بلکہ غالب اکثریت مسلمانوں کی ہو تو نظام، قانون، حکومت اور اقتدار کفر کا ہو تو اشاعتِ اسلام کے باوجود غلبۂ دین نہیں ہے۔

قرآن وسنت سے یہ بات عیاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اوّلین مقصد غلبۂ دین ہے۔ قرآن کریم میں اس کے لیے اظہار دین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (الصف: ۹)

ترجمہ: وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ وہ اس دین کو تمام ادیان (باطلہ) پر غالب رکھے اگرچہ مشرک کتنا ہی بُرا مانیں۔"

ہم ماقبل میں "اسلامی ریاست کا قیام" کے عنوان کے تحت مذکورہ آیت کے ذیل میں امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمہ اللہ لکھنوی کی بیان کردہ تفسیر نقل کر چکے ہیں کہ مذکورہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ دینِ اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصود ہے جس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) فکری ونظریاتی (۲) سیاسی طور پر غالب کرنا۔ مذکورہ آیت اور اس کی تفسیر سے یہ ثابت ہو گیا کہ امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود محض اشاعتِ اسلام نہیں بلکہ غلبۂ دین ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر غلبۂ دین مقصود نہ ہوتا اور محض اشاعتِ اسلام ہی مقصود ہو تو کفار سے جہاد اور قتال کرنے کا حکم نہ دیا جاتا کیونکہ محض اشاعت کے لیے تو زبانی دعوت ہی کافی ہے اس کے لیے تلوار اٹھانے اور انسانوں کا خون بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز جہاد کا بنیادی اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے کفار کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر قبول کر لیں تو ٹھیک ورنہ جزیہ ادا کرنے اور ذمی بن کر اسلام کے اقتدار کے ماتحت رہنے کی پیشکش کی جائے۔ اگر یہ بھی

قبول نہ کریں تو پھر قتال کیا جائے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر محض اشاعتِ اسلام مقصود ہو اور غلبۂ دین مقصود نہ ہو تو کفار سے جزیہ قبول کر کے انہیں اسلامی اقتدار کے ماتحت رہنے کی اجازت کیوں؟

حالانکہ جزیہ قبول کرنے سے تو واضح ہوتا ہے کہ چونکہ کفار نے اسلام کا سیاسی غلبہ اور اقتدار مان لیا ہے اور اس طرح اظہار دین اور اعلاء کلمۃ اللہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا انہیں اسلامی حکومت کے ماتحت ہو کر رہنے کی اجازت ہے حالانکہ اشاعتِ اسلام نہیں ہو رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلام کی اشاعت کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ لیکن قرآن کا حکم واضح ہے کہ

''لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ''

مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسالت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کا مقصود دین اسلام کو تمام ادیان و مذاہب باطلہ پر فکری و نظریاتی اور سیاسی طور پر غالب کرنا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ احیاءِ اسلام کے حوالے سے جاری جدوجہد سے غلبۂ دین کا مقصود حاصل ہو رہا ہے یا محض اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے؟ جواب واضح ہے کہ اسلامی تعلیمات و ہدایت کی اشاعت کا کام تو ہو رہا ہے لیکن غلبۂ دین جس سے اشاعتِ اسلام کو قوت اور وسعت ملتی ہے اور کفار کے لیے قبولِ اسلام آسان ہو جاتا ہے' کا بنیادی مقصد حاصل نہیں ہو رہا۔ غلبۂ دین نظامِ خلافت کے قیام اور اسلام کے بطور ریاستی نظام کے نفاذ کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ جب تک خلافت کا احیاء نہیں ہوتا تب تک غلبۂ دین محض ایک خواب رہے گا۔ اس لیے اس مقصد کے لیے باقاعدہ جدوجہد کی اشد ضرورت ہے۔ اگر پہلے سے اس حوالے سے کام ہو رہا ہے تو اسے مزید متحرک' فعال اور وسیع کرنے کی ضرورت ہے ورنہ نئے سرے سے اس اہم اور بنیادی فریضے کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ اجتماعی تحریک کی صورت میں کوشش کرنا وقت کا تقاضا ہے۔

فصل یازدھم

نظامِ خلافت کے سقوط کے نقصانات

بیسویں صدی کے پہلے ربع میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد آخری اسلامی سلطنت خلافتِ عثمانیہ بھی ختم ہوگئی۔ نظامِ خلافت کے سقوط کے بعد سے آج تک مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ آٹھ دہائیوں سے دنیا کے سامنے ہے۔ چنانچہ آج امتِ مسلمہ کا وجود بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ نظامِ خلافت کے سقوط سے درجِ ذیل بڑے بڑے نقصانات ہوئے:

(ا) مرکز و وحدت کا خاتمہ

نظامِ خلافت مسلمانوں کی وحدت اور مرکزیت کا اہم نشان ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں بٹے ہوئے ہونے کے باوجود وہ ایک ہی نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ان کی تہذیب و ثقافت ایک جیسی ہوتی ہے۔ مختلف علاقوں، قبیلوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ان میں اخوت و بھائی چارہ قائم ہوتا ہے۔ اگر ایک علاقے میں کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو تمام مسلمان اپنے بھائی کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ایک نظام، ایک خلیفہ اور ایک فوج ہونے کی وجہ سے کفریہ طاقتیں مسلمانوں پر جارحیت کی جرأت نہیں کرسکتیں، اس طرح مسلمان ان کی قتل و غارتگری اور سازشوں سے محفوظ رہتے اور پرامن زندگی گزارتے ہیں۔ نظامِ خلافت کے سقوط کے بعد ان کی وحدت اور مرکزیت ختم ہوگئی ہے۔ سامراجی طاقتوں نے ان کو مختلف علاقوں میں تقسیم کر کے چھوٹے چھوٹے ملک اپنے ایجنٹوں کو عطا کر دیے ہیں تاکہ وہ ان کے مفادات کے تحفظ کو ممکن بنائیں۔ ہر مسلم حکمران دوسرے سے نالاں بلکہ دست و گریباں ہے۔ ہر ایک اپنے مفادات کے تحفظ کو ترجیح دیتا ہے چاہے اسے اس کے لئے اغیار کا کھلونا ہی کیوں نہ بننا پڑے حتیٰ کہ بعض ممالک کے درمیان تو کئی سالوں پر مشتمل باقاعدہ جنگیں بھی ہوچکی ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ امریکہ و یورپ مسلم ممالک کے مکمل تعاون اور ان کی زمین، فضا اور سمندر سے ہی دوسرے مسلم ممالک کو جارحیت کا نشانہ بناتے ہیں اور ان ممالک کے حکمران اپنے ہی بھائیوں کے خلاف اغیار کا آلہ کار بننے میں ذرا بھی نہیں شرماتے اور ہچکچاتے بلکہ خوشی خوشی اس ''دہشت گرد'' ملک کے خلاف امریکہ و یورپ کو اپنے کندھے پیش کرتے ہیں

(۲) اسلامی نظام کا تعطل

نظام خلافت کے سقوط سے سب سے بڑا اور بنیادی نقصان یہ ہوا ہے کہ صدیوں سے نافذ اسلامی نظام معطل ہو کر رہ گیا ہے۔اس کی جگہ مختلف مسلم ممالک میں کہیں جمہوریت ہے تو کہیں بادشاہت، کہیں آمریت ہے تو کہیں سیکولر نظام، الغرض کسی بھی مسلم ملک میں مکمل اسلامی نظام نافذ ہے اور نہ اسلامی تعلیمات پر مبنی معاشرے کا وجود ہے۔چنانچہ اسلامی نظام کے عملی شکل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں سے اس کا تصور مٹتا جا رہا ہے۔حالانکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔وہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق راہنمائی فراہم کرتا ہے۔اسلام میں دین و دنیا کے تمام امور کیلئے اصول موجود ہیں۔سیاست، عدالت، اقتصادیات، اجتماعیت، معاشرت داخلہ و خارجہ امور الغرض تمام نظام، اسلامی نظام خلافت میں موجود ہیں اور یہ صدیوں تک عملاً نافذ رہے۔نظام خلافت کے انہدام کے ساتھ ہی یورپ کی طرف سے دو چیزوں کا بہت زیادہ پروپیگنڈہ کیا گیا۔

(ا) یہ کہ اسلام کا پیش کردہ نظام زندگی موجودہ ترقی یافتہ دور میں ناقابل عمل ہے کیونکہ دنیا سائنسی طور پر بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے۔نئی نئی چیزیں اور مسائل سامنے آرہے ہیں جن کیلئے چودہ صدیوں قبل پیش کردہ پرانا نظام کوئی حل پیش نہیں کرسکتا ہے۔یورپ کا یہ پروپیگنڈہ جھوٹ پر مبنی اور حقائق کے منافی ہے۔علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں اسکے کافی وشافی جوابات دیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی کا عطا کردہ آخری دینِ اسلام، دین ودنیا کا جامع اور قیامت تک کیلئے قابل عمل ہے اور ہر دور اندر کے پیدا ہونے والے تمام نئے مسائل کا حل پیش کرتا ہے جو فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جدید سائنس کے بانی مسلمان سائنسدان ہیں جنہوں نے اس وقت سائنس میں کمال حاصل کیا جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔سائنسی ترقی اسلام اور اسلامی نظام کے غلبے کے لیے معاون ثابت ہوئی ہے مسلمانوں نے اسلامی نظام کی ترقی وعروج کے لیے اس سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔دوسری بات یہ کہ جو نظام چودہ صدیوں تک نافذ رہا اور مسلمان اس پر عمل پیرا رہے، آج وہ کیسے ناقابل عمل ہو گیا ہے؟ کیا ان چودہ صدیوں میں سائنسی ترقی نہیں ہوتی؟ کیا نئے نئے مسائل پیدا نہ ہوتے رہے؟ کیا نظام خلافت میں پیدا ہونے والے جدید مسائل کا کوئی حل پیش نہیں کیا گیا؟

تیسری بات یہ کہ دین اسلام دین ودنیا کو جامع اور قیامت تک کے لئے ہے۔بنیادی اصولوں کی روشنی میں نئے مسائل کے استنباط واستخراج یعنی اجتہاد کی اسلام میں اجازت ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر

زمانے کے فقہاءکرام نے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق نئے مسائل کا استنباط واستخراج کیا ہے۔انہوں نے نہ صرف موجودہ مسائل کا حل پیش کیا بلکہ آیندہ پیدا ہونے والے ممکنہ مسائل کا حل بھی پیش کیا ہے۔ اسلامی فقہ کی کتابیں ایسے مسائل سے بھری پڑی ہیں۔وحیِ الٰہی سے محروم اقوام اور تعلیماتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں من مانی تحریف کرنے والی مغضوب وگمراہ امتوں (یہود ونصاریٰ) پر تو اس طرح کا اعتراض کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ زندگی کا جامع اور فطرت کے عین مطابق کوئی نظام نہیں رکھتیں مگر اسلام پر اس طرح کا اعتراض سراسر جہالت،تعصب اور عداوت پر مبنی ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(ب) دوسرا پروپیگنڈہ یہ کیا گیا کہ اسلام میں بھی مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پہلے سوال کے جواب سے اس دوسرے سوال کا رد بھی ہوجاتا ہے کہ جب اسلام کے اندر تمام نظام، حکومت،عدالت،اقتصادیات داخلہ وخارجہ امور وغیرہ موجود ہیں تو وہ سیاست سے الگ کیسے ہوا؟ یہ بات یادرکھی جائے کہ اگر عیسائیت اور دیگر مذاہب میں نظامِ حکومت سے متعلق کوئی ہدایات واصول موجود نہیں ہیں اور عیسائی حکمرانوں نے مذہب کو سیاست سے نکالا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام میں بھی دین وسیاست الگ الگ ہیں۔

(۳) غلامی

نظامِ خلافت کے سقوط سے ایک اہم نقصان یہ ہوا کہ مسلمان سیاسی،عسکری،اقتصادی اور ذہنی و نظریاتی ہر لحاظ سے غلام بن گئے۔سامراجی طاقتوں نے اسلامی سلطنتوں کے حصے بخرے کیے اور انہیں آپس میں بانٹ لیا۔کہیں ولندیزی تو کہیں پرتگالی قابض ہوئے،کہیں فرانسیوں نے اسلامی ملکوں پر شب خون مارا تو کہیں برطانیہ نے ''سونے کی چڑیا'' کو قبضے میں لیا۔خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد تو کوئی مسلمان خطہ بھی ان کی دست وبرد سے محفوظ نہ رہا۔ان طالع آزماؤں نے نہ صرف ملکوں اور ان کی اقتصادیات پر قبضہ کرکے یورپ میں صنعتی انقلاب برپا کیا بلکہ مقبوضہ علاقوں کے عوام کو ہر طرح سے غلام بنانے کی باقاعدہ منصوبہ کے تحت مہم شروع کی۔چنانچہ جہاں انہوں نے مقبوضہ علاقوں کا معاشی استحصال کیا وہاں اپنے مذہب کی ترویج اور اپنے باطل افکار ونظریات کی اشاعت کیلئے باقاعدہ ایک نظام تشکیل دیا۔

مقبوضہ علاقوں کے عوام کو ان کے دین سے برگشتہ کرکے عیسائی بنانے کیلئے باقاعدہ مشن بھیجے گئے۔انہیں جسمانی کے ساتھ ذہنی اور فکری غلام بنانے کیلئے نیا نصابِ تعلیم جاری کیا تاکہ رنگ ونسل اور زبان تو ان کی اپنی رہے لیکن ذہن وفکر ان غاصبوں کا اپنالیں اور ان کے اقتدار کو مضبوط کرنے اور اسے

طول دینے کیلئے معاون ثابت ہوں۔ چنانچہ نئے نصابِ تعلیم کے ذریعے ایسی کھیپ تیار کی گئی جو اپنے ہم وطن حریت پسندوں کو جاہل، غدار اور دقیانوس سمجھتی تھی اور ان طالع آزماؤں کے مذموم مقاصد کو ہر ممکن طریقے سے پورا کرنے میں ہمہ وقت مستعد تھی۔ اس نئی کھیپ نے اپنے غیر ملکی آقاؤں کے اقتدار کی مضبوطی کیلئے اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہب بھائیوں کے ساتھ ہر ظلم کو روا رکھا اور تحاریک آزادی کو کچلنے میں ہراوّل دستے کا کردار ادا کیا۔ پھر جب تحاریک آزادی کے نتیجے میں ان ممالک کو آزادی ملی تو اسی طبقے کو جانشین بنایا گیا جس نے جانشینی کا ''حق'' ادا کر دیا اور جسمانی آزادی ملنے کے باوجود ان ممالک کو انہوں نے مغرب کا سیاسی، اقتصادی، عسکری اور نظریاتی غلام بنایا ہوا ہے اور آج بھی حقیقی حکمرانی مغرب و امریکہ کی ہے۔ چنانچہ ان ممالک میں مغرب سے سند یافتہ افراد کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ایوانِ اقتدار تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

(۴) باطل نظریات کی اشاعت

یہ فطری بات ہے کہ جس قوم کو دنیا میں سیاسی و عسکری غلبہ حاصل ہوتا ہے پوری دنیا میں اسی کے افکار و نظریات کو تسلیم کیا جاتا اور حق مانا جاتا ہے۔ جب مسلمان سیاسی و عسکری طور پر دنیا میں غالب تھے تو ان کے افکار و نظریات اور اسلامی تعلیمات کا ہر طرف چرچا تھا۔ پھر جب یورپین طاقتیں غالب ہوئیں تو انہوں نے مقبوضہ علاقوں میں اپنے باطل اور انکارِ وحی پر مشتمل اور اس سے متصادم نظریات کی خوب اشاعت کی۔ چنانچہ انہیں کے نظریات قبولِ عام حاصل کرتے گئے اور آج حالت یہ ہے کہ مغرب کی طرف سے جو اعتدال پسندی، روشن خیالی، جمہوریت، رواداری، آزادی اظہار رائے جیسے نت نئے افکار پیش کیے جاتے ہیں پوری دنیا کے لوگ انہیں کو معیارِ حق تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اول تو محکوم و غلام اقوام کی طرف سے کوئی نظریہ پیش ہی نہیں کیا جاتا اور اگر پیش کیا بھی جاتا ہے تو اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے اور مغربی افکار کے شور میں اس نخیف و پست آواز پر کوئی کان نہیں دھرتا، چہ جائیکہ اسے قبول کیا جائے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ میڈیا پر اہلِ مغرب کا تسلط ہے۔ اس لیے وہ پوری دنیا تک اپنے افکار کو بآسانی پہنچاتے ہیں جبکہ اسلامی افکار و نظریات کے حامل افراد کو میڈیا پر رسائی حاصل نہیں ہے لہٰذا وہ اپنے نظریات پوری دنیا کے عوام تک نہیں پہنچا سکتے۔ آج مغرب نے اسلام اور مسلمانوں پر انتہا پسندی، بنیاد پرستی، دہشت گرد وغیرہ جیسے جتنے لیبل چسپاں کیے ہوئے ہیں پوری دنیا کے عوام انہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں اور مغربی مفکرین کی زبان بولتے ہوئے مسلمانوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

(۵) اسلام میں باطل نظاموں کی ملاوٹ

اسلامی نظام خلافت کے سقوط کے بعد ایک اہم نقصان یہ ہوا کہ جہاں اسلامی نظام کی عملی شکل موجود نہ ہونے کی وجہ سے اسے نا قابلِ عمل سمجھا جانے لگا وہاں مغربی افکار و نظریات سے متاثر اسلامی مفکرین تحریراً، تقریراً اس بات پر زور دینے لگے کہ اسلام میں بھی کمیونزم، سوشلزم اور جمہوریت موجود ہے بلکہ اس بات کا تو بہت ہی زیادہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ اسلامی نظام کا اہم اصول شورائیت اور جمہوریت مترادف اور ایک چیز ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حالانکہ جمہوریت اور شورائیت دو متوازی نظام ہیں۔ جمہوریت کی بنیاد انسانی فکر پر قائم جبکہ شورائیت وحی الٰہی پر مبنی اسلامی نظام کا بنیادی اصول ہے۔ ہم یہاں اجمالاً اسلامی نظام اور جمہوریت کا فرق بیان کرتے ہیں۔

(ا) جمہوریت کی تعریف ہے'' Goverment of the people by the people fot the people ''یعنی عوام کی حاکمیت، عوام کے ذریعے، عوام پر'' جمہوریت میں حاکمیت جس کا معنی علم سیاسیات میں اقتدار اعلیٰ اور مطلق العنان حکمرانی ہے، کا حق عوام کو حاصل ہے۔ یعنی ان کا ہر حکم قانون کی حیثیت رکھتا ہے، ان کو غیر محدود اختیارات حاصل ہیں، محکوم افراد ان کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہیں۔ عوام کے منتخب نمائیدے قانون سازی میں با اختیار ہیں۔ منتخب نمایندوں کی اکثریت جو قانون چاہے بنا سکتی ہے اور ایوانِ اقتدار میں موجود اقلیت اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ یعنی اقتدار اعلی اور قانون سازی کے تمام اختیارات انہی منتخب عوامی نمایندوں کو حاصل ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظام میں حکومت اور قانون سازی کا اختیار اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے۔ وہی احکم الحاکمین ہے اور پوری انسانیت اس کی محکوم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے

﴿ إِنِ الْحُكْمُ اِلاَّ لِلّٰهِ ﴾

ترجمہ: حکم صرف اللہ ہی کا ہے

شاعر مشرق علامہ اقبال نے کہا تھا

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری

حقیقی حاکم ذاتِ الٰہی ہے اور خلیفۃ المسلمین اس حاکمِ حقیقی کا نائب ہوتا ہے وہ وحی الٰہی (قرآن وسنت) کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ وہ مطلق العنان اور غیر محدود اختیارات کا مالک نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع دن سے اسے اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے۔

﴿ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ (البقرة)

اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ خلافت اور جمہوریت دو متوازی نظام ہیں۔ اسلام کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسری ذات کو حاکم حقیقی سمجھنا اور اسے قانون سازی کا حق دینا سراسر گمراہی ہے۔ الغرض جمہوریت کی بنیاد غیر اسلامی نظریے پر قائم ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(ب) جمہوری نظام میں عوام کی غالب اکثریت کی رائے کو معیارِ حق تسلیم کیا گیا ہے یعنی عوام کی اکثریت کی جو رائے ہے وہی حق ہے اور منتخب عوامی نمائندوں کی اکثریت کی رائے کو ترجیح حاصل ہے اور اسے قانون کا درجہ حاصل ہوگا، چاہے یہ رائے شرعاً وعقلاً حق پر مبنی ہو یا باطل پر۔ جمہوریت میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور جاہل، ماہر فن اور اس فن سے نابلد، چوکیدار، کلرک، ڈاکٹر، انجینئر، صحافی، ماہر نفسیات، ماہر سیاسیات، پروفیسر، معیشت دان، تاجر، مزدور، الغرض ریاست کے تمام افراد کی حیثیت برابر اور ان کی رائے اور ووٹ کی ایک ہی قیمت ہے۔ یہ بات نہ صرف خلافِ اسلام بلکہ سراسر خلاف عقل ودانش ہے۔ ہر سلیم الفطرت اور ادنی سے ادنی صاحب علم و دانش یہ تسلیم کرتا ہے کہ انسانوں میں صلاحیت، استعداد، عقل وذہانت، رائے اور شعور کے اعتبار سے بہت فرق ہوتا ہے۔ ہر شخص نہ تو ایک جیسی عقل وذہانت کا مالک ہے اور نہ ایک جیسی صلاحیت رکھتا ہے، اسی لئے ان کی آراء اور افکار اور نظریات میں بھی واضح فرق ہوتا ہے۔ اسلام نے اس فرق کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ واضح کر دیا ہے کہ صاحبِ علم اور جاہل ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (الزمر)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔''

اسلام میں عہدے اور منصب کا مستحق باصلاحیت اور ذی استعداد افراد کو قرار دیا گیا ہے۔ حکومت اور ملکی نظم ونسق کے لئے تو دیگر شعبہ ہائے زندگی کی بنسبت زیادہ صلاحیت واستعداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان پڑھ اور جاہل عوام جنہیں سیاسیات کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہوتی وہ نظام حکومت کو چلانے کے مستحق کیسے قرار پا سکتے ہیں؟ نیز جب انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ملکی معاملات اور نظم ونسق کو کیسے چلایا جاتا ہے تو انہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں شخص ملکی نظم ونسق چلانے کا زیادہ مستحق ہے؟ لہٰذا وہ صحیح اور باصلاحیت افراد کو بھی بطور نمائندہ منتخب کرنے سے قاصر ہیں۔

(ج) جمہوریت میں برسر اقتدار جماعت کو تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں اگرچہ قانون

سازی میں بظاہر تمام جماعتیں حصہ لیتی ہیں لیکن اکثریت کا اعتبار ہونے کی وجہ سے مقتدر جماعت کی ہی مرضی چلتی ہے اور یہ جماعت فرشتے نہیں انسان ہوتے ہیں اور اپنی سوچ اور فکر سے ہی قانون سازی کرتے اور پالیسیاں بناتے ہیں۔لہٰذا وہ اپنے نظریات ،تعصّبات ، رجحانات اور ذاتی و جماعتی مفادات کے پیش نظر قوانین بناتے ہیں، جن میں قوانین الٰہیہ اور عوامی فلاح و بہبود مد نظر نہیں ہوتی ۔ پھر جب دوسری جماعت اقتدار میں آتی ہے تو وہ اپنی مرضی سے نئے قوانین اور پالیسیاں بناتی ہے جو اسی کے مفادات ونظریات کے موافق ہوتے ہیں۔اسی طرح قانون اور پالیسیاں بنتی اور ٹوٹتی رہتی ہیں ۔ یہ مستقل اور پائیدار نہیں ہوتیں۔جس کی وجہ سے فلاح و بہبود کے کام نہیں ہو پاتے اور ملکی ترقی میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس اسلامی نظام میں قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔خلیفۃ المسلمین اور اہل حل وعقد (شوریٰ) قرآن وسنت کے پیش کردہ اٹل اور نا قابل تغییر قوانین نافذ کرتے ہیں نئے پیدا شدہ مسائل اور انتظامی معاملات کو بھی شریعت کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے۔اسلامی نظام میں حزب ِ اقتدار اور حزب اختلاف کی تفریق نہیں ہوتی ، بلکہ مجلس شوریٰ کا ہر رکن حزبِ اقتدار میں بھی ہے اور حزبِ اختلاف میں بھی ۔ اگر امیر المومنین شوریٰ کے مشورے سے شریعت کے مطابق قوانین اور پالیسیاں بناتا ہے تو اس کی تائید وحمایت کی جاتی ہے۔اس کے برعکس ان کی مخالفت کی جاتی ہے جس میں امیر المومنین کی رائے اور اس کی ذات کی ناراضگی وخوشی کو مدِنظر نہیں رکھا جاتا۔

ہم نے چند بنیادی باتیں ذکر کر دی ہیں۔تفصیل کے لئے اس موضوع سے متعلق تفصیلی کتب کا مطالعہ مفید ہے۔

فصل دوازدھم

اقامتِ نظامِ خلافت

نظامِ خلافت کے قیام کے بغیر فرائض الٰہیہ اور احکامِ شریعت پر کامل طور پر عمل پیرا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے فرائض دین میں سے سب سے بڑا فریضہ قرار دیا ہے۔فرماتے ہیں:

" یجب ان یعرف ان ولایۃ امر الناس من اعظم واجبات الدین بل لا قیام للدین ولا للدنیا الاّ بھا ."(السیاسۃ الشرعیۃ : ص ۱۶۱)

"یعنی یہ جان لینا ضروری ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی و ریاستی) معاملات کے لئے ولایت (خلافت وحکومت) دین کے فرائض میں سے سب سے بڑا فریضہ ہے بلکہ دین و دنیا(کے امور) کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔"

فرائض دین میں سے سب سے بڑے فریضے ہونے کا مفہوم واضح ہے کہ دیگر فرائض کی ادائیگی اسی بڑے فریضے کی ادائیگی سے وابستہ ہے اور اس کے بغیر دوسرے فرائض کا قیام نہیں ہوسکتا ہے۔کیا اسلامی نظامہائے عبادات، عدالت، اقتصاد، اجتماعیت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور جہاد وغیرہ کا قیام خلافت وحکومت کے بغیر ممکن ہے؟نہیں ہرگز نہیں۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی چیز کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

" ولانّ اللہ تعالیٰ اوجب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ولا یتمّ ذلک الاّ بقوۃٍ وإمارۃٍ وکذلک سائر ما اوجبہ من الجھاد والعدل وإقامۃ الحج والاعیاد ونصر المظلوم وإقامۃ الحدود لا تتم الاّ بالقوۃ والإمارۃ ."(مجموعۃ فتاویٰ لابن تیمیہ رحمہ اللہ : ۳۹۰/۲۸)

"یعنی اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا ہے اور یہ طاقت اور امارت کے بغیر پورا نہیں ہوتا ہے۔اسی طرح تمام وہ احکام جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے یعنی جہاد، عدل کا قیام، حج وجمعہ اور عیدین کی اقامت، مظلوم کی مدد اور حدود کا قیام، طاقت اور امارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے ہیں۔"

ایک اشکال کا جواب

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فرائض دینیہ کی ادائیگی کے لیے حکومت واقتدار کی ضرورت نہیں اور یہ کہ اسلام حکومت کا محتاج نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ انفرادی احکام کو بجالانے میں اقتدار کی ضرورت نہیں ہے لیکن جیسا کہ ہم امام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ اجتماعی فرائض و احکام کی ادائیگی کے لیے حکومت وریاست کا قیام ضروری ہے۔اس کے بغیر اسلامی احکامات وتعلیمات کے مقاصد کو کماحقہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔نظامِ خلافت کے قیام سے ہی مسلمانوں کا ایمان وعمل محفوظ ہوتا اور اسلامی تعلیمات پر کامل طور پر عمل پیرا ہونا ممکن ہوتا ہے۔نظام خلافت کے سقوط سے امتِ مسلمہ کے اندر جس قدر ایمان کمزور ہوتا، دین سے وابستگی میں کمی آتی اور فکری ونظریاتی بے اعتدالی اور گمراہی پھیلتی ہے، اس کا مشاہدہ عصرِ حاضر میں کیا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے خلافت کے قیام کو فرض قرار دیا ہے۔

احیاءِ خلافت کے لئے عملی جدوجہد کی حیثیت

قرآن وسنت اور کتبِ فقہ میں خلافت کی حیثیت واہمیت سے متعلق واضح احکام موجود ہیں، متقدمین نے اس بنیادی فریضے کی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ امتِ مسلمہ کے تحفظ وبقا اور دنیوی ودینی اجتماعی امور کی انجام دہی کے لئے خلافت کا قیام ازحد ضروری ہے جس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔اقامتِ خلافت جس قدر ضروری ہے، خلافت کے احیاء کے لئے عملی جدوجہد بھی اسی قدر ضروری ہے کیونکہ خلافت کا قیام منظّم ومرتب اور ٹھوس لائحہ عمل پر مبنی انقلابی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔لہٰذا ''مقدمۃ الواجب واجبۃ'' (واجب کا حصول جس چیز پر موقوف ہو، وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے) کے اصول کے تحت احیاءِ خلافت کے لئے باقاعدہ ایک جماعت اور تحریک کی شکل میں جدوجہد کرنا بھی فرض اور اس سے غفلت ولاپرواہی اختیار کرنا اس اہم فریضے کو ترک کرنا ہے۔

دوسری بات یہ کہ جس طرح نظامِ خلافت کے قیام سے تمام فرائض دینیہ اور احکامِ شریعت پر کامل طور پر عمل پیرا ہونا ممکن ہوجاتا ہے، ٹھیک اسی طرح احیاءِ خلافت کی جدوجہد دیگر دینی جزوی امور کے لئے جدوجہد کو بھی متضمن ہے کیونکہ جب خلافت کا قیام ہوجائے گا تو نظامِ خلافت تمام دینی اجتماعی امور کی انجام دہی اور نگرانی کا خود ذمہ دار ہوگا اور ریاست ہی تمام دینی معاملات کو سنبھالے گی۔خواص و عوام کو کسی دینی امر کی انجام دہی، کسی عقیدے کے تحفظ یا کسی فریضے کی ادائیگی کے لئے کسی مطالبے،

اپیل، ہڑتال، جلسے، جلوس یا احتجاجی تحریک کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ خیر القرون اور بعد کا زمانہ مذکورہ بات پر شاہد ہے کہ مختلف اوقات میں اٹھنے والے تمام فتنوں اور سازشوں کے خلاف خلافت نے ازخود اقدام کیا اور ان کی سرکوبی کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے زمانہ خلافت میں فتنہ ارتداد کے خلاف اقدام اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوارج کے خلاف کارروائی اس کی واضح مثالیں ہیں۔ بعد کے زمانہ میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔

ہمارے اکابر نے تحفظِ ناموسِ رسالت، تحفظِ ناموسِ صحابہ اور دیگر دینی امور کے لئے لازوال قربانیاں دی ہیں حتیٰ کہ ان مقدس مقاصد کے لئے اپنا قیمتی خون بھی پیش کیا ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ یہ ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اسلامی نظامِ خلافت کا وجود نہیں ہے۔ اگر خلافت کا وجود ہوتا تو حکومت خود ہی ان امور کو انجام دیتی اور تحریکوں اور جماعتوں کے قیام کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اب جبکہ نظامِ خلافت قائم نہیں ہے تو ان تحاریک اور جماعتوں کا قیام ضروری ہے اور وہ بحمد للہ ایک طویل عرصے سے ان مقدس مشنوں کو سنبھالے ہوئے اور اس کے لئے شب و روز کوشاں ہیں۔ لیکن اگر اس کے ساتھ ساتھ احیاءِ خلافت جو کہ تمام مسائل کا حل ہے، کے لئے کی جانے والی عملی جدوجہد میں کسی بھی صورت میں شرکت کی جائے تو نہ صرف اقامتِ خلافت کی منزل آسان ہو جائے گی بلکہ خلافت کے قیام کے ساتھ ہی وہ دینی اجتماعی امور جن کی ادائیگی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے، کا معاملہ بھی ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا حکومت ہی تمام دینی فرائض کی ادائیگی کا نظام سنبھال لے گی اور تمام فتنوں کا سدِ باب کرے گی۔ علماء کرام، مسلمان عوام سمیت اپنی صلاحیتیں دیگر دینی شعبوں میں صرف کر سکیں گے۔ الغرض تمام دینی و دنیوی مسائل اور برائیوں کی جڑ نظامِ خلافت کا قائم نہ ہونا ہے اور اسی کے قیام سے ہی تمام مسائل کا حل ہو جائے گا۔

احیاءِ خلافت اور منہجِ نبوی

خلافت کی ضرورت و اہمیت اور احیاء خلافت کے لیے عملی جدوجہد کی حیثیت سے متعلق ابحاث کے بعد اب ہم احیاءِ خلافت کے لیے نبوی منہج کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں عرب کے کفر و شرک کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے معاشرے میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ کئی صدیاں دنیا کے مختلف حصوں پر اسلامی نظامِ حیات نافذ رہا۔ پھر رفتہ رفتہ امتِ مسلمہ اسلامی اصولوں سے ہٹتی چلی گئی، ان کی حکومتیں کمزور ہو گئیں اور اغیار ان پر غالب آنے لگے۔ گزشتہ صدی کے پہلے ربع میں آخری اسلامی حکومت ''خلافتِ عثمانیہ''

کا بھی سقوط ہوگیا۔اب پھر اسلامی معاشرہ کیسے وجود میں آئے گا؟ اسلامی نظام کا نفاذ و اجراء کیسے ہوگا؟ آئندہ سطور میں ہم اسی سوال کا جواب پیش کرنا چاہتے ہیں۔

امتِ مسلمہ کی موجودہ حالت

اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم قوم مسلمان ہے۔کون سا ایسا خطہ ہے جہاں ان پر ظلم وستم کے پہاڑ نہ ڈھائے جارہے ہوں؟ بغداد سے لے کر کشمیر تک اور قندھار سے لے کر القدس تک انہی کا خون بہایا جارہا ہے۔غلامی ومحکومی انہی کا مقدر بنی ہوئی ہے۔سامراجی طاقتیں انہی کے وسائل ودولت پر قبضے کے لئے جارحیت کرتی اور انہیں خاک وخون میں تڑپاتی ہیں۔ان کا کوئی مرکز ہے اور نہ ایک خلیفہ اور امیر المومنین ہے بلکہ ان کی اسلامی حکومت دنیا کے کسی بھی خطے میں نہیں ہے۔الغرض مسلمان تقریباً ۸۵ سال سے اعتقادی، روحانی، نظریاتی، سیاسی، عسکری اور اقتصادی اعتبار سے مکمل طور پر زوال پذیر ہیں۔

موجودہ حالت کا سبب

جب تک مسلمانوں کا ایمان و یقین مضبوط رہا اور وہ دین پر عمل پیرا رہے، زندگی کا مقصد ان کے پیش نظر رہا، زندگی کے ہر پہلو میں اسلامی تعلیمات کو اپنایا، انفرادی اور اجتماعی سطح پر قرآنی ضابطۂ حیات پر کاربند رہے، ریاستوں کے اندر قوانین شریعت کا بول بالا تھا، رعایا سے خلیفہ تک ہر فرد ان قوانین کا پابند تھا، عوام کو عدل وانصاف بآسانی فراہم ہوتا تھا، پوری دنیا کے انسانوں تک اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آخری دین اور نظامِ زندگی کو پہنچانا ہر فرد اپنا فریضہ سمجھتا اور اس کے لئے جان و مال اور وقت کی قربانی دیتا تھا تو دین اسلام تمام ادیانِ باطلہ پر غالب تھا، نظامِ خلافت کے سائے تلے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم ذمی بھی امن وسکون اور آزادی کی زندگی گزارتے تھے۔مسلمان دینی، روحانی' سیاسی، عسکری اور اقتصادی طور پر مضبوط اور ترقی کی جانب گامزن تھے۔کفریہ طاقتیں کسی بھی حوالے سے ان کو چیلنج کرنے کی سکت نہ رکھتی تھیں۔

پھر جب مسلمانوں کی دین سے وابستگی کمزور ہوگئی، قرآنی تعلیمات کو ترک کیا جانے لگا، عیش و عشرت کی زندگی عام ہوگئی، جذبۂ جہاد سرد اور دین اسلام کی اشاعت کے جذبات ختم ہوگئے، مسلمان حکمران نا اہل، امورِ سلطنت سے غافل اور عیش کوشی میں شب و روز گزارنے لگے تو اسلامی سلطنتیں، اضمحلال و انحطاط کا شکار ہونے لگیں۔نظامِ خلافت کمزور ہوتا گیا تو اغیار نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی سلطنتوں کے خلاف جنگی کارروائیاں شروع کردیں۔کفر ہر لحاظ سے مضبوط تھا اور

اہل ایمان اپنی طاقت وقوت کھو چکے تھے اس لئے وہ کفر کے آگے ٹھہر نہ سکے اور شکستوں پر شکستیں کھانے لگے۔آخر کار اسلامی سلطنتیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلتی چلی گئیں۔اندلس کی سلطنت کا سورج غروب ہوگیا۔1857ء میں مغلیہ سلطنت مکمل طور پر انگریز کے ہاتھوں میں چلی گئی اور بیسویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں پہلی جنگِ عظیم کے بعد ترکی کی خلافتِ عثمانیہ ختم ہوگئی۔تب سے مسلمانوں پر ہر پہلو سے زوال آچکا ہے۔جب تک نظامِ خلافت قائم رہا تو اسلامی قوانین نافذ رہے اور اسلام کا اجتماعی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، عدالتی اور عسکری نظام (نظامِ جہاد) قائم رہا۔ مسلمان ہر اعتبار سے ترقی یافتہ تھے، ان کا دنیا میں سیاسی، عسکری اور اقتصادی غلبہ تھا۔ایک مرکز اور ایک خلیفہ تھا، ان میں اتحاد و اتفاق تھا۔پورا معاشرہ اسلامی تعلیمات کی عکاسی کرتا تھا، لیکن نظامِ خلافت کے انہدام کے ساتھ ہی ان کا نظامِ حیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا اور وہ تنزلی کی گہری کھائیوں میں گرتے چلے گئے۔

موجودہ حالت کا حل

امتِ مسلمہ کے زوال کا جو سبب ہے اس کو دور کر دیا جائے تو امتِ مسلمہ ترقی وعروج حاصل کر سکتی ہے۔چونکہ اس کے اسباب میں سے سب سے اہم اور بنیادی سبب اسلامی نظامِ حیات کا خاتمہ ہے، لہٰذا جب تک اسلامی نظامِ حیات قائم نہیں ہوتا تب تک امتِ مسلمہ زوال سے نہیں نکل سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک مسلمان نظامِ حکومت قائم نہیں کرتے اور اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں ہوتا تب تک امتِ مسلمہ موجودہ حالت سے باہر نہیں آسکتی ہے اور نہ ہی دنیا میں منتشر اور بکھری ہوئی امت متحد ہوسکتی ہے۔امت کے زوال کا یہ واحد حل ہے، جسے ہم آئندہ سطور میں سیرت کی روشنی میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور میں خلافت یعنی اسلامی حکومت قائم کرنے کا وہی طریقہ یا منہج اختیار کرنا لازم ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا ہے۔نبوی طریقہ کار ہی اسلامی انقلاب کا اصل منہج اور راستہ ہے۔نبوی منہج کے علاوہ کوئی بھی طریق کار نہ تو اسلامی ہے اور نہ اس سے اسلامی نظامِ خلافت کی منزل تک پہنچا جا سکتا ہے۔ماضی میں اسلامی نظامِ حیات کے قیام کے لئے کئی طریقے و مناہج بروئے کار لائے گئے ہیں لیکن خلافت کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا ہے۔ جس کی بڑی وجہ ان کا غیر اسلامی ہونا اور قرآن وسنت کے مطابق نہ ہونا ہے۔ان طریقوں کا اجمالی تجزیہ ہم ماقبل میں پیش کر چکے ہیں، ہم یہاں اجمالاً نبوی منہج کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس سے اسلامی طریق انقلاب واضح طور پر سامنے آئے گا اور مذکورہ طریقوں اور مناہج کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) دعوت (۲) تربیت (۳) ہجرت

(٤) نصرت (۵) عسکریت

یعنی آپ کی انقلابی تحریک کے پانچ مراحل ہیں، جن سے گزر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انقلاب کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا اور غارِ حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ یہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ پہلی وحی تھی جس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلے مرحلے میں آپ نے کفر و شرک کے معاشرہ میں توحیدِ الٰہی کی دعوت شروع کی۔ دعوتِ خاصہ و عامہ کے ساتھ آپ نے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بلایا۔ دوسرے مرحلے میں دعوت قبول کرنے والے افراد کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اجتماعی تعلیم و تربیت کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دارالارقم میں جمع فرمایا۔ جب دعوت کا دائرہ کچھ وسیع ہوا اور لوگ اس فکر اور نظریے کو دل و جان سے قبول کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے لگے تو مشرکین مکہ نے ردِ عمل کے طور پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیے تو تیسرے مرحلے میں ہجرت کو اختیار کیا گیا تاکہ ارکانِ تحریک کا دین و ایمان محفوظ رہے اور احکامِ اسلامی پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہوا جائے۔ چنانچہ حبشہ جیسے بعید ملک کی طرف ان کو ہجرت کرنا پڑی۔ چوتھے مرحلے میں آپ نے دعوت کا دائرہ مزید وسیع کرتے ہوئے طلبِ نصرت شروع کی۔ آخر کار یثرب کے انصار کو یہ شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے نصرت و تعاون اور ایثار کی لازوال مثال قائم کی اور دینِ اسلام کی سربلندی کا سبب بنے۔ بالآخر آپ نے مدینہ میں اسلامی نظامِ حیات کی بنیادیں رکھ دیں۔

اسلامی حکومت کو مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے غزوات کا سلسلہ شروع کر کے اس کو وسیع کرنا شروع کیا۔ اس پانچویں مرحلے میں آپ نے فتح مکہ کے ساتھ پورے جزیرۂ عرب پر دین اسلام کا علم لہرا دیا۔ پھر دین اسلام کو عالمی سطح پر غالب کرنے کی جو ابتداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اس کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین خلفاءؓ نے کی۔ صدیوں تک اسلامی نظام نافذ رہا۔ اہل اسلام کی دین سے دوری، اوامر کے مٹنے اور منکرات و منہیات کے رواج پانے اور عیش کوشی کی وجہ سے اسلامی نظام آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونا شروع ہوا۔ آخر کار خلافتِ عثمانیہ بھی غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی غفلت و نااہلی کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ تب سے آج تک دنیا کے کسی خطہ میں مکمل اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکا ہے۔ البتہ ماضی قریب میں ۱۹۹۶ء تا ۲۰۰۱ء افغانستان میں طالبان کی قائم

کردہ امارتِ اسلامی کو اس سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔عصرِ حاضر میں نبوی منہج کے بنیادی اصولوں پر عمل کیسے ہوگا اور یہ موجودہ حالات پر کیسے منطبق ہوں گے؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے جو علیحدہ تصنیف کا متقاضی ہے۔فرصت ملنے پر بتوفیق الٰہی اس پر قلم اٹھایا جائے گا۔

اقامتِ خلافت کے لئے جماعت وتحریک کی ضرورت

منہج نبوی کے مطابق اقامتِ خلافت کے لئے جماعت وتحریک کا قیام ضروری ہے۔تحریک سے متعلق تفصیلی ابحاث کا یہ موقع نہیں، لہٰذا یہاں چند امور اجمالاً پیش کیے جاتے ہیں۔اسلامی نظامِ خلافت امت کے دینی و دنیاوی اجتماعی امور کو سرانجام دینے کا ایک مستقل نظام ہے اس لئے اس کا قیام امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔یعنی امت کا ایک گروہ اس کے قیام کے لئے لازمی ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ نے خیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کو سرانجام دینے کے لئے امت میں سے ایک جماعت کے قیام کو فرض قرار دیا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

(آل عمران : ۱۰۴)

''اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک ایسی جماعت جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کرے برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو۔''

امام ابن جوزی رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر امت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' والأمة هاهنا الصنف الواحد علىٰ مقصد واحد .''

(زاد المسير : جزا ص ۱۹۵)

''یعنی امت سے ایک مقصد پر متفق رہنے والے ایک قسم کے لوگ مراد ہیں۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

'' وأمة ماخوذة من قولهم اممت كذا اي قصدته فمعنى أمة مقصدهم واحد .'' (الجامع لاحكام القرآن :۳/ ۳۱)

''یعنی امت اَمَمتُ کذا سے ماخوذ ہے یعنی میں نے فلاں امر کا قصد کیا۔پس امت کے معنی ہیں جن کا مقصد ایک ہو۔''

امام ابن جوزی رحمہ اللہ مندجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"قال الزجاج معنى الكلام ولتكونوا كلّكم امة تدعون الى الخير وتـأمـرون بـالـمعروف ولكن من هاهنا تدخل لتحض المخاطبين من سائر الاجناس وهي مؤكدة ان الامر للمخاطبين."

(زاد المسير : ۱/۱/۳۵۱)

"یعنی زجاج فرماتے ہیں کہ مذکورہ کلام (آیت) کا معنی یہ ہے کہ تم تمام لوگ ایک جماعت بن جاؤ۔ خیر کی دعوت دو اور امر بالمعروف کرو۔ من (منکم میں حرفِ من) مخاطبین کو تمام اقسام میں سے برانگیختہ کرنے کے لئے داخل ہوا ہے۔ یہ اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ امر (حکم) مخاطبین کو ہے۔"

امام الہند شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"بعد ازاں ارشاد می فرماید کہ سبب ایں اجتماع بحسب جری سنۃ اللہ آنست کہ جماعہ از ایشاں باحیاءِ علوم دین وقیام بجہاد واقامت حدود وامر معروف ونہی منکر قائم شوند ودیگراں امتثال امر ایشاں کنند وایں یکے از واجبات بالکفایہ اسلام است وعادۃ اللہ آن است کہ امر ایں امت مفلحہ بدون تصدی شخصے مسلم الفضل فیما بینہم بریں اقامت صورت نگیرد۔"

(ازالة الخفاء : ۲/۲۵)

"اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اس اجتماع کا سبب اس بناء پر کہ سنت اللہ (قانونِ الٰہی) اسی طرح جاری ہے، یہ ہے کہ ان میں سے ایک ایسی جماعت قائم ہو جائے جو علومِ دین کے احیاء (یعنی ان کی تعلیم ونشر واشاعت) پر کمربستہ ہو اور جہاد اور حدودِ شرعیہ کو قائم کرے۔ لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور دوسرے لوگ (یعنی عوام) اُن کے احکام کی تعمیل کریں اور یہ (یعنی ایسی جماعت کا قیام) دین کے فرائض کفایہ میں سے ہے اور عادت (قانونِ) الٰہی یہ ہے کہ اس امتِ مرحومہ کا یہ امر (یعنی نظم مذکور) قیام پذیر نہیں ہوگا جب تک کوئی ایسا شخص جس کی فضیلت سب میں مسلم ہو ایسی جماعت کے قائم کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں نہ لے لے۔"

یعنی سنتِ الٰہیہ یہی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو سرانجام دینے کے لئے باقاعدہ ایک جماعت کا قیام ضروری ہے جو باقاعدہ منظّم ومرتب اور ایک لائحہ عمل کے تحت مذکورہ فریضے کو ادا کرے۔

معروفِ اعظم

قرآن وسنت کے تمام احکام وفرامین معروف ہیں اور ان سے اعراض وانحراف اور ان کی خلاف ورزی کرنا منکر ہے۔تمام معروف تب قائم ہو سکتے ہیں جب اسلامی نظامِ خلافت قائم ہو کیونکہ اسلامی خلافت کے قیام کی صورت میں ہی امت کے دینی ودنیاوی اور تمام اجتماعی امور بہتر طور پر سرانجام دیے جا سکتے ہیں لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ امت کے اجتماعی امور کا ضامن ''نظامِ خلافت'' وجود میں ہی نہیں ہے۔لہٰذا اس وقت سب سے بڑا معروف ''اسلامی نظامِ خلافت'' کا قیام ہے۔اسی طرح سب سے بڑا منکر ''کفریہ وباطل نظام'' ہیں۔اس منکرِ اعظم کی نکیر وتغییر یعنی کفریہ وباطل نظاموں کو ختم کرنا اور ان کے مقابلے میں معروفِ اعظم کا امر (یعنی اسلامی نظام کا قیام) امت کا فریضہ ہے۔جس کے لئے جماعت کا قیام فرض ہے۔فرمانِ نبوت ہے:

'' من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذٰلك اضعف الإيمان .''(صحيح المسلم)

''تم میں سے جو کوئی منکر کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے ختم کر دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان کے ساتھ۔اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل میں برا سمجھے اور یہ ایمان کا انتہائی کمزور درجہ ہے۔''

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

عصرِ حاضر کے بعض حضرات میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ نظامِ خلافت اور اقتدار وحکومت اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے جو مسلمانوں کو ان کے اعمالِ صالحہ کی بدولت عطا ہوتی ہے اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطنت واقتدار اور خلافت نعمتِ الٰہیہ ہے لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اقامتِ خلافت اور اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا لازم نہیں ہے؟ اقامتِ خلافت کی فرضیت، اہمیت اور مسلمانوں کے عوام وخواص پر اس حوالے سے عائد ہونے والی ذمہ داری سے متعلق تفصیل کتاب کے حصہ دوم کے چوتھے باب ''فرضیتِ خلافت'' میں آ رہی ہے۔یہاں ہم مختصراً عرض کرتے ہیں کہ اگر اسلامی نظام اور خلافت محض اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جو کہ اعمالِ صالحہ کے نتیجے میں ملتی ہے اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد لازم نہیں ہے تو قرآن وسنت اور اجماع میں اس کے قیام اور خلیفہ کے تقرر کو مسلمانوں پر فرض کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اگر اقامت خلافت کے لیے جدوجہد لازم نہیں تو خود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر صحابہ کرامؓ، سلف صالحین، فقہاء کرام خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اور برصغیر میں امام ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ تک اکابرین امت نے اس کے لیے اپنی صلاحیتیں کیوں صرف کیں اسلامی نظام کے قیام کو اپنا اوڑھنا بچھونا کیوں بنایا؟ اور کیوں اس کے لیے اپنی قیمتی جانوں کے نذرانے پیش کیے؟

حقیقت یہ ہے کہ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط اور پوری دنیا سے اسلامی نظام اور شرعی قوانین کے عملاً معطل ہونے کے بعد اور اسلامی نظامِ حیات کے حوالے سے مستشرقین و ملحدین کے زور وشور پروپیگنڈے کی وجہ مسلمانوں کی ہمتیں اس قدر پست اور دماغ اس قدر ماؤف ہو چکے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات اور قرآن وسنت کے احکامات سے عملاً انحراف کر چکے ہیں، انہیں فقہاءِ کرام اور سلف صالحین کی تصریحات کو پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق ہی نہیں اور ہمارا ''دانشور''، ''اسکالر'' اور ''صاحبِ علم'' طبقہ تو محض مغرب کی طرف سے لگائے جانے والے انتہاء پسندی، دہشت گردی اور بنیاد پرستی جیسے الزامات کی تردید کرنے میں ہی مصروفِ عمل ہیں۔ اسے اسلامی نظامِ خلافت (جو کہ تمام مسائل کا مستقل حل ہے) کو سمجھنے اور اس کے قیام کے لیے عملی جدوجہد کرنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔

قوموں کا عروج وزوال اور وقت کا تقاضا

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اقوام کی زندگی، ترقی، عروج اور غلبہ ان کے اجتماعی نظام کے قیام سے ہے۔ جب ان کا اجتماعی نظام شکست وریخت کا شکار ہوتا ہے تو ان پر زوال آجاتا ہے اور ان کا وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ امتِ مسلمہ کی حیات اور ترقی وغلبہ کا راز ''اسلامی نظامِ خلافت'' میں مضمر ہے۔ آج اگر مسلمان اس راز کو سمجھ کر احیاءِ خلافت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہو جائے گی اور ایک نئی تاریخ رقم ہوگی۔ قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ اور زمانے کے انقلابات مسلمانوں کو دعوتِ عمل دے رہے ہیں۔

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فَافْهَمْ فَافْهَمْ

(حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

تمام امتِ مسلمہ عموماً اور علماءِ کرام پر خصوصاً یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کو زوال و پستی سے نکالنے اور اسلامی نظامِ خلافت کے قیام کے لئے قرآن وسنت پر انتہائی غور وفکر کر کے ایسا منہج اختیار کریں جو قرآن وسنت کے موافق اور وقت کے تقاضا کے مطابق ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اقامتِ

خلافت کے لئے اسوۂ نبوی ہمارے پاس مکمل وواضح موجود ہے جس پر ہر دور میں عمل کرنا ہمارے اوپر فرض ہے۔اقامتِ خلافت کے لئے اسوۂ نبوی کے علاوہ اور کوئی طریقہ کار نہیں ہے۔اگر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا تو وہ غیر شرعی اور غیر فطری ہوگا،جس سے منزل کا حصول ممکن نہیں ہے۔گزشتہ صدی عیسوی میں مسلم ممالک کی آزادی کے بعد مذکورہ ممالک میں احیاءِ اسلام کے لیے کئی طریقے اپنائے گئے ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی منزل کے حصول میں کارگر ثابت نہیں ہوا کیونکہ وہ طریقے قرآن و سنت کے موافق نہ تھے۔ایسے میں کیونکر اقامتِ خلافت کا مقصد حاصل ہوسکتا تھا۔

وقت کا تقاضا اوراس کی پکار یہ ہے کہ امتِ مسلمہ عموماً اور علماءِ کرام خصوصاً خوابِ غفلت سے بیدار ہوں۔اقامتِ خلافت کی اپنی ذمہ داری کو سمجھیں،اس کے لئے سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کریں۔آج کے سب سے بڑے معروف ''نظامِ خلافت'' کے امر اور سب سے بڑا منکر ''نظامہائے کفر'' ہیں یعنی احیاءِ خلافت کی نہی (یعنی نظامہائے باطلہ کو نیست ونابود کرنے) کے لئے عملی جدوجہد کریں۔اپنی جان، مال اور وقت اس کے لئے صرف کریں۔یادرہے کہ خلافت کا قیام امتِ مسلمہ کی حیات اوراس کا سقوط اور موجود نہ ہونا اس اُمت کی موت ہے نظامِ خلافت کے سقوط کے بعد سے آج تک مسلمان امت بے جان مردوں کی سی زندگی گزار رہی ہے۔جب تک امتِ مسلمہ اسے زندگی وموت کا مسئلہ سمجھ کر اس کے احیاء کے لئے جدوجہد نہیں کرتی اور عملی طور پر خلافت کا احیاء نہیں کرتی تب تک اس کے مسائل حل ہوسکتے ہیں اور نہ وہ زندہ اقوام کی طرح دنیا میں کوئی کردار ادا کرسکتی ہے۔لہٰذا امتِ مسلمہ کو خلافت کے احیاء کے ساتھ ہی زندگی ملے گی اوراسی سے وہ اپنے اسلاف کی روشن تاریخ کو دہرا سکے گی۔

احیاءِ خلافت کا ذمہ دار کون؟

جب اسلامی سلطنتیں اضمحلال وانحطاط کا شکار ہونے لگیں تو ہمارے اسلاف نے ان کی اصلاح اور بقا کے لئے حتی المقدور بھر پور جدوجہد کی، پھر جب آخر میں خلافتِ عثمانیہ کا سقوط ہوا تو ہمارے اکابر نے اس کے احیاء کے لئے ہر قسم کی قربانی دی۔ برصغیر میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ نے اپنی پیرانہ سالی اور بڑھاپے کے باوجود اسلامی نظام کے احیا کے لئے قائدانہ کردار ادا کیا،اپنے رفقاءسمیت برطانوی سامراج کے ظلم وستم کو صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کیا بلکہ مالٹا سے رہائی اور ہندوستان واپسی کے بعد زندگی کے آخری ایام کے باوجود آپ کے جوش و خروش میں اضافہ ہوگیا تھا۔

نظامِ اسلام کے شیدائیو! اب تک بہت وقت بیت چکا ہے، رات پہلے سے زیادہ تاریک ہو چکی ہے، ہمارے بے شمار اکابر واسلاف ''طلوعِ سحر'' کے نظارے کی آرزو دلوں میں لئے آخرت کو سدھار چکے ہیں اور اب تم ہی ان کے جانشین و وارث ہو۔

خدارا! اب تو خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ اسلاف کے مشن کو سنبھالو، جمہوری سیاست کے سحر سے نکلو اور امتِ مسلمہ کی ترقی وعروج اور دینی ودنیوی فلاح و بہبود کے ضامن ''نظامِ خلافت'' کے احیاء کے لئے اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپناؤ، نفسانی خواہشات اور فانی زندگی کی رنگینیوں سے آزاد ہو کر احیاء خلافت کو اپنا فریضہ یقین کرتے ہوئے امت مسلمہ کے لیے دردِ دل رکھنے والے مخلص، باصلاحیت، ذی استعداد اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے اپنا سب کچھ تج دینے والے افراد ایک مقصد، ایک نظریے اور ایک ہی منزل تک پہنچنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں اور احیاءِ خلافت کے لئے نبوی منہج کے اصولوں کی روشنی میں لائحہ عمل مرتب کر کے منزل کی جانب گامزن ہو جائیں۔

صد افسوس! آج امتِ مسلمہ احیاء خلافت کے اس فریضے کی حیثیت اور اہمیت کو فراموش کر چکی ہے اور نظامِ خلافت کے عملاً قائم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی فرضیت کا تصور ذہنوں سے مٹ چکا ہے۔

واحسرتا! دردِ دل کس سے کہیں اور شکوہ کس سے کریں کہ مسلمانوں کا باشعور، احکامِ شریعت اور اسلامی علوم سے واقف اور اس میں مہارتِ تامہ رکھنے والا طبقہ علماء بھی خوابِ غفلت میں مبتلا ہے، لشکر کا مقدمۃ الجیش ہی محوِ استراحت ہو تو لشکر کے مستقبل کا حال معلوم!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول بنا کر اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے کامل ومکمل دین اور نظامِ حیات ''قرآن کریم'' دے کر بھیجا ہے۔ اب قیامت تک اللہ تعالیٰ کا یہی منتخب کردہ دین اسلام ہی دنیا میں چلے گا۔ اس کے علاوہ انسانوں کا تخلیق کردہ اور بنایا ہوا کوئی نظام اور ازم نہ چلے گا۔ علماءِ کرام خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں جیسا کہ ارشادِ نبوت ہے:

'' اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاء .''

وارث اور جانشین ہونے کے ناطے علماء کرام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ دین اسلام کو علمی اور عملی طور پر دنیا میں قائم رکھیں جس طرح صحابہ کرام ؓ خصوصاً خلفائے راشدین نے جہاں دین اسلام کی تعلیمات یعنی قرآن وسنت کو علمی طور پر محفوظ کیا، اس کی اشاعت کی، اس کے ساتھ ان تعلیمات پر مشتمل نظامِ خلافت کو قائم رکھا۔ اسی طرح علماءِ کرام کا بھی یہ سب سے بڑا فریضہ ہے کہ وہ اسلامی علوم کے تحفظ اور

اشاعت کے ساتھ خارجی و حقیقی زندگی میں بھی اس کی عملی شکل یعنی اسلامی نظام کے قیام اور خلافت کے احیاء کے لئے عملی جدو جہد کریں۔ لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ اس عظیم مقصد یعنی غلبہ اسلام اور اظہارِ دین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی جانشینی و نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی جان، مال اور وقت قربان کر دیں جیسا کہ صحابہ کرامؓ خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے دین اسلام کی بقا اور اس کے تحفظ کے لئے ہر قسم کی قربانی دی۔

اے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثو! اٹھو، خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر منتشر اور بکھری ہوئی امتِ مسلمہ کو ایک مرکز پر جمع کرو، ایک مقصد اور مشن یعنی احیاءِ خلافت کے لئے اپنی صلاحیتیں اور استعدادیں صرف کرو، خواص و عوام کو ایک نظریے کے تحت اکٹھا کر کے، ان کی قیادت کرتے ہوئے قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دو۔

اے اسلاف کے جانشینو! ایک عرصے سے طاری جمود کو توڑ و اور ایک زمانے سے پھیلی ہوئی مایوسی و ناامیدی کو ترک کر دو، تمہارے اکابر نے سامراجی طاقتوں کے زمانہ اقتدار میں ان کے ظلم وستم کی پروانہ کرتے ہوئے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کیا اور جرأت و بہادری اور عزم و استقلال کی لازوال مثال قائم کی۔ آج تم بھی طاغوتی نظاموں کو نیست و نابود کرنے اور قرآنی نظامِ عدل کو قائم کرنے کے لئے ہمت و استقامت کے ساتھ آگے بڑھو اور دنیا کو یہ بتا دو کہ محمدی نظام کے رکھوالے زندہ ہیں، ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جانشین خلافتِ راشدہ کی تاریخ دہرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ابوعبیدہ بن الجراح اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام لیوا دنیا میں پرچم اسلام کو سر بلند کرنے کے لئے میدان میں کود پڑے ہیں۔

یاد رکھیں! قوموں پر زوال آیا ہی کرتے ہیں لیکن زندہ قومیں وہی ہوتی ہیں جو زوال سے سبق حاصل کر کے پھر عروج حاصل کرتی ہیں بقول حضرت زکی کیفی رحمہ اللہ ؎

اندھیرے رات میں کچھ دیر کو چھایا ہی کرتے ہیں
خزاں کے بعد دورِ فصلِ گل آتا ہے گلشن میں
چمن والو! خزاں میں پھول مرجھایا ہی کرتے ہیں
وہی ہیں مرد جن پر یاس کے سائے نہیں پڑتے
وہ بڑھ کر تند طوفان سے ٹکرایا ہی کرتے ہیں

اے چمنستانِ اسلام کے رکھوالو! اب دورِ خزاں ختم ہونے والا اور گلشن اسلام میں ''دورِ فصل گل''

آیا ہی چاہتا ہے۔اس لئے بقول حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

مسلمانو! اٹھو، باطل سے ٹکرانے کا وقت آیا
سرِ میدان تڑپنے اور تڑپانے کا وقت آیا
اٹھو فاروقِ اعظم کے جواں ، شہ زور فرزندو
بساطِ جنگ پر قوت سے چھا جانے کا وقت آیا
تمہارے بازوؤں میں جان ہے ، ایمان کی طاقت ہے
نہتے ہو کے بھی دشمن سے بھڑ جانے کا وقت آیا
فرنگی شاطروں نے ظلمتیں بانٹی ہیں دنیا میں
خدا کی سر زمین میں نور پھیلانے کا وقت آیا
نظامِ مصطفیٰ نافذ کریں گے، کر کے دَم لیں گے
نظامِ قیصر و کسریٰ کو ٹھکرانے کا وقت آیا

حصہ دوم

اسلامی نظامِ خلافت

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرۃ)

’’بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔‘‘

بابِ اوّل

تعریف خلافت

افراد سے اقوام بنتی ہیں اور اقوام کے اجتماع سے ایک اجتماعی وسیاسی نظام وجود میں آتا ہے جس سے متعلق مختلف مفکرین نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں جنہیں مختلف اصطلاحوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی طرح اسلامی نظام حیات میں حکومت وریاست کو تین اصطلاحوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلافت، امامت، امارت۔قرآن وسنت میں یہ تینوں اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔قرآن میں حکومت اور متعلقاتِ حکومت سے متعلق بیس سے زیادہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ امانت، وراثت، خلافت، امامت، ولایت، امارت، نعمت، عہد، رشد، عزت اور قوت وغیرہ۔ سب کا مفہوم ایک ہے یعنی ریاست وحکومت، لیکن ان میں سے تین اصطلاحیں خلافت، امامت اور امارت زیادہ معروف ہیں۔ جن کی لغوی واصطلاحی تعریف بیان کی جاتی ہے۔

امارت

لغوی معنی

امارت : ء،م، ر کے مادہ سے ہے۔علامہ ابن المنظور لکھتے ہیں:

امرہ بہ یامرہ امراً وامارًا فائتمر ای قبل امرہ : اس کو حکم دیا، حکم دیتا ہے پس اس نے اس کا حکم قبول کیا۔

والامیر: ذوالامر والا میر الأمر : امیر صاحب حکم، حکم دینے والا

امر الرجل یأمر امارۃً اذا صار علیھم امیراً : جب کوئی آدمی لوگوں پر امیر بن جائے تو کہتے ہیں: **امر الرجل یأمر امارۃً .**

التأمیر تولیۃ الامارۃ : امیر بنانا، (بادشاہت) کا ولی ہونا۔ **اَمِیرٌ مُؤَمَّرٌ مُمَلَّکٌ** : بادشاہ

المؤمر : المسلط . تَأَمَّرَ علیھم أيْ تَسَلَّطَ : مومر کا معنی ہے صاحب تسلط، **تأمر علیھم** کا مطلب ہے تسلط حاصل کیا۔

الامر: معروف، نقیض النھی : امر کا معنی معروف ہے جو کہ نہی کی ضد ہے۔

امراتہ بکذا امراً والجمع الاوامر : میں نے اس کو اس چیز کا حکم دیا۔ امر کی جمع اوامر ہے۔

الامر واحد الامور والامر الحادثه والجمع امور .[۱]

امر امور کا واحد ہے، امر کا معنی کام واقعہ اور اس کی جمع امور ہے۔

علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں: **اَلْاَمر ضدّ النَّھْی** : امر یعنی حکم نہی کی ضد ہے۔

له، علیّ اَمْرة : مطاعة : میرے اوپر اس کی اطاعت لازم ہے۔

الامیر الملِک : بادشاہ۔

اولو الامر الرؤسا والعلماء : اولوالأمر سے مراد رؤسا اور علماء ہیں۔[۲]

قرآن کریم میں صاحب امارت کو اولوالامر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے:

﴿ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ** ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحبِ حکم ہوں۔

اولوالامر کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، لیکن زیادہ راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد امراء اور حکام ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے۔ امام طبری نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ امام نوویؒ کے بقول جمہور کا قول یہی ہے۔[۳]

امام راغب لکھتے ہیں:

کل هذه الاقوال صحیحة ووجه ذلک ان اولی الامر الذین بهم یرتدع الناس اربعة الانبیاء وحکمهم علی ظاهر العامة والخاصة وعلی بواطنهم والولاة وحکمهم علی ظاهر الکافة دون باطنهم والحکماء وحکمهم علی باطن الخاصة دون الظاهر والوعظة و حکمهم علی بواطن العامة دون ظواهرهم.[۴]

''(اولوالامر کی تفسیر میں بیان کردہ) تمام اقوال صحیح ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولی الامر چار ہیں جن کی لوگ تشریح کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان کی حکومت عوام وخواص دونوں کے ظاہر اور باطن (دل) پر ہوتی ہے۔ والی کی حکمرانی، صرف ظاہر پر ہوتی ہے نہ کہ باطن پر۔ حکماء کی فرمانروائی خواص کے باطن پر ہوتی ہے نہ کہ ظاہر پر اور واعظین کی حکمرانی عوام کے باطن پر ہوتی ہے نہ کہ ان کے ظاہر پر۔''

حدیث نبوی ﷺ میں امیر کے الفاظ آئے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے:

" من اطاعنی فقد اطاعَ الله و من عصانی فقد عصی اللّٰہ و من اطاع امیری فقد اطاعنی و من عصیٰ امیری فقد عصانی ."[۵]

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ،جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

" یا عبدالرحمن لاتسا ءل الامارة ."[۶]

''اے عبدالرحمٰن !امارت کا سوال نہ کرو۔''

نبی اکرم ﷺ کے مبارک دور میں امیر کا لفظ استعمال ہوتا تھا،لیکن خلیفہ کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ سپہ سالار،شہر کے حاکم ،ملک کے والی وغیرہ کے لیے بھی بولا جاتا تھا،لیکن بعد میں خلیفہ کو امیر المؤمنین کہا جانے لگا اور یہ لقب سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب کو دیا گیا۔اس کے بعد خلیفہ کے لیے خاص ہو گیا۔یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن المنظور خلافت کی تعریف امارت سے کرتے ہیں۔

امامت

لغوی معنی

امامت : ء،م،م کے مادہ سے ہےاور یہ ام فعل کا مصدر ہے۔

ابن المنظور لکھتے ہیں:

امَّ القوم و اَمَّ بهم . تقد مهم وهی الامامة : قوم کے آگے ہونا،امام بننا اور یہی امامت ہے۔

قال ابن سیده : والامام من ائتُمّ به من رئیس وغیره والجمع آئمة وفی التنزیل العزیز ﴿ فَقَاتِلُوْا اَئِمّةَ الْکُفْرِ ﴾ ای قاتلو روسأ الکفر وقادتهم الذین ضعفائهم تبع لهم .[۷]

ابن سیدہ کہتے ہیں: امام وہ شخص ہے جس کی اقتدا کی جائے وہ سردار ہو یا کوئی دوسرا۔اس کی جمع آئمہ ہے۔قرآن میں ہے'' کفر کے ائمہ کو قتل کرو''یعنی کفر کے سرداروں اور قائدین کو کہ کمزور لوگ ان کے تابع ہیں قتل کرو۔

الامـــام : پیش امام،جس کی اقتدا کی جائے یعنی پیشوا،ڈوری جس سے معمار عمارت کی سیدھ قائم

کرتے ہیں۔نمونہ،واضح راستہ۔سبق جتنا ہر روز لڑکے پڑھیں۔قرآن،خلیفہ،امیرِ لشکر،مصلح اور منتظم۔

الامامة : خلافت و پیشوائی (۸)

الامامة : رياسة المسلمين و منصب الامام . (۹)

''امامت سے مراد مسلمانوں کی ریاست،امام کا منصب اور عہدہ ہے۔''

امام الراغب لکھتے ہیں:

الامام : المؤتم به انساناً كان يقتدى بقوله اوفعله او كتاباً او غير ذالک محقاً كان او مبطلاً و جمعه ائمة . (۱۰)

''امام وہ مقتدی انسان ہے جس کے قول یا فعل کی پیروی کی جائے یا کوئی کتاب وغیرہ ہو چاہے حق پر ہو یا باطل پر اور اس کی جمع آئمہ ہے۔''

علامہ ابن المنظور لکھتے ہیں:

الامام كل من أئتمّ به قوم كانو علىٰ الصراط المستقيم او كانو الضالين امام كل شئى قيمه و المصلح لهُ و القرآن امام المسلمين و سيدنا محمد رسول الله صلى عليه وسلم امام الائمة و الخليفة امام الرعية و امام الجند قائدهم . (۱۱)

''امام ہر وہ شخص ہے قوم جس کی پیروی و اقتداء کرے، چاہے وہ راہِ ہدایت پر ہو یا گمراہ ہو۔ ہر چیز کی نگرانی اور اس کی اصلاح کرنے والا، اس کا امام ہے۔قرآن مسلمانوں کا امام ہے،محمد رسول ﷺ اماموں کے امام ہیں،خلیفہ رعیت کا امام ہے اور لشکر کا امام ان کا قائد ہوتا ہے۔''

اسی مادہ سے امت ہے۔

الامة : جماعت،لوگوں کا گروہ،طریقہ،وقت،قد و قامت (۱۲)

علامہ ابن المنظور لکھتے ہیں:

الامة و الامة : الدين قال ابو اسحق فى قوله تعالىٰ : ﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْن ﴾ اي كانوا على دين واحدٍ قوله تعالىٰ : ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ ﴾ قال الاخفش يريد اهل امة اى خير اهل دين . (۱۳)

''امت سے مراد دین ہے۔ ابواسحاق اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (لوگ ایک امت تھے، پس اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ لوگ ایک دین پر تھے۔ ارشادِ ربانی ہے: ''تم بہترین امت ہو'' اخفش فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ تم اہل دین میں سے بہتر ہو۔''

شرعی معنی

امام ماوردیؒ امامت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدين وسياسة الدنيا به. (۱۴)

''امامت دین کی حفاظت کرنے اور اس کے ذریعے دنیاوی امور کی تدبیر اور نظم ونسق کرنے میں نبوت کی نیابت ہے۔''

امام الحرمین امامت کی درجِ ذیل تعریف کرتے ہیں:

الامامة رياسة تامة وزعامة عامة تتعلق بالخاصة والعامة فی مهمات الدين والدنيا . (۱۵)

''امامت مکمل ریاست (اختیار واقتدار) اور عمومی قیادت ہے جس کا تعلق دین ودنیا کے اہم امور میں خواص وعوام کے ساتھ ہے۔''

سید شریف جرجانی امام کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الامام الذی له' الرياسة العامة فی الدين والدنيا جميعاً . (۱۶)

''امام وہ ہے جسے دینی ودنیاوی دونوں امور میں عمومی حکمرانی حاصل ہو۔''

کتاب وسنت میں استعمال

قرآن میں واحد کے صیغہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

﴿ قَالَ إِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ إِمَاماً ﴾ [البقرة : ۱۲۴]

ترجمہ: فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔

امام طبری امام کی تفسیر کرتے ہیں۔

انی مصيرک للناس اماماً يؤتم ويقتدیٰ به . (۱۷)

''ہم نے تجھے لوگوں کا ایسا امام بنایا ہے کہ جس کی پیروی اور اقتداء کی جائے گی۔''

﴿ وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَاماً ﴾ [الفرقان : ۷۴]

ترجمہ: اور ہم کو متقیوں کا امام بنادے۔

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" الامام الا عظم الذی علی الناس راعٍ وھو مسؤل عن رعیته. "(۱۸)

''امام اعظم (خلیفہ) عوام الناس پر نگران ونگہبان ہے اور وہ اپنے ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہے۔''

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

الائمة من قریش .(۱۹)

''آئمہ قریش سے ہوں گے۔''

ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامِ عادل کے متعلق فرمایا:

الامام العادل لاتردّ دعوته .(۲۰)

''منصف امام کی دعا ردّ نہیں کی جاتی۔''

خلافت

اسلامی حکومت کو خلافت بھی کہا جاتا ہے اور زیادہ استعمال اسی کا ہے۔

لغوی تعریف

علامہ ابن المنظور لکھتے ہیں:

خلف فلانٌ فلانا اذا کان خلیفته یقال : خلفه فی قومهِ خلافة وفی التنزیل العزیز ﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هٰرُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي ﴾ .

فلاں فلاں کے پیچھے آیا جب وہ اس کا قائم مقام ہو۔ کہا جاتا ہے ''وہ قوم میں اس کا قائم مقام ہوا۔'' قرآن کریم میں ہے: ''موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم قوم میں میرے قائم مقام بن جاؤ۔'' کہا جاتا ہے ''میں نے فلاں کو جانشین بنایا۔ میں نے اسے اپنا جانشین بنایا۔ اس نے اسے جانشین بنایا۔''

الخلیفة : الذی یستخلف ممن قبله والجمع خلائف .(۲۱)

''خلیفہ وہ شخص ہے جو اپنے سے پہلے آدمی کے پیچھے آئے۔ اس کی جمع خلائف۔''

علامہ ابن المنظور آگے لکھتے ہیں:

قال الزجاج جاز ان يقال للائمة خلفاء الله فى الارض بقوله عزوجل : ﴿ يٰا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ ﴾ وقال غيره الخليفة السطان الاعظم . (۲۲)

''زجاج کہتے ہیں کہ آئمہ کو زمین اللہ کے خلیفے کہنا جائز ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:''اے دواد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔'' زجاج کے علاوہ دیگر کا کہنا ہے کہ خلیفہ سے مراد بڑا بادشاہ ہے۔''

الخلافة : امارت، قائم مقامی ۔امامت۔

الخليفة : جانشین، قائم مقام، بڑا بادشاہ جمع خلفاء وخلائف۔ (۲۳)

امام راغب لکھتے ہیں:

والخلافة النيابة عن الغير اما لغيبة المنوب عنه واماّ لموته لعجزه واما تشريف المتخلف وعلى هذا الوجه الاخير استخلف الله اولياء فى الارض . (۲۴)

''خلافت دوسرے کی جانشینی ہے اس کی غیر موجودگی کی بنا پر یا اس کی موت کے سبب اس کے (معاملات کو سنبھالنے سے) عاجز ہونے کی بنا پر یا نائب بننے والے کو شرف دینے کی بنا پر۔آخری وجہ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو زمین میں جانشین بنایا ہے۔''

خلافت کی شرعی تعریف

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امارت، امامت، خلافت کا ایک ہی معنی ومفہوم ہے اور یہ اصطلاحات قرآن وسنت میں ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوئی ہیں۔ (جیسا کہ مذکورہ ہو چکا ہے) ان کے معانی مختلف نہیں ہیں، لہٰذا ان کی لفظی پابندی ضروری نہیں بلکہ مفہوم کی پابندی لازم ہے۔اسلامی ریاست ومملکت جسے امامت وخلافت کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، کی تعریف درجِ ذیل ہے:

علامہ تفتازانی امامت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

وهى رياسة عامة فى امر الدين والدنيا خلافة عن النبي صلى الله عليه وسلم واحكامه فى الفروع . (۲۵)

امامت دینی ودنیاوی معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور فروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی جانشینی اختیار کرتے ہوئے عمومی اختیار واقتدار ہے۔''

علامہ نسفی لکھتے ہیں:

" نیابة عن الرسول علیه السلام فی اقامة الدین بحیث یجب علی کافة الامم الاتباع . "(۲۶)

''دین کے قائم کرنے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانشینی ہے اس طرح کہ تمام اقوام پر (خلیفہ کی) اتباع فرض ہے۔''

امام الماوردی لکھتے ہیں:

" الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا به. "(۲۷)

''امامت دین کی حفاظت کرنے اور اس کے ذریعے دنیاوی امور کی تدبیر اور نظم ونسق کرنے میں نبوت کی نیابت ہے۔''

امام الحرمین کے نزدیک خلافت کی تعریف درجِ ذیل ہے:

الامامة ریاسة تامة وزعامة عامة تتعلق بالخاصة والعامة فی مهمات الدین والدنیا .(۲۸)

''امامت مکمل ریاست اور عمومی قیادت ہے جس کا اہم دینی اور دنیاوی امور میں خواص وعوام سے تعلق ہے۔''

علامہ قلقشندی لکھتے ہیں:

الولایة العامة علیٰ کافة الامة والقیام بامورها والنهوض باعبائها .(۲۹)

''خلافت تمام امت پر ولایت عامہ، اس کے امور کو سرانجام دینا اور اس کی ذمہ داریوں کو اٹھانا ہے۔''

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

فهی فی الحقیقة خلافة عن صاحب الشرع فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا به .(۳۰)

''درحقیقت خلافت دین کی حفاظت کرنے اور اس کے ذریعے دنیوی امور کی تدبیر اور نظم ونسق کرنے میں صاحبِ شریعت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نیابت اور جانشینی کا نام ہے۔''

حضرت شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں:

''باید دانست کہ ریاست دریں مقام عبارت است از تربیت بندگانِ الٰہی بر قانونِ معاش ومعاد بطریقِ امامت وحکومت'' (۳۱)

''یعنی سیاست سے مراد بندگان الٰہی کی اصلاحِ معاش ومعاد کے قوانین پر امامت وحکومت کے طریق سے تربیت کرنا ہے۔''

سب سے جامع ومانع تعریف حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کی ہے، فرماتے ہیں:

الخلافة هي الرياسة العامة في التصدى لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطاء هم من الفئ والقيام بالقضاءِ واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابةً عن النبي صلى الله عليه وسلم . (۳۲)

''خلافت عامہ وہ ریاست عامہ ہے جو نبی ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے عملاً اقامت دین کے لئے حاصل ہوئی ہو یعنی علوم دینیہ کا احیاء، ارکانِ اسلام کی اقامت، جہاد او رمتعلقاتِ جہاد کا قیام جیسے افواج کی ترتیب، مجاہدین کو وظائف دینا، مالِ غنیمت کی تقسیم، نظامِ قضاء کا قیام، حدود کا اجراء، مظالم کو دور کرنا اور **الامر بالمعروف والنهي عن المنكر** .''

حضرت شاہ صاحب مذکورہ تعریف میں ذکر کردہ قیود کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ریاست عامہ کے لفظ سے وہ لوگ جن کو ریاست عامہ حاصل نہیں ہے، خارج ہو جاتے ہیں۔ علماء، قاضی، فوجی افسران، خطباء وواعظین۔ اقامت دین کی قید سے وہ جابر وظالم بادشاہ خارج ہو جاتے ہیں جو ملک پر غلبہ وتسلط حاصل کر کے غیر شروع طریقہ سے خراج وصول کرتے ہیں۔ بالتصدی کی قید سے وہ شخص خارج ہو جاتا ہے جو اقامت دین کا اہل ہو لیکن بالفعل یعنی عملاً ان امور کو سرانجام نہ دے اور نہ اس کو فتح وغلبہ حاصل ہو جیسے پوشیدہ اور غیر غالب امام جیسے اہلِ تشیع کے نزدیک امام مہدی۔ نیابت عن النبی ﷺ کی قید سے انبیاء علیہم السلام خارج ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ نبی تھے نہ کہ نائبِ نبی اور داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ تھے اور بحث خلیفہ الرسول ﷺ کے بارے میں ہے۔

دوسرے مقام پر حضرت شاہ صاحب خلافت کی تعریف کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں:

''خلافت بمعنیٰ جانشینی است وآں درعرف شرع راجع است بتصدی اقامت امورے کہ پیغامبر ﷺ برائے اقامت آں مبعوث بود۔''[۳۳]

''خلافت کے معنیٰ جانشینی ہے اور عرفِ شرح میں اس سے مراد ''ان امور کو عملاً قائم کرنا جن کے قائم کرنے کے لیے پیغمبر ﷺ مبعوث ہوئے۔''

امام وخلیفہ وامیر المؤمنین مترادف الفاظ ہیں

جس طرح خلافت، امامت اور امارت مترادف المعنی ہیں، اسی طرح امام، خلیفہ اور امیر المؤمنین بھی مترادف المعنی ہیں۔ وہ احادیث جو امام وخلیفۃ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں ان کے معنیٰ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، اس لیے منصبِ خلافت پر فائز شخص کو خلیفہ، امام اور امیر المؤمنین کہنا جائز ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

'' یجوز ان یقال للامام الخلیفة والامام وامیر المؤمنین ''[۳۴]

''امام کو خلیفہ، امام اور امیر المؤمنین کہنا جائز ہے۔''

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:

'' واذ قد بینا حقیقة هذا المنصب وانه نیابة عن صاحب الشریعة فی حفظ الدین وسیاسة الدنیا به تسمی خلافة وامامة والقائم به خلیفة وامام . ''[۳۵]

''جب ہم اس منصب کی حقیقت بیان کر چکے ہیں اور وہ یہ کہ یہ منصب دینی امور کی حفاظت اور دنیاوی امور کی سیاست میں صاحبِ شریعت کی نیابت ہے پس اسے خلافت اور امامت کہتے ہیں اور اس منصب پر فائز خلیفہ اور امام ہے۔''

علامہ ابن خلدون امام اور خلیفہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فامّا تسمیته' اماماً فتشبیهاً بامام الصلوٰة فی اتباعه والاقتداء به ولهذا یقال الامامة الکبریٰ وامّا تسمیته خلیفةً فلکونه یخلف النبي فی امته فیقال خلیفة باطلاق وخلیفة رسول الله .[۳۶]

''امام کو امام اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اتباع اور اقتداء میں امامِ صلوٰۃ کے مشابہ ہے، اس لیے (اس منصب کو) امامتِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ خلیفہ کو خلیفہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ امت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہوتا ہے پس اسے مطلقاً خلیفہ اور خلیفۃ الرسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔''

خلیفہ کس کا خلیفہ ہوتا ہے؟

جب خلافت کا معنی نیابت اور جانشینی ہے تو اسلامی ریاست کا سربراہ کس کا خلیفہ ہوتا ہے؟ اس کے متعلق تین مسلک ہیں:

پہلا مسلک یہ ہے کہ خلافت اللہ تعالیٰ کی نیابت ہے اور خلیفہ کو خلیفہ اللہ کہنا صحیح ہے۔ اس لیے کہ وہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نافذ کرتا ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ﴾ (الانعام: ۱۶۵)

جمہور فقہاء خلیفہ کو خلیفۃ اللہ کہنے سے منع کرتے ہیں۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

ینبغی ان لایقال من یتولی بامر المسلمین خلیفة اللّٰه .[۳۷]

''مسلمانوں کے امور کے منتظم کو اللہ کا خلیفہ کہنا مناسب نہیں ہے۔''

اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت الصدیق کو کہا گیا یا خلیفة اللّٰه (اے اللہ کے خلیفہ) تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

لست بخلیفة اللّٰه ولکنّی خلیفة رسول صلی اللہ علیہ وسلم.

''میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ نہیں بلکہ میں تو رسول ﷺ کا خلیفہ ہوں۔''

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کسی آدمی نے "یا خلیفة اللّٰه "(اے اللہ کے خلیفہ) کہا تو انہوں نے فرمایا:

وَیلَکَ لَقَد تناولت متَنَا وِلاً بعیداً اِنّ امّی سمنتنی عمر فلو دعوتنی بھذا الاسم قبلت ثم کبرت فکنیت ابا حفص فلو دعوتنی به قبلت ثم ولّیتمُونی امور کم فسمیتمونی امیر المومنین فلود عو تنی بذالک کفاکَ .[۳۸]

''تمہارے لیے خرابی ہو، تو نے ایک دور کی بات کی ہے۔ میری ماں نے میرا نام عمر رکھا ہے۔ اگر تم اسی نام سے پکارتے تو مجھے یہ بات قبول تھی، پھر میں بڑا ہوا تو میری کنیت ابو حفص ہوئی، اگر تم اس سے بلاتے تو مجھے یہ بات قبول تھی، پھر تم (مسلمانوں) نے مجھے اپنے (اجتماعی) امور کا متولی بنایا تو تم مجھے امیر المؤمنین کہنے لگے پس اگر تم اسی کے ساتھ بلاتے تو یہی تمہارے لیے کافی تھا۔''

دوسرا مسلک یہ ہے کہ خلافت رسول ﷺ کی نیابت ہے اور خلیفہ کو خلیفۃ الرسول ﷺ کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ امت میں ان کا جانشین ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے خلیفہ اللہ کہلوانے سے انکار کر دیا اور ان کو خلیفہ رسول ﷺ کہا جاتا تھا۔

تیسرا مسلک یہ ہے کہ خلافت پہلے خلیفہ کی جانشینی ہے، کہا جاتا ہے کہ ''فلاں فلاں کا خلیفہ ہے'' یعنی یکے بعد دیگرے ایک خلیفہ پہلے خلیفہ کا جانشین ہے اور یہ سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق تک پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو ابتداءِ خلافت میں ''خلیفة خليفة رسول صلى الله عليه وسلم'' (رسول اللہ کے خلیفہ کا خلیفہ) کہا جاتا تھا۔[۳۹]

فقہاء نے خلافت کی تعریف میں دوسرا مسلک یعنی خلیفہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہوتا ہے، کو اختیار کیا ہے جیسا کہ خلافت کی تعریف میں امام ماوردیؒ، امام نسفیؒ، علامہ ابن خلدونؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے اقوال نقل کیے جا چکے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے چنانچہ امیر المؤمنین بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی خلیفہ ہے۔

اقسامِ خلافت

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ زمانے اور صفات کے لحاظ سے خلافت کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کے بعد خیر القرون کی خلافت کو خلافتِ خاصہ اور مطلق خلافت کو خلافتِ عامہ سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی خلافتِ خاصہ ایک خاص زمانے اور خاص لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

خلافت عامہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''معنے خلافت باعتبار لغت جانشینی است کہ یکی بجائے دیگرے بنشیند و بہ نیابت او کار کند و در شرع مراد از وے بادشاہی است برائے تصدی اقامت دین محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات) بہ نیابت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔''[۴۰]

''باعتبار لغت خلافت کے معنے ہیں ''جانشینی'' کہ ایک شخص دوسرے کی جگہ بیٹھ جائے اور اس کا نائب بن کر کام کرے اور شریعت میں اس سے مراد ایسی بادشاہی ہے جو آنحضرت ﷺ کی نیابت کے طور پر اقامت دین محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کی انجام دہی

کے لیے ہوا۔"

خلافتِ خاصہ، عامہ کی طرف کس طرح منتقل ہوتی ہے

خلافتِ خاصہ کی خاص شرائط اور اوصاف ہیں اور وہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ خاصہ سے عامہ کی طرف منتقل ہوتی جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

قولہ وان اللّٰہ لم یکن لیضیع دینه هٰذا فیما ارٰی فی الخلافة الخاصة فقط والا ففی ایام الخلافة العامة قال قد اقترب زمان قیل الامناء الخ قوله ان اقواماً سیطعنون فی هٰذا الامر ، هٰذا فیما ارٰی اشارة الیٰ انتقال الخلافة الخاصة الی العامة وان یتصدی لها مَن لَیس من المهاجرین الاوّلین . (۴۱)

"حضرت عمرؓ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضائع نہ کرے گا، میرے نزدیک اس میں صرف خلافت خاصہ کی طرف اشارہ ہے (یعنی خلافت خاصہ کے زمانہ میں دینی امور کے اجراء میں کسی طرح کا نقص نہ آنے پائے گا) ورنہ خلافتِ عامہ کے متعلق تو خود حضرت عمرؓ نے فرمادیا ہے کہ وہ زمانہ قریب آ گیا ہے کہ جس میں امانت دار کم ہوں گے الیٰ آخرہ اور حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ لوگ اس کام میں طعن کریں گے میرے نزدیک خلافتِ خاصہ کے خلافت عامہ کی طرف منتقل ہو جانے کا اشارہ ہے اور یہ کہ اس (خلافتِ خاصہ) کے لیے ایسے لوگ منتخب ہوں گے جو مہاجرین اولین سے نہ ہوں گے۔"

خلافتِ خاصہ کے اوصاف سے متعلق تین نکات

نکتہ اوّل

"پس خلافت خاصہ آں کہ ایں شخص چنانچہ درظاہر حال رئیس مسلمین شود بحسب وضع طبیعی کہ مراتب استعدادات افراد بنی آدم است درصفا وعلوفطرت الامثل فالامثل نیز رئیس امت باشدتا ریاست ظاہر ہم دوش ریاست باطن گردد وایں جماعت کہ بوضع طبیعی خلفائے انبیاء اند در شریعت مسمی اند بصدیقین وشہداء وصالحین۔" (۴۲)

"پس خلافتِ خاصہ وہ ہے کہ یہ شخص (یعنی خلیفہ) جس طرح ظاہر میں مسلمانوں کا رئیس ہے (اسی طرح) طبعی وضع کے اعتبار سے (یعنی صفائی اور عالی فطرتی استعداد جس کے مراتب ہر انسان میں مختلف ہوتے ہیں کسی میں کم کسی میں زیادہ ان مراتب کے لحاظ

سے) بھی امت کا رئیس ہو (یعنی ان صلاحیتوں میں وہ سب سے فائق ہو) تاکہ ظاہری ریاست باطنی ریاست کے ساتھ مل جائے اور جو لوگ طبعی وضع کے اعتبار سے انبیاء (علیہم السلام) کے خلیفہ ہیں وہ شریعت میں صدیقین اور شہداء اور صالحین کے لقب سے ملقب کیئے گئے ہیں۔''

نکتہ دوم

''پس خلافت خاصہ آنست کہ از خلیفہ کار ہائے کہ نصیب آنحضرت ﷺ ومنسوب بایشان ست در قرآن عظیم قدسی بدست وے سرانجام شود وآنحضرت ﷺ انابت اوراتصریحاً وتلویحاً مرات کثیرہ اظہار فرمودہ باشند تاہمہ کارہاء درجرائد اعمال حضرت پیغامبر ﷺ مرقوم گردد وایشاں شرف وساطت حاصل نمودہ باشند۔''(۴۳)

''دوسرا نکتہ یہ ہے کہ پس خلافت خاصہ یہ ہے کہ خلیفہ سے وہ کام سرانجام پائیں جو قرآن عظیم اور حدیثِ قدسی میں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں اور نیز آپ نے اسی خلیفہ کو بہت مرتبہ صراحتاً اور کنایۃً ظاہر فرما دیا ہو تاکہ تمام کام (جو خلیفہ) کے ذریعے سے انجام پائیں (وہ سب) حضرت پیغمبر ﷺ کے کارنامہ میں درج ہوں اور خلفاء نے صرف وسیلہ اور ذریعہ ہونے کا شرف حاصل کیا ہو نہ کہ کچھ اور۔''

نکتہ سوم

''آنکہ خلافت امر خطیر است ونفوس آدم مجبول براتباع ہوا وشیطان در بنی آدم جاری است مجرے الدم، چوں خلافت بہ رائے شخص مستقر شود احتمال دارد کہ جور پیش گیرد ودر مقاصد خلافت تہاون صریح بعمل آرد وضرر ایں خلیفہ درامت مرحومہ اشد باشد از ضرر ترک استخلاف وی''(۴۴)

''تیسرا نکتہ یہ ہے کہ خلافت ایک بڑا کام ہے اور بنی آدم کے نفوس میں خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی جبلی طور پر پیدا کی گئی ہے اور انسان کے اندر شیطان مثل خون کے سرایت کیئے ہوئے ہے لہٰذا اگر خلافت رائے سے قائم ہو تو (اس کی نسبت) یہ احتمال ہے کہ خلیفہ ظلم اختیار کرے اور خلافت کے مقاصد (پورا کرنے) میں سستی سی کام لے اور یہ واضح ہے کہ ایسے خلیفہ کا ضرر امت مرحومہ کے لیے اس کے نہ ہونے کے ضرر سے بھی زیادہ شدید ہے۔''

خلافتِ خاصہ کے لوازم

حضرت شاہ ولی اللہؒ خلیفہ خاص کے لیے کچھ چیزیں لازم قرار دیتے ہیں، جن کا خلیفہ خاص میں ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو، حاضرین حدیبیہ میں سے، حاضرین نزول سورۃ نور میں سے ہو، بدر و تبوک اور دوسرے مشاہد عظیمہ (غزوات) میں حاضر ہوا ہو جن کی عظمت شان اور جن کے حاضرین کے لیے وعدۂ جنت ہو، خلیفہ بہشت کی بشارت پاچکا ہو، خلیفہ کی نسبت رسول ﷺ نے نص فرما دی ہو کہ وہ امت کے اعلیٰ طبقہ سے ہے۔ یعنی صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے ہو۔ محدث بھی صدیق کا ہم رتبہ ہے اور ایک اعتبار سے محدث، صدیق کی تعریف میں داخل ہے، رسول ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں خلیفہ کے ساتھ قولاً وفعلاً ایسا برتاؤ کیا ہو جیسے بادشاہ ولی عہد کے ساتھ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے جو وعدے فرمائے ہوں ان میں بعض اس خلیفہ کے ہاتھوں پورے ہوں، خلافتِ خاصہ کی یہ علامت خلافت کے انعقاد کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ خلافت سے قبل ظاہر نہیں ہوتی، وغیرہا۔''(۴۵)

خلیفۂ خاص کے افعال وصفات کی اقسام

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک خلیفۂ خاص کے لیے تین قسم کے افعال وصفات کا ہونا ضروری ہے۔ پہلی قسم کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے۔ باقی دو اقسام کا تعلق اس کے افعال سے ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''قسم اوّل حسن عبادات بینہ و بین اللہ وحسن معاملات باخلق اللہ۔ قسم دوم اعانت حضرت پیغمبر ﷺ در جہاد اعداء اللہ واعلا کلمۃ اللہ۔ قسم سوم افعالے کہ بعد آنجناب ﷺ بظہور آید از قبیل تتمیم افعال جناب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام مثل برہم زدن ملت کسریٰ وقیصر وفتح بلدان ونشر علم و مانند آں''(۴۶)

''پہلی قسم یہ ہے کہ جو معاملات اس کے اور اللہ کے درمیان ہیں اور جو معاملات اس کے اور مخلوق الٰہی کے درمیان میں ہیں، اچھے ہوں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کی اعانت دشمنانِ خدا سے جہاد کرنے میں اور کلمہ الٰہی کے بلند کرنے میں کی ہو۔ تیسری قسم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اس سے وہ افعال صادر ہوں جو جناب نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ سے ہوئے تھے وہ وعدے ان افعال سے پورے ہوں۔ مثلاً ملت کسریٰ وقیصر کے برہم کردینے کا اور ممالک کے فتح ہوجانے کا اور علم دین کے شائع ہونے کا اور اسی کے مثل دوسری چیزوں کا وعدہ (جو آنحضرت ﷺ سے تھا یہ وعدے اس خلیفہ کے ہاتھ سے پورے ہوں)

خلیفۂ خاص کی تین صفاتِ نفسانیہ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ خلیفۂ خاص کے منصب پر فائز شخص میں تین طرح کی ذاتی صفات کا ہونا لازم ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''قسم اول بودن شخص از سابقین ومقربین۔ خدائے تعالےٰ مسلمین را سہ قسم ساخت وقال عزوجل:

﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ﴾

وقسم دوم علم بحکمت وباحکام اللہ بوجہے کہ نائب پیغامبر ﷺ در تبلیغ شرائع وحکم تواند شد وقسم سوم اتصاف بحزم وامورے کہ ریاست عالم بآں میسّر آید از شجاعت وکفایت ومرتبہ شناسی رعیت ورفق درتدبیر وغیر آں۔'' (۴۷)

''قسم اوّل یہ کہ سابقین اور مقربین میں سے ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ ﴾ الآية . (ترجمہ) پھر ہم نے وراث بنایا کتاب (آسمانی) کا ان لوگوں کو جنہیں برگزیدہ کیا ہم نے اپنے بندوں میں سے تو ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور بعض لوگ درمیانی حالت میں ہیں اور بعض لوگ نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ قسم دوم، حکمت اور احکامِ الٰہی کا اس طور پر جاننا کہ شریعت وحکمت کی تبلیغ میں پیغمبر ﷺ کا نائب بن سکے۔ قسم سوم، حزم کی صفت اور نیز ان تمام اوصاف کے ساتھ موصوف ہونا جن سے عالم کی سرداری حاصل ہوتی ہے، جیسے: شجاعت وکفایت ومردم شناسی وخوش تدبیری وغیرہ۔''

خلافتِ خاصہ سے مقصود خلافتِ مطلقہ

خلافت خواہ خاصہ ہو یا عامہ اصل مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعتِ مطہرہ کا عملاً

نفاذ ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''مقصود از خلافت خاصہ خلافت مطلقہ است باعتبار جمیع انچہ از پیغامبر صادر می شد از جہت پیغامبری۔''(۴۸)

''خلافتِ خاصہ سے مقصود خلافتِ مطلقہ ہے باعتبار ان تمام چیزوں کے جو پیغمبری کی حیثیت سے پیغمبرؐ سے صادر ہوتی تھیں۔''

خلافتِ خاصہ نمونہ نبوت بقیہ ایامِ نبوت

''معنی حقیقت خلافتِ خاصہ وقتی واضح گردد کہ حقیقت تشریع را اوّلاً دانستہ شود بعد از اں حقیقتِ نبوۃ راز یرا کہ خلافت خاصہ نمونہ نبوت است وتشبہّ است باو۔'' (۴۹)

''اور خلافتِ خاصہّ کے معنی اس وقت واضح ہوں گے جب کہ پہلے تشریع کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے، اس کے بعد نبوت حقیقت کو۔ کیونکہ ''خلافتِ خاصہ'' نبوت کا نمونہ اور اس کے ساتھ مشابہ ہے۔''

پورے جزیرۂ عرب پر اسلامی نظام کے عملی نفاذ کے بعد آپ ﷺ کا رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال ہوا تو آپ کے جانشین اور خلفاء نے اظہارِ دین اور غلبۂ اسلام کے آپ کے مشن کو پورا کیا۔ گویا خلافت ِراشدہ کا زمانہ بھی زمانۂ نبوت کا آخری حصہ ہے۔ حضرت دہلویؒ اس کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''ارادۂ الٰہی نفس پیغامبر را حرکت داد وبعض کارہا بوجود آورد وکارہائے دیگر ہنوز ناتمام بود کہ حکمت الٰہی پیغامبر را از عالم ادنیٰ بہ رفیق اعلیٰ رسانید آنحضرت ﷺ وسلم بخوے از تسبب اتمام آں را بخود نسب گردانیدند وصورت آں کارہا بخلفاء راجع گشت وایام خلافت بحقیقت ایام نبوت بود لیکن وحی از آسمان فرود نمی آمد۔''(۵۰)

''ارادہ الٰہی نے (بگولے کی طرح) پیغمبرؐ کے نفس کو (مثل اس غبار کے) حرکت دی اور بعض کام (مثل اس گنبد کے) وجود میں لایا مگر دوسرے کام (مثل اس گنبد کے محکم و مضبوط کرنے کے) ابھی ناتمام تھے کہ حکمت الٰہی نے پیغمبر کو عالمِ ادنیٰ سے رفیق اعلیٰ کی طرف پہنچایا (اب اس گنبد کی درستی و مضبوطی خلفاء کے ہاتھ سے ہوئی) آنحضرت ﷺ نے ان کاموں کو (جو خلفاء کے ہاتھ سے ہوئے) بوجہ اس کے کہ آپ ایک طرح پر ان کاموں کے سبب تھے اپنی طرف منسوب فرمایا اور ظاہر میں وہ کام خلفاء کے قرار پائے اور دراصل (ان خلفاء کا) زمانہ خلافت (تتمہ) زمانہ نبوت تھا، لیکن (فرق صرف یہ تھا کہ) آسمان سے

وحی نہ آتی تھی۔''

اسی طرح دوسرے مقام پر واضح اور صریح الفاظ میں لکھتے ہیں:

''ایام خلافت بقیۂ ایام نبوت بودہ است۔''(۵۱)

''(خلفائے راشدین کی) خلافت کا زمانہ بقیہ نبوت تھا۔''

خلافتِ ظاہرہ و باطنہ

خلافت کے دو پہلو ہیں، ظاہر و باطن۔ظاہر تو یہ ہے کہ دین اسلام اور شریعتِ محمدیہ کے نفاذ کے لیے قوت واقتدار حاصل ہو، باطن یہ ہے کہ خلیفہ کو پیغمبر اسلام کی صفات کے ساتھ مشابہت حاصل ہو، الغرض خلیفہ کو ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے کامل ہونا چاہیے۔حضرت دہلویؒ اس کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

''خلافت ظہرے دار دوبطنے ظہر خلافت سلطنت وفرمانروائی است برائے اقامت دین وبطن آن تشبّہ است باپیغامبر دراوصافے کہ بہ پیغامبری تعلق دارد...... لابد صورت خلیفہ میباید کہ موافق باشد باصورت پیغامبر اگر پیغامبر بادشاہ است، خلیفہ لامحالہ بادشاہ خواہد بود اگر حُبر است وزاہد لابد خلیفہ بہمان صفت خواہد بود در پیغامبر۔''(۵۲)

''خلافت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔خلافت کا ظاہر اقامت دین کے لیے سلطنت اور فرمانروائی ہے اور اس کا باطن پیغمبر کے ساتھ ان اوصاف میں تشبّہ ہے جو کہ پیغمبری سے تعلق رکھتے ہیں۔پس نبوت تو (جیسا کہ ابھی لکھا جاچکا ہے) یہ ہے کہ ارادہ الٰہیہ عالم کی بھلائی اور مفسدین وکفار کی سرکوبی اور افعال واقوال پیغمبر کے ضمن میں ترویج شریعت سے متعلق ہو جائے اور خلافت یہ ہے کہ ارادہ الٰہیہ افعال پیغمبر کی تکمیل اور اقوال پیغمبر کے منضبط کرنے اور اس کے نور کی اشاعت اور دین کے غلبہ سے متعلق ہو (اس کا ظہور ہوگا) خلافت (یعنی نیابت) پیغمبر کے لیے اس کی امت میں سے کسی شخص کے قیام کے ضمن میں اور دین پیغمبر کو بالاتر کرنے کا عزم راسخ ایسے شخص کے دل میں ڈال دیں اور وہاں سے اس کا انعکاس (یعنی اس کا اثر) تمام امت پر پہنچے اور یہ عزیز (شخص) قوتِ عاقلہ اور قوتِ عاملہ میں نفس پیغمبر کے ساتھ خاص نسبت رکھتا ہوگا اس لیے مُحَدَّث (ملہم) ہوگا اور اس کی فراست وحی کے موافق پڑے اور بہت قسم کی کرامتیں اور مقامات جن سے اس کے نفس کا کام باعتبار

قوتِ عاملہ کے پہچانا جاسکے اس کے نفس کا کمال باعتبار قوتِ عاملہ کے پہچانا جاسکے اس عزیز میں موجود ہوں گی اس لیے لازمی طور پر یہ ہونا چاہے کہ خلیفہ کی صورت موافق ہو پیغمبر صورت کے۔ پیغمبر اگر بادشاہ ہے تو خلیفہ بھی ضرور بادشاہ ہوگا۔ اگر متبحر عالم اور زاہد ہے تو ضروری ہے کہ خلیفہ بھی اسی صفت پر ہوگا۔''

خلافتِ خاصہ وعامہ کا اصل الاصول

خلافت کے قیام سے اصل مقصود یہ ہے کہ خلافت کے مقاصد حاصل ہو جائیں۔ جب مقاصد حاصل ہو گئے تو اب قیامِ خلافت کے ذرائع اور طریقوں سے بحث کرنا بے جا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''باز مکملات ومقدمات قیام بخلافت خاصہ بسیار است اصل مقصود مقاصد خلافت است نہ طرق موصلہ بآں چوں مقاصد خلافت حاصل گشت بمقدمات ومکملات نتواں پر داخت۔''(۵۳)

''پھر (یہ بھی سمجھ لو کہ) خلافت خاصہ (کے فرائض) کی سرانجام دہی جن امور پر موقوف ہے اور جو اموراس کو کامل کرنے والے ہیں بہت ہیں۔ اصل مقصود مقاصد خلافت (کا حاصل ہو جانا) ہے نہ ان طریقوں کا بیان کرنا جن سے وہ مقاصد حاصل ہوں جب مقاصد کسی خلیفہ سے حاصل ہو جائیں تو ان مقاصد کی تحصیل وتکمیل کے ذرائع پر بحث نہ کرنی چاہیے۔''

خلافتِ عامہ کی دو قسمیں

خلافتِ راشدہ وجابرہ

جب ریاست میں دین اسلام کا عملاً نفاذ کیا جائے تو وہ خلافتِ راشدہ کہلائے گی اس کے برعکس اگر تمام احکامِ شریعت کا اجرا نہ کیا جائے تو وہ سلطنت جابرہ ہوگی، چنانچہ حضرت دہلویؒ فرماتے ہیں:

''خلافت راچون بوصف راشدہ مقید کنیم معنیش آن باشد کہ نیابت پیغامبر ﷺ درکار رہائی کہ پیغامبر ﷺ بنا بر وصف پیغمبری ﷺ میکر دنداز اقامت دین و جہد اعداء اللہ وامضائے حدود اللہ واحیاء علوم دینیہ واقامت ارکان اسلام وقیام بقضاء وافتا۔ وآنچہ باین قبیل

تعلق دارد بوجہے کہ از عہدۂ ماوجب برآید و عاصی نباشد و مقابل آن خلافت جابرہ است کہ دربسیارے از احوال مخالف شرع بعمل آرد واز عہدہ واجب برنیاید و معطل گزارد بسیارے ازانچہ میباید تاآنکہ عاصے باشد درخلافت خود مثلاً اقامت حدود میکند واحیاءعلوم دین نمی نماید یا اقامت بوضعے میکند کہ شرع بآن حکم نہ فرمود بجائی رجم میسوزدو بجاے قصاص رجم نماید۔''(۵۴)

''جب ہم خلافت کو راشدہ کے وصف کے ساتھ مقید کریں گے(یعنی خلافتِ راشدہ کہیں گے) تو اس کے معنی ہوں گے کہ جو امور پیغمبرﷺ انجام دیتے تھے یعنی اقامت دین اور دشمنان خدا کے ساتھ جہاد اور حدود اللہ کا جاری کرنا اور علومِ دینیہ کا احیاء اور ارکانِ اسلام جس میں نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ، قضاء وافتاء کا قائم کرنا اور جو امور اس ذیل میں آتے ہیں ان کی انجام دہی ایسے احسن طور پر کہ گناہ سے محفوظ رہتے ہوئے اس کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔ اس (خلافتِ راشدہ) کے مقابل خلافت جابرہ ہے کہ بہت سے احوال میں شریعت کے برخلاف عمل کرے اور ضروری ذمہ داریوں سے سبکدوش نہ ہو اور بہت سے امور جن کا کرنا ضروری تھا، ان کو معطل چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی خلافت میں عاصی ہو جائے۔ مثلاً اقامت حدود کرتا ہے مگر علوم دینیہ کا احیاء نہیں کرتا یا اقامت حدود ایسے طریقہ سے کرتا ہے جس کا شریعت نے حکم نہیں فرمایا۔ مثلاً رجم (سنگسار کرنا) کی بجائے جلا دیتا ہے اور قصاص کے بجائے رجم کرڈالتا ہے۔

خلافتِ راشدہ کی قسمیں

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ خلافتِ راشدہ کو دو حصوں منتظمہ اور غیر منتظمہ میں تقسیم کر کے معروف حدیث" **الخلافة بعدی ثلثون سنة** "کی تشریح بھی کرتے ہیں جس سے تمام اشکالات ختم ہو جاتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

''خلافتِ راشدہ منتظمہ یہ ہے کہ جمہور اہل اسلام خلافتِ راشدہ کے قبول پر اتفاق کریں اور دل وجان سے خلیفہ راشد کی جیسا کہ خلافت خلفائے ثلاثہ۔حدیث" **الخلافة بعدی ثلثون سنة** " (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی) خلافتِ راشدہ غیر منتظمہ یہ ہے کہ خلیفہ راشد کا ظہور ہو اور وہ اقامت خلافت کے لیے بہت کوشش کرے، لیکن جمہور مسلمین کا اس کی خلافت پر اتفاق نہ ہو سکے اور امت کا انتظام ظہور میں نہ آئے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافتِ راشدہ۔اس حدیث میں اسی کی

طرف اشارہ ہے:

ان رجل قال لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأیت کان میزاناً نزل من السماء فوزنت انت و ابو بکر فرجحت انت ووزن ابو بکر وعمر فرجح ابوبکروزن عمر وعثمان فرجح عمر ثم رفع المیزان فاستاء لھا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم یعنی فساء ذٰلک فقال خلافۃ النّبوۃ ثمہ یؤتٰی الملک لمن یشاء .

''آنحضرت ﷺ سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں آسمان سے ایک ترازو اتری دیکھی ہے جس میں آپ کو اور ابوبکرؓ کو تولا تو آپؐ بھاری ہوئے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کو تولا ابوبکرؓ وزنی ہوئے پھر عمرؓ اور عثمان تلے تو عمرؓ بھاری ہوئے۔ پھر ترازو اٹھائی گئی اس سے رسولؐ خدا کو ناخوشی ہوئی۔ پھر فرمایا۔ یہ خلافتِ نبوت ہے پھر دے گا اللہ تعالیٰ ملک (بادشاہت) جسے چاہے گا۔'' (۵۵)

خلافتِ راشدہ منتظمہ محفوظہ و منتظمہ مفتونہ

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ خلافتِ راشدہ منتظمہ کو محفوظ اور مفتونہ میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلافتِ راشدہ منتظمہ محفوظہ یہ ہے کہ خلیفہ راشد اپنے زمانے میں مسلم ہو کسی کو اس کی اہلیت میں کلام نہ ہو خاص و عام اس کی عزت کریں اور کسی کو اس کی حکومت سے مصیبت نہ پہنچے۔ جیسے خلافت شیخینؓ۔ (حضرت الصدیقؓ وحضرت الفاروقؓ) خلافتِ راشدہ منتظمہ مفتونہ یہ ہے کہ کبھی اہل زمانہ خلیفہ راشد کی حکومت سے رنج اٹھائیں اور اس پر طعن و ملامت دراز کریں، لیکن حفاظت ربانی کے سبب سے بغاوت وخروج کا اور خلع بیعت کی نوبت نہ آئے اور خلافت کا نظم ونسق خلیفہ راشد کی مرضی کے مطابق چلتا رہے جیسے حضرت ذوالنورین کی خلافت۔ (۵۶)

خلافتِ راشدہ و سلطنت عادلہ میں فرق

ظاہر بین اور سطحی نظر رکھنے والوں کے نزدیک سلطنتِ عادلہ اور خلافتِ راشدہ ایک ہی چیز ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اس کی نفی کرتے ہوئے ان میں پائے جانے والے امتیاز کو مثال سے واضح کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

’’فرق صرف یہ ہے کہ خلیفہ راشد کے تصرفات کی جو بنا ہوگی وہ انسان کے تمام معاملات جو خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں اور مختلف احکام جو گاہ بگاہ صادر ہوتے ہیں، مثلاً کسی کو کسی منصب پر فائز کرتا ہے تو وہ اس کی دوستی اور پاسداری قرابت کا خیال نہیں کرتا۔ یا کسی کو مجرم ٹھہرائے تو عداوت ومخالفت کا انتقام نہ سمجھنا چاہیے۔ الغرض امام جس امر کو انتظام امت کا باعث اور نفع ملت کا سبب جانتا ہے، دل و جان سے اسی کی بجا آوری میں کوشاں ہوتا ہے۔ جس کسی کو کسی خدمت کے لائق سمجھتا ہے وہ خدمت اسی کے سپرد کرتا ہے خواہ وہ پکا محبّ ہو یا قدیمی دشمن۔ بخلاف اس کے سلطان عادل اگرچہ مذکورہ امور میں تصرف تو کرتا ہے مگر مختلف احکام میں اپنی نفسانی خواہش کی بھی رعایت رکھتا ہے۔ مثلاً دو آدمی ایک ہی جرم کے مرتکب ہوئے مگر وہ جرم ایسا نہیں کہ اس پر کوئی شرعی حد جاری ہو تو بادشاہ عادل اپنی رائے سے ایک کے حق میں ضرب وحبس کا حکم دیتا ہے اور دوسرے کے لیے صرف بے اعتنائی پر اکتفا کرتا ہے۔ پس خلیفہ راشد تو اس اختلاف حکم میں ان کے حال کی اصلاح کی رعایت مدنظر رکھتا ہے اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ پہلا شخص حبس وضرب کے سوا راہِ راست پر نہیں آ سکتا، بخلاف دوسرے شخص کے کہ صرف بے اعتنائی کے اظہار سے درست ہو سکتا ہے یا یہ خیال ہو کہ اگر اس کی زیادہ توہین کی جائے تو ممکن ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جائے یا جہالت سے اپنی جان کو ہلاک کرنے کا مرتکب ہو جائے۔ بنابریں خلیفہ پہلے کو تو تعزیز کا حکم دیتا ہے اور دوسرے کے لیے خفیف سی تعزیز پر کفایت کرتا ہے۔‘‘(۵۷)

خلافتِ راشدہ اور سلطنتِ عادلہ میں سے مقصود کون سی ہے؟

خلافتِ راشدہ وسلطنتِ عادلہ میں فرق واضح کرنے کے بعد اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ دین اسلام کا مقصود خلافتِ راشدہ کا قیام ہے کیونکہ اس سے شریعتِ محمدیہ ﷺ کو کامل ومکمل طور پر نافذ کیا جا سکتا اور اس کے مقاصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

خلافتِ راشدہ اور سلطنتِ عادلہ کا فرق وامتیاز مندرجہ صورتوں سے جب واضح ہو گیا تو معلوم کر لینا چاہیے کہ سلطنت عادلہ کے قیام سے گو ظاہر میں شریعت کو نفع پہنچتا ہے، لیکن باطن میں وہ نقصان ہے، کیونکہ اس صورت میں یقیناً امتِ مرحومہ کے واسطے ایک چھپا ہوا ضرر موجود ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت در بارۂ تہذیب اخلاق اور حسن خلق، اخلاص فی العمل، خیر خواہی خلق اللہ، تربیت عباد اللہ، تعظیم کبرائے امت وعظمائے ملت جو

باعتبار فضائل دینیہ وکمالات شرعیہ وجب التعظیم التکریم ہیں، برہم ہو جاتی ہے۔ اس زمانے کے لوگوں کا منتہائے ہمت انہی چند فقہی مسائل کی یاد رہ جاتا ہے جن کے ذریعے سلطان وقت کی گزند سے محفوظ رہ سکیں اور بدخواہ کو ان کے ذریعے ملزم گردانیں یا ساکت کریں۔ اس سلطنت عادلہ سے اگرچہ قالب شرع قائم رہتا ہے، لیکن اس کی روح کو نقصان عظیم پہنچتا ہے۔ اس لیے اسے ملک عضوض، یعنی سلطنت گزند اس جگہ کہا گیا ہے جہاں خلافتِ راشدہ کے گزرنے کے بعد اس کے وجود کی طرف نبی ﷺ نے اشارہ کیا ہے کہ:" **هذا امر بدء نبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة ثم ملكا عضوضاً .** " یہ کام نبوت اور رحمت سے شروع ہوا، پھر خلافت اور رحمت ہوگی اور اس کے بعد بادشاہی سختی کی۔"[۵۸]

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ واضح ہو گیا کہ خلافت کا مقصود محض عدل وانصاف کا قیام نہیں ہے۔ اس سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جن کے نزدیک اسلام کے سیاسی نظام کا مقصود محض عوام کو عدل و انصاف کی فراہمی اور معاشرے میں معاشی مساوات کا قیام ہے۔

خلیفہ و بادشاہ میں فرق

عَنْ عمر ابن الخطاب انه سال طلحة والزبير وكعباً و سلمان مالخليفة من الملک فقال طلحة و الزبير ماندرى فقال سلمانؓ خليفة الذوئى يعدلُ فى الرعية ولقسيم بينهم بالسَّويّة وُيشُفق عليهم شفقه يه الرجل علىٰ اَهله' ويقضى بكتاب اللّٰه فقال كعبٌ ماكنت احسب ان فى المجلس احدًا يّعرُف الخليفة من الملک غيرى . "[۵۹]

"عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے انہوں نے طلحہؓ اور زبیرؓ اور کعبؓ اور سلمانؓ سے سوال کیا کہ خلیفہ اور ملک یعنی بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ طلحہؓ اور زبیرؓ نے کہا ہم نہیں جانتے پھر سلمانؓ نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور ان کے درمیان برابر کی تقسیم کرے اور لوگوں پر ایسی شفقت کرے جیسی کوئی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔ اس کے بعد کعب نے کہا کہ میں نہیں گمان کرتا تھا کہ اس مجلس میں میرے سوا بھی کوئی خلیفہ اور ملک کے فرق کو پہچانتا ہے۔"

خلیفہ راشد کی تعریف

ہمارے ہاں یہ تصور عام ہے کہ خلیفہ راشد کا اطلاق صرف خلفائے اربعہ پر کیا جاتا ہے، حالانکہ ہر وہ خلیفہ، خلیفہ راشد اور اس کی خلافت، خلافتِ راشدہ ہے جس نے اسلامی نظامِ خلافت کو اس کے تمام اصول وضوابط اور شرائط وقیود کے ساتھ عملاً نافذ کیا ہو، چنانچہ حضرت سید محمد اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

''خلیفہ راشدہ وہ شخص ہے جو منصب امامت رکھتا ہو اور سیاست ایمانی کے معاملات اس سے ظاہر ہوں۔ جو اس منصب تک پہنچا وہی خلیفہ راشد ہے۔ خواہ زمانہ سابق میں ظاہر ہوا خواہ موجودہ زمانے میں ہو، خواہ اوائل امت میں ہو خواہ اس کے آخر میں خواہ فاطمی نسل سے ہو یا ہاشمی سے خواہ نسل قصی سے ہو خواہ نسل قریش سے...... اسی طرح یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہیے کہ لفظ ''خلفائے راشدین'' خلفائے اربعہ کی ذات سے خصوصیت رکھتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے انہی بزرگوں کی ذات متصور ہوتی ہے۔ حاشا وکلا بلکہ اس لقب کو بمنزلہ ولی اللہ، مجتہد، عالم، عابد، زاہد، فقیہ، محدث، متکلم، حافظ، بادشاہ، امیر یا وزیر کے تصور کرنا چاہیے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک خاص منصب پر دلالت نہیں رکھتا۔ جو کوئی بھی اس صفت سے متصف اور اس منصب پر قائم ہو وہی اس لقب سے ملقب ہوسکتا ہے۔''(۶۰)

کیا خلافتِ راشدہ کسی زمانے کے ساتھ خاص ہے؟

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خلافتِ راشدہ ایک زمانہ یعنی خلفائے اربعہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے بعد خلافتِ راشدہ کا زمانہ ختم ہوگیا ہے اور آیندہ بھی خلافتِ راشدہ کا ظہور اور قیام نہ ہو گا۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس جیسا کہ کبھی کبھی دریائے رحمت سے کوئی موج سر بلند ہوتی ہے اور آئمہ ہدیٰ میں سے کسی امام کو ظاہر کرتی ہے ایسا ہی اللہ کی نعمت کمال تک پہنچتی ہے تو کسی کو تخت خلافت پر جلوہ افروز کر دیتی ہے اور وہی امام اس زمانے کا خلیفہ راشد ہے اور وہ جو حدیث میں وارد ہے کہ خلافتِ راشدہ کا زمانہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تیس سال تک ہے اس کے بعد سلطنت ہوگی تو اس سے مراد یہ ہے کہ خلافت راشد متصل اور تواتر طریق پر تیس ۳۰ سال تک رہے گی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قیام قیامت تک خلافتِ راشدہ کا زمانہ وہی تیس سال ہے اور بس۔ بلکہ حدیث مذکورہ کا مفہوم یہی ہے کہ خلافت راشدہ تیس سال

گزرنے کے بعد منقطع ہوگی نہ یہ کہ اس کے بعد پھر خلافتِ راشدہ کبھی آ ہی نہیں سکتی۔ بلکہ ایک دوسری حدیث خلافتِ راشدہ کے انقطاع کے بعد پھر عود کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ ثم تکون ملکاً عاضا فیکون ماشاء اللہ ان یکون ثم یرفعھا اللہ ثم یکون ملکاً جبریاً فیکون ماشاء اللہ ان یکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علیٰ منھاج النبوۃ ثم سکت. (۶۱)

"نبوت تم میں رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھالے گا اور بعد نبوت کے طریقے پر خلافت ہوگی جو اللہ کے منشاء تک رہے گی پھر اسے بھی اللہ اٹھالے گا۔ پھر بادشاہی ہوگی اور اسے بھی اللہ جب تک چاہے گا رکھے گا پھر اسے بھی اٹھالے گا۔ پھر سلطنت جابرانہ ہوگی جو منشاء باری تعالیٰ تک رہے گی۔ پھر اسے بھی اُٹھالے گا اور اس کے بعد پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہوگی، پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔"

خلیفہ راشد کا تعین

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ خلافتِ راشدہ خلفائے اربعہ کے زمانہ خلافت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ کسی بھی زمانہ میں علی منہاج النبوی قائم ہونے والی خلافت کو راشدہ اور اس منصبِ عظیم پر فائز امام کو خلیفہ راشد کہا جائے گا جیسا کہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

"یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ خلافت کا زمانہ اوائل امت یعنی زمانہ خلفائے اربعہ کا تھا یا آخر امت میں مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہوگا اور اس کے درمیان کا زمانہ معطل ہے کہ ہرگز اس میں خلافتِ راشدہ ظاہر نہیں ہونے کی، کیونکہ اکثر تابعین نے خلافت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی خلافتِ راشدہ میں سے شمار کیا ہے اور حدیث اول میں جو خلافتِ راشدہ کے عود کرنے کے متعلق مذکور ہوا اسے خلافت عمر بن عبدالعزیزؒ پر عائد کیا ہے۔ چنانچہ حضرت حبیبؒ نے جو تابعین کے زمرے میں سے ہیں یہی حدیث حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کی طرف منسوب کی ہے اور اس کے اخیر میں یہ بشارت لکھی ہے کہ " ارجوان تکون امیر

المومنین بعد الملک العاض والجبریة فسربه و اعجبهٗ ." (میں امید کرتا ہوں کہ تم عاض کی بادشاہی اور جبریہ سلطنت کے بعد امیر المومنین ہو پس خوش ہوئے اور انہیں اچھا معلوم ہوا) پس عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اس بشارت کو قبول فرمایا اور اس وجہ سے رد نہ کیا کہ یہ حدیث تو خلافتِ مہدی کی طرف مبشر ہے تو کیوں دوسروں کی خلافت پر محمول کرتا ہے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ " **ازا رایتم الرّیات السود قد جاء ت من قبل خراسان فاتو ھا ولو حبوا علیٰ الثلج فان فیھا خلیفة اللہ المھدی .**" (جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ جھنڈے آتے دیکھو تو ان کے پاس چوتڑوں کے بل برف پر چلتے ہوئے آنا چاہیے کیونکہ مہدی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ان کے درمیان ہوگا)

اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس مہدی کا ذکر ہے وہ مہدی موعود کے علاوہ ہے۔ کیونکہ مہدی موعود کا ظہور مدینہ منورہ میں ہوگا نہ کہ خراسان سے اور یہ بھی خلیفۃ اللہ ہے کہ جملہ اہل اسلام کو اس کی اعانت اور رفاقت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

یخرج رجل من وراء النھر یقال لہٗ الحارث حُرّاث علی مقدمة رجل یقال لہ منصور یمکن لآل محمد کما مکنّت قریش لرسول اللّٰہ وجب علیٰ کل موض نصرہ .

(ایک آدمی ماوراءالنہر کی طرف سے پیدا ہوگا اسے حارث حراث کہا جائے گا۔ اس کے آگے ایک اور آدمی ہوگا جسے منصور کہیں گے۔ آل محمد ﷺ کو عزت دے گا جیسا کہ قریش نے اللہ کے رسول کو عزت دی ہر مومن پر ان کی مدد واجب ہے) اور ظاہر ہے کہ یہ بزرگ جس کا حارث مؤید ہے اہل بیت سے ہوگا اور مہدی موعود کے علاوہ ہے اس لیے کہ مہدی موعود کو اولاً لشکر عرب کے اجتماع سے تائید ہوگی نہ کہ لشکر ماوراءالنہر سے۔"(۶۲)

آئندہ خلافت کا ظہور اور اس کیلئے جدوجہد

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ خلافتِ راشدہ کسی زمانے یا اشخاص کے ساتھ خاص نہیں، کسی بھی زمانے میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے، بلکہ خلافت کا احیاء اور اس کے ذریعے اقامتِ دین فرض ہے (جیسا کہ آگے چل کر بابِ چہارم "اقامتِ خلافت کی شرعی حیثیت" میں تفصیل آرہی ہے) لہٰذا اقامت

خلافتِ راشدہ کے لیے عملی جدوجہد کرنا لازم ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

''پس خلافتِ راشدہ کے حال کو مملکت ظاہرہ کی طرح تصور کرنا چاہیے جو سلطنت عادلہ کے ساتھ ساتھ حکومتِ جابرہ بھی رکھے، جیسا کہ کبھی سلطنت عادلہ ظہور کرتی ہے اور کبھی حکومتِ جابرہ اسی طرح کبھی خلافتِ راشدہ جلوہ گر ہوتی ہے اور کبھی مملکت ظاہرہ۔ قیامِ خلافت کے تغیر کو لیل ونہار کے تغیر کے مانند سمجھنا چاہیے کہ رات کے بعد دن ہوتا ہے اور وہ پھر ظلمت شب میں گم ہو جاتا ہے اور پھر اس کا نور جوش مارتا ہے۔ نزول نعمتِ الٰہی یعنی ظہور خلافتِ راشدہ سے کسی زمانے میں مایوس نہ ہونا چاہیے اور اسے مجیب الدعوات سے طلب کرتے رہنا چاہیے اور اپنی دعا کی قبولیت کی امید رکھنا اور خلیفہ راشد کی جستجو میں ہر وقت ہمت صرف کرنا چاہیے۔ شاید کہ یہ نعمتِ کاملہ اسی زمانے میں ظہور فرمادے اور خلافتِ راشدہ اسی وقت جلوہ گر ہو جائے۔''(٦٣)

حضرت سید اسماعیل شہیدؒ احیاءِ خلافت اور اس کے لیے عملی جدوجہد کے نہ صرف قائل تھے بلکہ انہوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ مل کر اس کے لیے باقاعدہ تحریکِ جہاد شروع کی اور بالاکوٹ کے میدانوں میں اس عظیم مقصد کے لیے اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں نثار کر کے یہ نمونہ اور مثال پیش کر دی کہ اسلامی نظام کے احیاء کے لیے جانوں تک کا نذرانہ بھی پیش کر دیا جائے۔

حوالہ جات: باب تعریفِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
۱۔	لسان العرب	-
۲۔	القاموس المحیط	-
۳۔	شرح النووی للصحیح المسلم	-
٤۔	المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی	-
٥۔	صحیح البخاری کتاب الاحکام باب قول اللّٰه اطیعوا اللّٰه	-
٦۔	صحیح المسلم کتاب الاماره	-
۷۔	لسان العرب	-
۸۔	المنجد	-
۹۔	المعجم الوسیط	-
۱۰۔	المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی	-
۱۱۔	لسان العرب	-
۱۲۔	المنجد	-
۱۳۔	لسان العرب	-
۱٤۔	الاحکام السلطانیه	۰۲
۱٥۔	غیاثی	۲۲
۱٦۔	کتاب التعریفات	۲۸
۱۷۔	جامع البیان للطبری	۱/٥۲۹
۱۸۔	الصحیح البخاری کتاب الاحکام	-
۱۹۔	الصحیح البخاری کتاب الاحکام باب الأئمة من قریش	-
۲۰۔	مصنف ابن ابی شیبه کتاب الجهاد باب ماجاء فی الامام العادل	-

۲۱۔ لسان العرب	-
۲۲۔ لسان العرب	-
۲۳۔ المنجد	-
۲٤۔ المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی	-
۲۵۔ شرح المقاصد	۵/......
۲٦۔ العقائد النسفیه	۱۷۹
۲۷۔ الاحکام السلطانیه	۰۲
۲۸۔ غیاثی	۲۲
۲۹۔ مآثر الانافة اول	-
۳۰۔ مقدمه ابن خلدون	۱۹۵
۳۱۔ منصب امامت	۳۰
۳۲۔ ازالة الخفاء اول	۱۷
۳۳۔ ازالة الخفاء اول	٤۳۰
۳٤۔ روضة الطالبین	۳۷٦/۸
۳۵۔ مقدمه ابن خلدون	۱۹۱
۳٦۔ ایضاً	۱۹۱
۳۷۔ شذرات الذهب بحوالهٔ مآثر الانافة اوّل	۱۵
۳۸۔ مآثر الانافة اول	۱۵
۳۹۔ مآثر الانافة اول	۱۷
٤۰۔ ازاله الخفاء دوم	۳۲۸
٤۱۔ ازاله الخفاء اوّل	۳۲
٤۲۔ ازالة الخفاء اول	۳۹۔۳۸
٤۳۔ ازالة الخفاء اول	٤۱
٤٤۔ ازالة الخفاء اول	٤۳۔٤۲
٤۵۔ ازالة الخفاء اول	٤۳

٤٦۔ ازالة الخفاء اول	٤٢٠
٤٧۔ ازالة الخفاء اول	٤٢٢
٤٨۔ ازالة الخفاء دوم	٣٣٣
٤٩۔ ازالة الخفاء دوم	٣٣٤
٥٠۔ ازالة الخفاء دوم	٧٢
٥١۔ ازالة الخفاء اول	١٠٠
٥٢۔ ازالة الخفاء دوم	٣٣٩
٥٣۔ ازالة الخفاء اول	٧٢۔٧١
٥٤۔ ازالة الخفاء دوم	٣٣٠
٥٥۔ منصب امامت	١١٤۔١١٣
٥٦۔ منصب امامت	١١٥۔١١٤
٥٧۔ منصب امامت	١٤٢۔١٤١
٥٨۔ منصب امامت	١٤٣۔١٤٢
٥٩۔ ازاله الخفاء دوم	٢٢٢
٦٠۔ منصب امامت	١١٧۔١١٦
٦١۔ منصب امامت	١١٨۔١١٧
٦٢۔ منصب امامت	١٢١۔١١٩
٦٣۔ منصب امامت	١٢١

بابِ ثانی

مقاصدِ خلافت

ہر ریاست خواہ دینی ہو یا لادین، کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں۔انہی مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاست کی تشکیل وتعمیر ہوتی ہے۔ یکے بعد دیگرے آنے والی ہر حکومت پر ان مقاصد کے پیش نظر ریاستی امور کو سرانجام دینا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکومت ان مقاصد سے انحراف کرے تو وہ حکمرانی کی اہل نہیں ہے بلکہ اس مقتدر طبقہ کو اقتدار سے علیحدہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ مقاصدِ ریاست میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اسلامی نظام جو کہ دین و دنیا کا جامع ہے اس نے بھی خلافت کے کچھ مقاصد متعین کیے ہیں جن سے انحراف کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ اسلام میں نظامِ حکومت متعین مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔اقتدار وحکومت بذاتِ خود مقصود نہیں ہے،لیکن چونکہ یہ مقاصد غلبہ واقتدار کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے ہیں لہٰذا اسلام نے ان کے حصول کے لیے غلبہ واقتدار کو لازم قرار دیا ہے۔ مقاصدِ خلافت کیا ہیں؟ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اس کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں:

''خلافت بمعنی جانشینی است وآں درعرفِ شرع راجع است بتصدی اقامت امورکہ پیغمبر ﷺ برائے اقامتِ آں مبعوث بود۔''[۱]

''یعنی خلافت کے معنی جانشینی ہے اور عرفِ شریعت میں ان امور کے قائم کرنے کی کوشش کرنا جن کے قائم کرنے کے لئے پیغمبر ﷺ مبعوث ہوئے۔''

مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام جو احکاماتِ الٰہیہ لائے اور ان کو عملاً نافذ بھی کیا، خواہ ان کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ان کو عملاً نافذ کرنا، یہی نظامِ خلافت کا اصل مقصد ہے۔

قرآن وسنت میں خلافت کے مقاصد کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے، لہٰذا اب ہم تفصیلاً قرآن وسنت اور اقوالِ فقہا سے اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۔اقامتِ دین

اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی (تمکین فی الارض) کو اقامتِ دین کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾

(الحج: ۴۱)

ترجمہ:''یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو ملک میں با اختیار کردیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور بھلے کام کرنے کا حکم دیں اور برے کام کرنے سے لوگوں کو روکیں اور ہر کام کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" فیصیر معنی الآیۃ ان اللہ تعالیٰ وصف المھاجرین بانہ إن مکنھم من الارض والمطاھم السلطنۃ فانھم أتوا بالامور الاربعۃ وھی اقامۃ الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والامر بالمعروف والنھی عن المنکر ."(۸)

'' آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہاجرین کو اس بات سے موصوف کیا ہے کہ اگر انہیں زمین میں طاقت وقوت اور اقتدار دیا جائے تو وہ چار امور یعنی نماز، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قائم کریں گے۔''

قاضی ثناءاللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

" ولا شک ان اللہ تعالیٰ نصر الخلفاء الرشادین وانجز وعدہ حتی سلطھم علی صنادید العرب واکاسرۃ العجم وقیاصرتھم واورث المسلمین علی عدھم ارض الکفار ودیارھم واموالھم ."(۹)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کی نصرت کی اور اپنا وعدہ پورا کر دکھایا حتیٰ کہ انہیں عرب کے عجم کے مسلط کیا اور ان کے زمانے میں مسلمانوں کو کفار کی زمین، گھروں اور ان کے مال و دولت کا وراث بنایا۔''

حضرت شاہ صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بازمعنیٰ ان مکّنّھم تعلیق یک جزءنفسی خلافت است بجر ودیگر زیرا کہ خلافت شرعی تمکین فی الارض است با قامت دین اینجا افاوہ می فرمایا کہ اگر تمکین این جماعہ فی الارض مستحق شود البتہ آں تمکین مقترن خواہد بود با اقامت دین وہمیں است معنے خلافتِ راشدہ۔''

''﴿ان مکنّھم﴾ میں (بطورِ شرط وجزا کے) حقیقت خلافت کے ایک جز (یعنی اقامت دین) کو دوسرے جز (یعنی تمکین) پر معلق کیا ہے۔ کیونکہ خلافت شرعی اس تمکین فی الارض کا نام ہے جو اقامت دین کے ساتھ ہو مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو اگر زمین میں تمکین ملے گی تو ضرور وہ تمکین اقامت دین کے ساتھ ہو گی اور خلافتِ راشدہ کے یہی معنی

ہیں۔"

امام الحرمین خلیفہ کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالقول الکلی ان الغرض استبقاء قواعد الاسلام طوعاً او کرھاً والمقصد الدین . (۲۳)

"کلی بات یہ ہے کہ غرض طوعاً یا کرھاً قواعد اسلام کی بقاء ہے اور مقصد دین کا قیام ہے۔"

۲۔قوانین شریعت کا نفاذ

اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان اور پہلے نبی کو خلیفہ بنا کر بھیجا، تا کہ وہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور ان کی طرف سے انسانی فلاح و بہبود پر مبنی قوانین کا اجرا کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَة ﴾ (البقرة : ۳۰)

ترجمہ: "یقیناً میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔"

امام ابن جوزیؒ ﴿ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَة ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

" وفی معنیٰ خلافة ابن آدم قولان اَحَدُهُما انّٰه خليفة عن الله تعالیٰ فی اقامة شرعهِ وَدَلَائل تَوْحِيدِهٖ الحُكْمِ خَلقِهٖ وهٰذا قول ابن مَسْعُودٍ مُجَاهدِ . " (۲)

"انسان کی خلافت کے بارے میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے قائم کرنے، توحید کے دلائل قائم کرنے اور مخلوق میں حکومت کرنے (احکام نافذ کرنے) میں اس کا خلیفہ ہے، اور یہ ابن مسعودؓ اور مجاہد کا قول ہے۔"

امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" والصيحح انه خليفة اللّٰه فی ارضه لاقامة احكامه وتنفيذ قضاياه . " (۳)

"صحیح قول یہ ہے کہ آدم (انسان) اللہ کا خلیفہ ہے زمین میں اس کے احکام قائم کرنے اور اس کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے۔"

علامہ آلوسیؒ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" ومعنی کو نه خلیفة انه خلیفة اللّٰه فی ارضه و کذا کل نبی استخلفهم فی عمارة الارض وسیاسة الناس وتکمیل نفوسهم وتنفیذ

امره فيهم .''(۴)

''اس کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے اور اسی طرح اللہ نے ہر نبی کو خلیفہ بنایا زمین کی آبادی، لوگوں کے سیاسی امور کی انجام دہی، ان کے نفوس کی تکمیل اور ان کے اندر اپنے احکام کو نافذ کرنے کے لیے۔''

مندرجہ بالا تفاسیر سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو خلافتِ ارضی سے اس لیے نوازا تا کہ وہ احکام وقوانین الٰہی کا نفاذ اور انسانی نفوس کی اصلاح کا کام سرانجام دیں۔ امام عبدالقاہر البغدادی لکھتے ہیں:

وإنه لا بد للمسلمين من امام ينفذ احكامهم ويقيم حدودهم ويغزى جيوشهم ويزوج الايامى ويقسم الفئ بينهم .

''مسلمانوں کے لیے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو احکامات کو نافذ کرے، حدود کو قائم کرے، افواج کو (جہاد کے لیے) تیار کرے۔ ان کی شادی کرائے اور مسلمانوں میں فیٔ (مالِ غنیمت) تقسیم کرے۔''

امام ابو یوسفؒ نے حضرت عمرؓ کا خطبہ نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ خطبہ میں ارشاد فرمایا جس سے مقاصد خلافت کی وضاحت ہوتی ہے۔

'' ان احق ما تعَاهَدَ الراعى مِنْ رعيتهِ تعاهد هم بالذى هداهم اللّٰه له' وانما عليه ان نأمر كم بما امر كم اللّٰه بهٖ مِنْ طاَعَتِه واَن نَنْهَاكُمُ اللّٰه عنه من معصيتهٖ وان نقيم امر اللّٰه فى قريب الناسِ وَبَعيدهم .''(۱۶)

''حاکم جن امور میں رعیت کی خبر گیری کرے، ان سب میں خبر گیری کے زیادہ حقدار امور وہ ہیں جو اللہ نے ان پر فرض کیے ہیں یعنی ان کے دینی فرائض کے متعلق جن کی ہدایت اللہ نے ان کو کی ہے اور ہم پر فرض ہے کہ ہم تم کو اس چیز کا حکم دیں جس کا حکم اللہ نے تم کو دیا ہے۔ یعنی اس کی عبادت کا اور تم کو اس چیز سے منع کریں۔ جس سے اللہ نے تمہیں منع کیا ہے۔ یعنی اس کی نافرمانی اور یہ کہ اللہ کا حکم قریب وبعید سب لوگوں پر یکساں جاری کریں۔''

۳۔ غلبہء اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور دین اسلام قیامت تک آنے والے تمام

انسانوں کی دینی و دنیوی کامرانی کے لیے ایک کامل و مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ دین اسلام کے آنے سے تمام آسمانی مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں۔ اسی طرح انسانی فکر پر مبنی افکار و نظریات اور نظامہائے ریاست کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب تو صرف اسلامی نظامِ خلافت ہی قابلِ عمل ہے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کا آخری راستہ ہے، لہٰذا دیگر تمام ادیان، مذاہب اور نظاموں کو ختم کر کے اسلامی نظام کا نفاذ ناگزیر ہے، یہی وجہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین اسلام کے تمام ادیان پر نظریاتی وسیاسی غلبے کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَ دِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ﴾ (الصف : ۹)

ترجمہ: ''وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا ہے تا کہ وہ اس دنیا کو تمام ادیان باطلہ پر غالب رکھے اگرچہ مشرک کتنا ہی برا مانیں۔''

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ارشاد فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے مقصود یہ ہے کہ تمام دینوں پر غالب کر دیا جائے۔ پس اس آیت میں اگر سمجھنے کی کوئی چیز ہے تو یہ ہے کہ غالب کر دینے سے کیا مراد ہے؟ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دلیل میں غالب کیا جائے یعنی دینِ حق کی حقانیت پر اور دوسرے دینوں کے بطلان پر ایسی دلیل قائم کی جائے جس کا رد نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ تیغ وسناں کے ذریعے سے غالب کیا جائے۔ یعنی دینِ برحق کی شوکت وسطوت کے سامنے تمام مذاہب کو سرنگوں کر دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے۔''(۲۰)

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''وقال النبی ﷺ...... ولیتمّن اللّٰه هٰذا الامرَ حتّٰے یُدْخَلَ فے کلّ بیتٍ من مدرٍ او وَبرٍ بعُزٌ عزیزٍ اوذلّ ذلیل الفاظهم شتّٰے والمعنٰی المشترک واحد دین حق همان است که ممکن شدوهمان است که تمام شد وهمان است که شرقاً وغرباً دربیوت وَبَر ومَدَر درآمد۔''(۲۲)

''یعنی اور نبی ﷺ نے فرمایا...... اللہ تعالیٰ اس امر (اسلام) کو ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ یہ (دینِ اسلام) ہر گھر میں داخل ہو جائے گا یہاں تک کہ خواہ وہ گھر مٹی کا بنا ہوا ہو یا بالوں کا (یعنی شہر اور دیہات کے سب گھروں میں) صاحب عزت کی عزت کے ساتھ

(کہ وہ بخوشی قبول کر کے اپنی عزت باقی رکھے) یا کسی ذلیل ہونے والے کی ذلت کے ساتھ (کہ وہ مغلوب اسلام ہوکر ذلت سے زندگی بسر کرے) احادیث کے الفاظ مختلف ہیں مفہوم مشترک سب کا ایک ہے۔ دین حق وہی ہے ''جو ممکن (یعنی طاقتور ہوا اور وہی ہے جو ''پورا'' ہوا اور وہی ہے جو مشرق سے مغرب تک بالوں اور مٹی کے بنے ہوئے گھروں میں داخل ہوا۔''

امت محمد ﷺ سے پہلی امتوں کو بھی خلافت سے نوازا گیا اسی طرح اس آخری امت کو بھی خلافت ارضی عطا کی گئی ہے۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْناً يَعْبُدُوْنَنِيْ لاَ يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْأً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

(النور: ۵۵)

ترجمہ: ''تم میں سے سب جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں اس طرح حکمران بنائے گا جس طرح ان لوگوں کو حکمران بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور جس دین کو خدا نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس دین کو ان کے لیے مستحکم کر دے گا اور اس وقت دشمن کا جو خوف ان کو لاحق ہے ان کے اس خوف کو مبدل بہ امن کر دے گا۔''

حضرت شاہ صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''کلمہ ﴿ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ ﴾ و کلمہ ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ﴾ بیان علت غائیہ استخلاف است کما قال عز من قائلٍ ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰتِهِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهُ ﴾ گویا می فرماید کہ استخلاف برائے آں مطلوب شد کہ دین مُرتضٰے ممکّن شود واعلائے کلمۃ اللہ بظہور رسد و ظہور دین حق بر جمیع ادیان متحقق گردد۔''[7]

''یعنی ﴿ ليمكنن لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ ﴾ اور ﴿يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ﴾ میں خلیفہ بنانے کی علت غائیہ کا بیان ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے

(ایک دوسرے موقع پر) فرمایا ہے ﴿ ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ ﴾ الاٰية . گویا فرماتا ہے کہ (ان موعودین کے) خلیفہ بنانے سے مقصد یہ ہے کہ دین پسندیدہ تمکین پائے اور کلمہ الٰہی کی بلندی ظاہر ہو جائے اور دین حق کا غلبہ تمام دینوں پر ثابت ہو جائے۔"

٤۔امت کی سیاست

امت کی سیاست یعنی اس کے دینی اور دنیاوی امور کا نظم و نسق بھی مقاصدِ خلافت میں شامل جسے سنت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

" قَالَ رَسُولُ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ بَنِی اِسْرَائیلَ كَانَتْ تَسُوسُهُم الاَنْبیاء كُلَّما مَاتَ نبیٌ قَامَ نبیٌ وَاِنَّهُ لَيْسَ نبیٌ بُعْدِی قَالَ رَجُلٌ فَما یکونُ بعدک یا رَسُولَ اللّٰہِ ؟ قَالَ تَكُونُ خُلَفَاء وَتكْثرٌ قَالَ فَماَ تاْمُرناَ قَالَ اَوْفُوا بيْعَةَ الاوّلِ فالا وّلِ فَادّوا اِلَيْهُم الّذی لَهُمْ فِانَّ اللّٰه سَائلُهُمُ الّذِی لکُمْ . " (۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے جب ایک نبی انتقال کرتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون ہوگا فرمایا میرے بعد خلفاء ہوں گے کثیر تعداد میں۔عرض کیا آپ ان کے بارے میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا جو پہلے خلیفہ ہو جائے اس کی بیعت کو پورا کرنا پھر اس کے بعد جو پہلے خلیفہ ہو جو ان کا حق (اطاعت) ہے انہیں ادا کرنا اس لیے کہ اللہ ان سے تمہارے حق کے بارے میں خود پوچھے گا۔"

سیاستِ انبیاء کی وضاحت ہو چکی ہے کہ انبیاء کی حکمرانی کا مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر ، احکامِ الٰہی کا نفاذ اور عدل کا قیام ہے۔خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے مقاصد بھی یہی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ گورنر یمن کے نام مکتوب گرامی میں ریاست سے متعلق اہم امور اور حاکم کی تمام اہم ذمہ داریوں کو بیان کر کے مقاصدِ خلافت کو واضح کر دیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد النبی کی جانب سے یہ تحریر عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کو دی جاتی ہے جو ان کو یمن بھیجتے ہوئے لکھی گئی۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ﴾

(اے ایمان والو! اپنے عہدہ پیمان کو پورا کرو!) میں ان کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے ہیں، اس لئے کہ:

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴾

(اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور نیکی کو اختیار کرتے ہیں) میں نے عمرو بن حزمؓ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کے حق کو وصول کریں، لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور ان کو نیک کاموں کا حکم دیں۔ قرآن مجید کی تعلیم دین کے ارکان سمجھائیں، قرآن شریف کو صرف وہ شخص ہاتھ لگائے جو پاک ہو لوگوں کو برائیوں سے روکا جائے اور انہیں ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے، نیکی کا حکم دینے میں لوگوں کے ساتھ نرمی کی جائے، مگر جو ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہو اس پر سختی کرنے میں تامل نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا، اس نے ظلم سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، خدا ظالموں پر لعنت بھیجتا ہے۔

لوگوں کو جنت میں لے جانے والے اعمال اور طریقہ بتلائے جائیں اور ان کاموں سے ان کو متنبہ کیا جائے جو انسان کو دوزخ میں پہنچا دینے والے ہیں۔ سب لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے تاکہ وہ دین کے ارکان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ حج کے ارکان بھی تفصیل کے ساتھ بتلائے جائیں اور فرض وسنت کو واضح طور پر بیان کیا جائے حج اور عمرے کے متعلق اللہ نے جو احکام دیے ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

لوگوں کو ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے سے روکا جائے جس میں بدن ڈھکا ہوا نہ ہو اور نماز میں شرمناک مقامات کے کھل جانے کا اندیشہ ہو، وضو کے احکام پوری تشریح کے ساتھ بتائے جائیں، مقررہ اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ رکوع کو پوری طرح ادا کیا جائے اور نماز میں دل میں رقت ہونی چاہیے، فجر کی نماز علی الصباح پڑھی جائے۔...... جمعہ کی نماز کے لیے حکم دیا جاتا ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو فوراً تیزی کیساتھ نماز کے لیے چل دینا چاہیے اور جمعہ کی نماز کو جانے سے پہلے غسل کر لینا چاہیے۔ مالِ غنیمت میں سے اللہ کا خمس (پانچواں حصہ) ادا کیا جائے، ہر مسلمان سے زمین کی پیداوار پر بقدر عشر (دسواں حصہ) لگان وصول کیا جائے، یہ مقدار عشر اس زمین

پر ہے جو بارش یا چشمے سے سیراب ہوتی ہو جو ڈول سے سیراب کی جائے اس پر نصف عشر لیا جائے۔ مویشیوں میں دس اونٹوں پر دو بکریاں لی جایں اور بیس اونٹوں پر چار بکریاں، چالیس گایوں پر ایک گائے اور تیس گایوں پر ایک بچھڑا، چالیس بکریوں پر ایک بکری۔ یہ مقدار اللہ کی جانب سے مسلمانوں پر زکوٰۃ کے لیے فرض کی گئی ہے، جو اس سے زیادہ دے گا وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

جنگِ خدائے واحد کے لیے کی جائے اور جو خدا کے بجائے محض قبیلے اور خاندان کے نام پر لوگوں کو جنگ کی دعوت دے، ایسے فساد برپا کرنے والے کو ختم کر دینا چاہیے۔ جنگ کے لیے دعوت صرف خدائے واحد کے لیے ہے۔ جو یہود یا عیسائی اپنی خوشی اور خلوصِ دل سے مسلمان ہو جائے اور اللہ کے دین کو قبول کرے وہ مسلمان ہے، اس کے حقوق اور فرائض وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اور جو شخص اپنے یہودی یا عیسائی مذہب پر قائم رہے اسے ہرگز مذہب بدلنے کے لیے کسی طرح مجبور نہ کیا جائے۔ البتہ ان کے ہر بالغ شخص پر ایک دینار جزیہ مقرر کیا جائے، جو سالانہ نقد یا جنس کی صورت میں وصول کیا جائے، اس قیمت کا کپڑا بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔ جو اس رقم کے دینے سے انکار کرے اسے اللہ کے رسول ﷺ کا اور تمام مسلمانوں کا دشمن سمجھا جائے۔ (۱۴)

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

مندرجہ بالا مکتوب گرامی میں آپ ﷺ نے تمام اہم امور امر بالمعروف و نہی عن المنکر، قرآنی تعلیمات کی اشاعت، عدل و انصاف، عبادات وارکان اسلام کا قیام، نظامِ زکوٰۃ اور خارجی جہاد (نظام جہاد) وغیرہ کو بیان فرما دیا ہے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ انہی امور کا قیام اسلامی ریاست کا مقصد ہے۔

۵۔ امت کی اجتماعیت کا قیام

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے خلیفہ بننے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں خلیفہ بنانے کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔

"قد استخلف اللّٰہ علیکم خلیفه لیجمع به الفتکم و یقیم به کلمتکم." (۱۵)

"اللہ نے تم پر خلیفہ بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا اتحاد رہے اور تمہارا

کلمہ (مرکزیت) قائم رہے۔"

٦۔نظامِ عبادات کا قیام

انسان کی تخلیق کا اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا اور اس کی عبادت کرنا ہے۔اس لیے عبادات کے باقاعدہ نظام کی تشکیل خلافت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ کو آئمہ ھدٰی بنایا ہے، تاکہ وہ اس کے احکامات کے مطابق عبادات پر عمل درآمد کرائیں۔

﴿ وَجَعَلۡنٰهُمۡ أَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِأَمۡرِنَا وَأَوۡحَيۡنَا إِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرَاتِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيۡتَاءِ الزَّكٰوةِ وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ ﴾

(الانبیاء: ٧٣)

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" اي رؤساً يقتدى بهم في الخيرات واعمال الطاعات ومعنىٰ بامرنا اي بما انزلنا عليهم من الوحي والامرو النهي فكانه قال يهدون بكتابنا .[١٠]

"یعنی ہم نے انہیں سردار (حکمران) بنایا ہے کہ اچھے کاموں اور فرماں برداری والے اعمال میں ان کی پیروی کی جاتی ہے۔بِاَمۡرِنَا کا معنیٰ ہے کہ جو وحی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے احکامات ہم نے نازل کیے، گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ہماری کتاب کے ساتھ راہنمائی کرتے ہیں۔"

٧۔نظامِ احتساب کا قیام

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنۡ اَمَرَ بالمعروفِ اَوۡنهى عَنِ المنكر فَهُو خليفة الله في اَرۡضِهٖ وخليفةِ رَسُولِهٖ وَخَليفَة كِتَابِهٖ .[١٢]

"جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ زمین میں اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے۔"

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

اما الحسبة فهی وظیفة " دینیة " من باب الامر بالمعروف والنهی عن المنكر الذی هو فرضٌ علی القائم امور المسلمین یعین لذلک من یراہ اهلاً لـه فیتعین فرضة علیه ویتخذ الاعوان علیٰ ذلک ویبحث عن المنكرات ویعزّر ویؤدبّ علیٰ قدرها .(مقدمه ابن خلدون : ص ۲۲۵)

۸۔نظامِ جہاد کا قیام

حضرت علیؓ نے فرمایا:

" قال علیؓ الامام انما جعل لیقیم للنّاس الصّلٰوۃ و یاخذ صدقاتهم ویقیم حدودهم یمضی احکامهم ویجاهد عدوهم وهذه کلها عقود ولا یخاطب بهامن لم یبلغ اومن لا یعقل."[۱۹]

"یعنی حضرت المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ امام (خلیفہ) اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ وہ نظامِ صلوۃ کو قائم کرے۔صدقات وصول کرے۔ حدود قائم کرے۔ احکام کا نفاذ کرے۔دشمنوں (کفار) سے جہاد کرے۔ یہ تمام امورعقود (معاملات) ہیں اوران کا مخاطب نابالغ اور غیر عاقل نہیں ہے۔"

۹۔نظامِ اقتصاد کا قیام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم انصاریؓ گورنر یمن کے نام مکتوب گرامی میں ریاست سے متعلق اہم اموراور حاکم کی تمام اہم ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے نظام اقصاد کو اس طرح بیان کیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول محمد النبی کی جانب سے یہ تحریر عمرو بن حزم انصاریؓ کو دی جاتی ہے جو ان کو یمن بھیجتے ہوئے لکھی گئی۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾

(اے ایمان والو! اپنے عہدہ پیمان کو پورا کرو!) میں ان کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے ہیں،اس لئے کہ:

﴿ فَاِنَّ اللّٰه مَعَ الّذِیْنَ اتَّقَوْ وَالَّذِیْنَ هُمْ محسنون ﴾

(اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور نیکی کو اختیار کرتے ہیں) میں

نے عمرو بن حزمؓ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کے حق کو وصول کریں، لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور ان کو نیک کاموں کا حکم دیں۔قرآن مجید کی تعلیم دین کے ارکان سمجھائیں، قرآن شریف کو صرف وہ شخص ہاتھ لگائے جو پاک ہو لوگوں کو برائیوں سے روکا جائے اور انہیں ان کے حقوق وفرائض سے آگاہ کیا جائے، نیکی کا حکم دینے میں لوگوں کے ساتھ نرمی کی جائے، مگر جو ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہو اس پر سختی کرنے میں تامل نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا، اس نے ظلم سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، خدا ظالموں پر لعنت بھیجتا ہے۔.....مالِ غنیمت میں سے اللہ کا خمس (پانچواں حصہ) ادا کیا جائے، ہر مسلمان سے زمین کی پیداوار پر بقدر عشر (دسواں حصہ) لگان وصول کیا جائے، یہ مقدار عشر اس زمین پر ہے جو بارش یا چشمے سے سیراب ہوتی ہو جو ڈول سے سیراب کی جائے اس پر نصف عشر لیا جائے۔مویشیوں میں دس اونٹوں پر دو بکریاں لی جایں اور بیس اونٹوں پر چار بکریاں، چالیس گایوں پر ایک گائے اور تیس گایوں پر ایک بچھڑا، چالیس بکریوں پر ایک بکری۔یہ مقدار اللہ کی جانب سے مسلمانوں پر زکوٰۃ کے لیے فرض کی گئی ہے، جو اس سے زیادہ دے گا وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

۱۰۔عدالتی نظام کا قیام

عوام کو بروقت عدل وانصاف فراہم کرنا خلافت کا بنیادی مقصد ہے تاکہ وہ امن وامان کے ساتھ اور فتنہ وفساد سے محفوظ ہو کر پرسکون زندگی گزار سکیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو عدل وانصاف کے قیام کے لیے خلافتِ ارضی سے نوازا تھا۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ [ص: ۲۶]

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

”إنا جعلنك مالكا للناس ونافذ الحكم فيهم فبهذا التاويل سيمى خليفة ومنه يقال خلفأ الله فى الارض وحاصله‘ ان خليفة الرجل يكون نافذ الحكم فى رعيته .“[۵]

”یعنی ہم نے آپ کو لوگوں کا بادشاہ اور ان میں حکم نافذ کرنے والا بنایا ہے۔اس معنیٰ کے لحاظ سے اسے خلیفہ کا نام دیا گیا۔اس سے خلف اللہ فی الارض (زمین سے اللہ کے

خلیفہ) ماخوذ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کسی آدمی کا خلیفہ، رعیت میں حکم نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔"

امام ابن جوزی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" خلیفةً فی الارض، اي تدبّر امر العباد من قبلنا بامرنا فکانّک خلیفةً عنا ."[۱۲]

"(اے داؤد! ہم نے تم کو خلیفہ بنایا) یعنی تو ہمارے حکم سے، ہماری طرف سے بندوں کے امور (اجتماعی معاملات) کی تدبیر (انتظام) کرتا ہے پس تو گویا کہ ہمارا خلیفہ ہے۔"

مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ خلافتِ ارضی کا مقصد قیامِ عدل، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور احکام الٰہی کے مطابق رعیت کے امور کا انتظام کرنا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ تہامہ والوں کو مکتوب گرامی تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد النبی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے...... خدا کے آزاد بندوں کے نام!

جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ غلامی سے آزاد ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حاکم ہیں، ان کو بحران کے قبیلوں میں واپس نہیں کیا جائے گا اور نہ سابقہ جرائم پر ان سے کوئی باز پرس کی جائے گی۔ جن لوگوں پر ان کا قرض واجب ہوگا وہ ان کو دلایا جائے گا۔ ان لوگوں پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی نہیں کی جائے گی۔ مذکورہ بالا امور پر ان لوگوں کے لیے جو اسلام لائیں اللہ اور محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے۔[۱۳]

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا مکتوب میں واضح فرما دیا کہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے گا اور ان پر اسلامی حکومت کی طرف سے کسی قسم کا ظلم وستم اور زیادتی نہ کی جائے گی کیونکہ عدل وانصاف کی بروقت خرابی اور رعایا کو ظلم وزیادتی سے محفوظ رکھنا اسلامی نظام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تقرر خلیفہ کے بارے میں مشاورت کرتے ہوئے حضرت المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

" لئن امّرتک لتعدلنّ ولئن امرت عثمان لتسمعنّ ."(۱۸)

''یعنی اگر میں تجھے خلیفہ بناؤں تو تم عدل (سے حکومت) کرو گے اور اگر عثمان کو بناؤں تو اطاعت کرو گے۔''

حضرت سلمانؓ خلیفہ و بادشاہ میں فرق بیان کرتے ہوئے خلیفہ کے قیام کے مقاصد کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

عن عمر ابن الخطاب انه سال طلحة والزبير وكعباً و سَلمانَ ما الخليفة من الملک فقال طلتحه الزبير ماندریُ فقال سلمان الخليفة الذی يعدلُ فی الرعية ويقسم بينَهم بالسوية ويشفق عليهم شفقة الرهل على اهله' ويقضی بكتاب اللّٰه فقال كعبٌ ماكنت احسب ان فی المجلس احدًا يعرِف الخليفةَ من الملک غيری . (۲۰)

''عمرؓ بن الخطاب سے مروی ہے کہ انہوں نے سوال کیا طلحہؓ اور زبیرؓ اور کعبؓ اور سلمانؓ سے کہ خلیفہ اور ملک (یعنی بادشاہ) میں کیا فرق ہے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے کہا ہم نہیں جانتے۔ پھر سلمانؓ نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور ان کے درمیان برابر کی تقسیم کرے اور لوگوں میں عدل کرے اور لوگوں پر ایسی شفقت کرے جیسی کوئی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔ اس کے بعد کعب نے کہا کہ میں نہیں گمان کرتا تھا کہ اس مجلس میں کوئی میرے سوا خلیفہ اور ملک کے فرق کو پہنچانتا ہے۔''

۱۱۔ نظامِ تعلیم کا قیام

حضرت عمرؓ ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

" وانی اشهداللّٰه على امرأ الامصار انی انما بعثتهم ليعلّموا الناس دينهم ويبينو الهم سنةنبيهم ﷺ وير فعوالی ما عمی عليهم ." (۱۷)

''یعنی مَیں شہروں کے امراء پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں اس لئے بھیجا ہے تاکہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں۔ ان کے سامنے سنت کو بیان کریں اور جو معاملہ مشکل ہو میرے پاس لے آئیں۔''

مقاصدِ خلافت اقوالِ فقہاء کی روشنی میں

(ا) امام الحرمینؒ کے نزدیک مقاصدِ خلافت درجِ ذیل ہیں۔

۱۔ حفظ الحوزۃ۔ مرکزِ اسلام کی حفاظت

۲۔ رعایۃ الرعیۃ۔ رعیت کی نگرانی

۳۔ اقامتِ دعوت دلائل اور تلوار کے ساتھ

٤۔ خوف اور ظلم کو روکنا

۵۔ ظالموں سے مظلوموں کو انصاف دلانا اور حقوق چھیننے والوں سے حقوق لے کر مستحقین کو دینا۔ (۲۱)

آگے چل کر حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی خلافت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فخلفهُ ابو بكر الصديقؓ ليد عوالى الله دعأه ويقرر من مصالح الدنيا ومرا شدها وينتحى فى استصلاح العباد انتحأه. (۲۲)

سیدنا ابوبکر الصدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہوئے تاکہ لوگوں کو کامل طریقہ سے اللہ کی طرف بلائیں اور دنیوی مصالح اور مراشد (سیدھے راستے) کو برقرار رکھیں اور لوگوں کی اصلاح میں بھرپور کوشش کریں۔

(ب) امام ماوردی نے الاحکام السلطانیہ کے خطبہ میں مقاصدِ خلافت کو یوں بیان کیا ہے:

اما بعد فان اللّٰه جلت قدرته ندب للامة زعيماً خلف به النبوة وحاط به الملة وفوض اليه السياسة ليصدر التدبير عن دين مشروع و تجتمع الكلمة على راى متبوع فكانت الامامة اصلا عليه استقرت قواعد الملة و انتظمت به مصالح الامة حتى استثبتت بها الامور العامة وصدرت عنها الولايات الخاصة. (۲۳)

''اما بعد! اللہ کی قدرت بڑی ہے، اس نے امت (محمدیہ) کے لیے اپنا سردار کا ہونا مندوب کیا ہے جو نبوت کا جانشین ہے، ملت، سیاست اس کے سپرد کی ہے تاکہ شریعت کی تدبیر ہو، ایک ہی رائے پر اتفاق ہو، پس امامت ایسی بنیاد ہے جس پر ملت کے قواعد کا استقرار اور اسی سے امت کے مصالح کا نظم قائم ہوتا ہے حتیٰ کہ اس سے عمومی امور اور اسی

سے ولایاتِ خاصہ کا صدور ہوتا ہے۔''

امام ابن حزم لکھتے ہیں:

ان الامة واجب علیها الانقیاد لامام عادل یقیم فیهم احکام اللّٰه ویسوسهم باحکام الشریعة التی اتیٰ بها رسول اللّٰه ﷺ. (۲۵)

''یعنی امت پر عادل خلیفہ کی فرمانبرداری لازم ہے جو ان میں احکامِ الٰہی کو قائم کرتا ہے اور احکامِ شریعت جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں، ان کے نفاذ کا انتظام کرتا ہے۔''

(ج) حضرت شاہ صاحب مقاصدِ خلافت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب رسول ﷺ تمام مخلوق کے لئے مبعوث ہوئے تو مخلوق کے ساتھ معاملات و تصرفات فرمائے اور ان امور کے لیے نائبین مقرر کیے۔ ان معاملات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد اقامتِ دین ہے اور باقی تمام امور اس کے تحت ہیں۔

۱۔ علومِ دینیہ کی اشاعت جیسے قرآن وسنت کی تعلیم اور وعظ ونصیحت کرنا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ﴾(الجمعة: ۲)

۲۔ اقامتِ ارکانِ اسلام یعنی جمعہ، عیدین، پنج وقتی جماعت کی امامت خود کرنا اور دوسرے مقامات پر امام مقرر کرنا۔ زکوٰۃ کی وصولی اور مصارف میں خرچ کرنا، ہلال رمضان و ہلالِ عید کی رؤیت پر شہادت سننا اور روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا حکم کرنا۔ حج کا انتظام اور اس کی امارت خود کرنا یا نائب مقرر کرنا۔

۳۔ جہاد اور متعلقاتِ جہاد کا قیام

۴۔ مقدمات کا فیصلہ کرنا، قاضیوں کا تقرر اور اقامتِ حدود

۵۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا۔ (۲۶)

(د) حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ مقاصدِ خلافت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

''باید دانست کہ سیاست دریں مقام عبارت است از تربیت بندگان الٰہی بر قانون اصلاح معاش ومعاد بطریق امامت وحکومت۔''(۲۷)

''سیاست سے مراد بندگانِ الٰہی کی اصلاحِ معاش و معاد کے قوانین کے مطابق، امامت وحکومت کے طریق سے تربیت کرنا ہے۔''

حوالہ جات: باب مقاصدِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
۱۔	ازالۃ الخفاء	۴۳۰/۱
۲۔	زاد المسیر	۵۱/۱۔۵۲
۳۔	تفسیر البغوی	۶۰/۱
۴۔	روح المعانی	۲۲۰/۱
۵۔	اصول الدین	۲۷۱
۶۔	التفسیر الکبیر	۳۸۶/۹
۷۔	زاد المسیر	۲۰/۷
۸۔	ازالۃ الخفاء	۸۴/۱
۹۔	التفسیر الکبیر	۲۳۰/۸
۱۰۔	التفسیر المظھری	۳۳۱/۶
۱۱۔	ازالۃ الخفاء	۸۹/۱
۱۲۔	الجامع لاحکام القرآن	۲۱۳/۱۱
۱۳۔	الصحیح البخاري کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل	-
۱۴۔	الجامع لاحکام القرآن	۴۵/۴
۱۵۔	مکتوباتِ نبوی	۱۵۴
۱۶۔	مکتوباتِ نبوی	۲۱۶
۱۷۔	الامامۃ والسیاسۃ خطبۂ ابي بکرؓ	۱۶
۱۸۔	ازالۃ الخفاء	۱۴۸/۴
۱۹۔	ازالۃ الخفاء	۲۲۶/۱
۲۰۔	مسند احمد ثانی حدیث ۸۹	۱۹۳

۲۱۔ الـصـحيـح البـخاري كتاب المناقب باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفانؓ

۲۲۔ المحلی لابن حزم ١/٤٥ـ ٤٦

۲۳۔ ازالة الخفاء ٢/٢٢٢

۲۴۔ غیاثی ٢٢

۲۵۔ غیاثی ١٨٣

۲۶۔ غیاثی ١٨٣

۲۷۔ الاحكام السلطانيه للماوردي ٣ـ ٤

۲۸۔ الفصل چهارم صـ ٨٧ بحواله اسلام كا سياسى نظام ٦٥ـ ٦٦

۲۹۔ ازالة الخفاء ١٣ـ ١٤

۳۰۔ منصبِ امامت ٣٠

بابِ ثالث

اصولِ خلافت

دنیا کے ہر نظام خواہ جدید ہو یا قدیم، کے کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں جن پر اس نظام کی تعمیر ہوتی ہے۔ ان اصولوں پر عمل درآمد سے نظام کی ترقی ہوتی ہے اور ان سے انحراف نظام کے انہدام کا باعث ہوتا ہے۔ نظام خلافت کے بھی کچھ بنیادی اصول ہیں جو اس کو دنیا کے ہر سیاسی نظام سے ممتاز اور جدا کر دیتے ہیں۔ اسلام کا سیاسی نظام، اسلامی نظام حیات کا ایک حصہ اور اس کی شاخ ہے۔ اس کا مرکزِ فکر وہی ہے جو کل یعنی مجموعی نظامِ حیات کا ہے۔ نظامِ خلافت کے بنیادی اصول چار ہیں:

۱۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ۲۔ قانون شریعت کا

۳۔ شورائیت ۴۔ وحدتِ خلیفہ

مذکورہ چار بنیادی اصولوں کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

أصلِ اوّل

مقتدرِ اعلیٰ (حاکمِ حقیقی) اللہ تعالیٰ

مقتدرِ اعلیٰ سیاسی نظام کا مرکزی حصہ ہوتا ہے جس کے گرد پورا نظام گردش کرتا ہے۔ مقتدرِ اعلیٰ کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا جواب اس پر منحصر ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کسے حاصل ہے؟

اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف

وہ اقتدار جس کے اوپر کوئی اقتدار نہ ہو۔ وہ بالادست طاقت جس سے بالا کوئی طاقت نہ ہو، اقتدارِ اعلیٰ ہے اور وہ ہستی جو اس اقتدار کی مالک ہو مقتدرِ اعلیٰ کہلاتی ہے۔ سلطنت وحکومت میں اقتدارِ اعلیٰ سب سے بلند منصب اور مقتدرِ اعلیٰ سب سے برتر ہستی ہے۔

اسلامی سیاسی نظام میں مقتدرِ اعلیٰ

اقتدارِ اعلیٰ کے حوالہ سے نظام خلافت دنیا کے ہر سیاسی نظام سے بالکل منفرد اور ممتاز ہے۔ نظام خلافت کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے۔ عقیدہ توحید کے مطابق ہر چیز کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں۔ حقیقی رب ذات خداوندی ہے۔ اس کی بندگی کا اقرار انسان کی فطرت ہے، جس کا یہ تقاضہ ہے کہ انسان

انفرادی زندگی کی طرح اجتماعی زندگی بھی اپنے خالق و مالک کے احکام اور اس کی مرضی کے مطابق گزارے۔ نظام خلافت عین فطرت انسانی ہے اور جس طرح انفرادی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ذات خالق و مالک ہے اجتماعی زندگی میں بھی اسی خالق و مالک کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہے۔ یہی مقتدرِ اعلیٰ اعتقاد کا مرکز، اعمال کا محور، ضابطہ و دستور کا سرچشمہ، سیاست وسلطنت کا مبداء اور حاکمیت کا مرجع ہے۔ اسلامی حکومت میں ذاتِ خداوندی کی واحد ہستی ہی مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت حقیقی کو بالکل واضح بیان کیا گیا ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ (الرعد)

''کہہ دو ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ یکتا زبردست ہے۔''

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ہ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾

(الرحمن : ۱ـ۲ـ۳)

''رحمٰن ہی نے قرآن سکھایا اس نے انسان کو پیدا کر کے بولنا سکھایا۔''

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الفاتحه : ۱)

''کائنات وانسان کا خالق ورب کائنات کا مالک و بادشاہ ہے۔''

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الشوریٰ)

''اللہ ہی کا راج ہے آسمانوں اور زمین میں۔''

اقتدارِ اعلیٰ کی قرآنی اصطلاح

قرآن پاک میں اقتدارِ اعلیٰ کے لیے المَلِک کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

﴿ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ﴾ (طه : ۱۱۴)

''وہ بادشاہ برحق بلندتر ہے۔''

قرآنی اصطلاحات کے سب سے بڑے عالم الامام راغبؒ لکھتے ہیں:

'' المَلِک هو المتصرف بالا مر والنهی فی الجمهور .... الملک اسم لکل من یملک السیاسة .''[۱]

''جمہور (عوام ورعیت) میں امرونہی (احکام دینے) کے لیے حاکمانہ تصرف کرنا حکومت ہے..... حاکم اعلیٰ وہ ہستی ہے جو سیاسی امور کی مالک ہو۔''

اسی طرح ملکوت کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَوَلَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ ﴾ (الاعراف : ۱۸۵)

''کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کی طرف نظر نہیں کی۔''

امام راغب ملکوت کے معنی لکھتے ہیں:

'' والملکوت مختص بملک اللّٰہ تعالیٰ .''[۲]

''بادشاہی اللہ تعالیٰ کے ملک کے ساتھ خاص ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی بادشاہت

جس طرح تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس طرح بادشاہت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

﴿ اَلَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَداً وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡراً ﴾

(الفرقان : ۲)

''وہ ذات کہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں اس کا شریک رہا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک اندازہ پر کھڑا دیا۔''

اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کے بادشاہ ہیں اور ان کی بادشاہت میں کسی دوسرے کو شریک ماننا، بنانا شرک ہے جو فطرت انسانی کے خلاف اور مالک کائنات سے بغاوت کے مرادف ہے۔ جس طرح اللہ پاک خالق و مالک اور بادشاہ ہیں اسی طرح حکومت و اقتدار بھی انہی کے پاس ہے۔

﴿ اَلاَ لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾

(الاعراف : ۴)

''خبردار اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم دینا مبارک ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جہاں کا پرورش کرنے والا ہے۔''

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" وهو الذی دبرها و صرفها علی حسب ارادته ." (۳)

"اللہ کی ذات ہی اپنے ارادے کے مطابق اس کی تدبیر کرتی اور اس میں تصرف کرتی ہے۔"

اسلام کی حکومت عرشِ عظیم کے فرمانروا کی حکومت ہے جو سب سے اعلیٰ اور بالا دست ہے۔

﴿ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴾ (غافر : ۱۲)

"حکم اللہ ہی کے لیے ہے جو حاکم حقیقی (مقتدرِ اعلیٰ) ہے۔"

حاکم حقیقی (مقتدرِ اعلیٰ) اللہ تعالیٰ ہیں

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ﴾ (یوسف : ۴۰)

ترجمہ: "حکومت خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں۔"

امام ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

" ثم اخبرهم انّ الحكم و التصرف و المشيئة و الملک كله لله." (۴)

"پھر انہیں بتایا کہ حکم، تصرف، مرضی اور بادشاہت تمام کی تمام اللہ کی ہے۔"

غیر اللہ حاکم نہیں بن سکتا ہے:

﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴾ (الانعام : ۱۱۴)

"(اے نبی ﷺ ان سے) پوچھ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو منصف بناؤں حالانکہ اس اللہ نے تو تمہارے پاس کھلی ہوئی کتاب بھیج دی ہے۔"

علامہ آلوسی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" اي قل لهم يا محمد ! أأميل الیٰ زخارف الشيطٰن او اعدل عن الطريق المستقيم فاطلب حكمًا غير الله تعالیٰ يحكم بيني وبينكم ويفصل الحق منا من الباطل ." (۵)

"یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! انہیں کہہ دیجیے کہ کیا میں شیطان کی باطل چیزوں کی طرف مائل ہو جاؤں یا سیدھے راستے سے ہٹ جاؤں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں جو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے اور ہم میں حق اور باطل کی تفریق کرے؟"

اللہ پاک ہی احکم الحاکمین اور مقتدرِ اعلیٰ ہیں

اللہ تعالیٰ ہی مقتدرِ اعلیٰ ہیں جس کی اطاعت وفرمانبرداری تمام انسانوں پر فرض ہے وہی حاکم حقیقی ہے۔اس کی حاکمیت وفرمانروائی میں کسی کو شریک کرنا سیاسی شرک ہے اور یہ اسلام کے عقیدہ توحید سے متصادم ہے۔

﴿ وَلاَ يُشْرِکُ فِیُ حُکْمِهٖ أَحَداً ﴾ (الکھف : ۲۶)

''اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔''

امام ابن جوزی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

'' ولا یجوز ان یحکم حاکم بغیر ماحکم به ولیس لاحدٍ ان یحکم من ذات نفسه فیکون شریکً للّٰه عزوجل فی حکمه.''[٦]

''یعنی کسی حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے علاوہ کسی بات کا حکم دے اور نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی طرف سے حکم دے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی حاکمیت میں شریک بن جائے گا۔''

﴿ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴾ (التین : ۸)

''پھر کیا اللہ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟'' (ضرور ہے)

امام ابن جوزیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' اي باقضی القاضین .''[٧]

''تمام منصفوں سے بڑا منصف۔''

امام ابن جریر طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یقول تعالیٰ ذکرہ ألیس اللّٰه یا محمد باحکم من حکم فی احکامه وفعل قضائه بین عبادہ وکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا قرء ذلک فیما بلغنا قال بلیٰ .[٨]

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا اللہ تعالیٰ اپنے احکام کے حکم کرنے اور اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں سب سے زیادہ حاکم نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے کیوں نہیں۔''

انبیاء علیہم السلام کے نزدیک اقتدارِ اعلیٰ

خالق کائنات کے نمائندے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام جس نظریہ حکومت کو پیش کرتے رہے ہیں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ ہی سے رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے عظیم نبی تھے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴾ (الانعام: ۷۵)

''اور ہم اسی طرح سے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھانے لگے تاکہ اور ان کو یقین کامل ہو جائے۔''

ملکوت کا معنی امام راغب کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو درخواست پیش کرتے ہیں:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ ﴾

(الشعراء: ۸۳)

''اے رب مجھے حکمت عطا کر اور مجھے شائستہ لوگوں میں ملا دے۔''

فرمانِ خداوندی اور ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے یہ معلوم ہو گیا کہ اقتدار اور اختیار کا سرچشمہ خدا کی بالادست ہستی ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی قوم کو دعوت دی۔

﴿ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ (العنكبوت: ۱۶)

''اور ابراہیم جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کیا کرو اور اس سے ڈرا کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر خبر رکھتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ کا اقتدارِ اعلیٰ عین فطرتِ انسانی ہے

اللہ تعالیٰ کو مقتدرِ اعلیٰ ماننا عین فطرت انسانی ہے۔ اگر انسانی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو اور عقل سلیم خواہشات کے تابع نہ ہو تو انسان اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے اقتدار کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ کتنی ناانصافی اور کتنا بڑا ظلم ہے کہ حقیقی مقتدرِ اعلیٰ کو چھوڑ کر ہم کسی فرضی مقتدرِ اعلیٰ کے آگے سر اطاعت خم کریں، لیکن ہوا پرست انسان اپنے مالک سے بغاوت اور فطرت سے جنگ کرتا ہے اور اپنے جیسے انسانوں کو حقیقی مقتدرِ اعلیٰ کے مد مقابل لا کھڑا کرتا ہے دنیا میں مختلف سیاسی

نظام غیر اللہ کو اقتدار و اختیار کا مرکز مانتے ہیں جو کہ نا قابل فہم اور خلاف عقل ہے۔ اللہ پاک نے اس کی واضح تردید کی ہے (جیسا کہ ماقبل آیات سے واضح ہو چکا ہے) اور ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا قَدَرُوْ اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ (الانعام : ۹۱)

''اور ان یہود نے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی قدر کرنی چاہیے تھی کچھ بھی نہ کی۔''

مقتدرِ اعلیٰ ثبوت از روئے سنت

جس طرح کتاب اللہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ باری تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اسی طرح سنت میں بھی یہ واضح کیا گیا ہے کہ حقیقی حاکمِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہیں۔

سنتِ قولیہ

۱۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عَنْ اَبِي هريرة قال بينا نحن فى المسجد خرج النبي ﷺ فقال انطلقو ا الى يهود فخرجنامعه حتى جئنابيت المدراس فقام النبى ﷺ فناداهم يا معشر اليهود اسلمواتسلموا فقالوا قد بَلّغت يا ابا القاسم فقا ل اريداسلمو اتسلموا فقالوا قد بَلّغَت يا ابا القاسم فقال لهم رسول اللّٰه ﷺ ذلك اريد ثم قالها الثالثة فقال اعلمو اانما الارض للّٰه ولرسو له وانى اريد ان اجلِيَكم مِن هذِه الارض فمن وَجَدَ منكم بماله شيئا ءَ فليبعه والا فاعلموا انماالارض للّٰه ولرسوله . (۹)

''حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ (گھر) سے تشریف لائے۔ فرمایا یہودیوں کے پاس چلو۔ ہم آپ کے ساتھ چل پڑے۔ جب ان کے مدرسے کے پاس پہنچے تو آپؐ نے کھڑے ہو کر یہود کو آواز دی۔ اے گروہِ یہود! اسلام لے آؤ سلامتی سے رہو گے۔ انہوں نے کہا اے ابو قاسم آپ نے ہم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ آپؐ نے فرمایا میرا بھی یہی مقصد تھا (کہ تم اقرار کر لو کہ میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا) فرمایا اسلام قبول کرو سلامتی سے رہو گے۔ انہوں نے کہا اے ابو القاسم! آپ نے ہم تک پیغام پہنچا دیا۔ آپؐ نے فرمایا میرا بھی یہی مقصد تھا (کہ تم اقرار کر

لو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا) فرمایا اسلام قبول کرو سلامتی سے رہو گے۔
انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! آپ نے تبلیغ کر دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا میرا یہی مقصد تھا۔
پھر تیسری دفعہ وہی بات دوہرائی پھر فرمایا۔ اے یہود! خوب جان لو ساری زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ میں تمہیں اس زمین سے جلا وطن کرنے والا ہوں تم میں سے جس کسی کو مال کی قیمت ملے تو اس کو بیچ ڈالے۔ ورنہ جان لو زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث سے واضح ہو گیا ہے کہ دنیا میں حقیقی اقتدار صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ ان کے مقابلے میں کوئی مقتدرِ اعلیٰ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نائب اور آخری رسول ہیں۔

۲۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ منیٰ میں مختلف قبائل کے نمائندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ پھر ایک ایک قبیلے کے پاس تشریف لے گئے۔ ایک قبائلی شخص بجیرہ بن فراس نے سمجھا کہ آپؐ اپنی بادشاہت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس نے آپ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا اگر ہم تمہاری رعایا بن جائیں، تم سے تعاون کریں اور آپ اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تمہارے جانشین حکومت قرار دے جائیں؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا:

اَلْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ یَضَعُہٗ حَیْثُ یشاء . (۱۰)

''حکومت واقتدار اللہ کا ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔''

حکومت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان درجِ ذیل فرمانِ الٰہی کے عین مطابق ہے:

﴿ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الشوریٰ : ۴۹)

''اللہ ہی کی بادشاہت ہے آسمانوں اور زمینوں میں۔''

﴿ وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مَنْ یَّشَاءُ ﴾ (البقرۃ)

''اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔''

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے ہوذہ بن علی گورنر یمامہ کو خط کے ذریعے دعوتِ اسلام دی تو اس نے جواب میں لکھا جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں، وہ بہت اچھا دین ہے، لیکن میں اپنی قوم کا مشہور خطیب اور شاعر ہوں۔ اس لیے عرب میری بڑی عزت کرتے ہیں۔ اگر آپ مجھے اپنی حکومت میں شریک کر لیں تو آپؐ کی پیروی کے لیے تیار ہوں۔ آپؐ نے ہوذہ کے اس مطالبے کو مسترد کر

دیا۔(۱۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ مسیلمہ کذاب کا ہے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا کہ ''مجھے آپؐ کی نبوت کا شریک بنایا گیا ہے۔ آدھا ملک میرے لیے ہونا چاہیے۔'' رسول ﷺ نے جھوٹے مدعی نبوت کو جواب میں سورۃ الاعراف کی درج ذیل آیت لکھ کر بھیج دی:

﴿ فانّ الاَرضَ للّٰه یورثها مَنْ یّشاء من عِبَادِه وَالْعَاقِبةُ للمتّقین ﴾

''ملک تو سب اللہ ہی کا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر خدا سے ڈرنے والوں ہی کا ہے۔''(۱۲)

۴۔ عَنْ اَبیْ هُرَیرَةَ عَنْ النبي ﷺ قال : یقبض اللّٰه الارض یوم القیامة ویطویالسماءَ بیمینهُ ثم یقول اَنَا الملکُ اَیْنَ ملوک الارض؟ (۱۳)

''حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو داہنے ہاتھ پر لپیٹ لے گا۔ پھر فرمائے گا میں ہی بادشاہ (حقیقی فرمانروا) ہوں زمین کے بادشاہ (مجازی) کہاں گئے؟''

مندرجہ بالا حدیث سے واضح ہو گیا کہ حقیقی مقتدرِ اعلیٰ، حاکمِ اعلیٰ اور شہنشاہ اللہ تعالیٰ ہیں اور زمین میں بادشاہت کرنے والوں کی بادشاہت عارضی وفانی ہے۔ ابدی حاکمیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

۵۔ عبداللّٰه بن انیس قال سمعت النبی ﷺ یقول یحشر اللّٰه العباد فینادیهم بصوت یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب انا الملک انا الدیان . (۱۴)

''عبداللہ بن انیس سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ (قیامت کے دن) بندوں کو جمع کرے گا۔ پھر ان کو ایسی آواز کے ساتھ پکارے گا کہ قریب و دور اسے سنے گا۔ میں ہی بادشاہوں، میں ہی غالب ہوں۔''

۶۔ عَنْ معاذ بن حبلؓ قَال قال النبی ﷺ یا معاذ ! اتدری ماحق اللّٰه علیَ العباد قال اللّٰه ورسوله اعلم قال ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیأً اتدری ماحقهم علیه قال اللّٰه ورسله اعلم قال ان لّا یُعَذّبهم . (۱۵)

''معاذ بن جبل سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر

جانتے ہیں فرمایا: (اللہ کا حق یہ ہے) کہ وہ (بندے) اس کی اطاعت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔اے معاذ! کیا بندوں کا اللہ پر حق جانتا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔فرمایا یہ ہے کہ وہ انہیں (بندوں کو) عذاب نہ دے۔''

۸۔ عَنْ اَبی هُرَیرة قَال قَالَ النبی ﷺ قَالَ اللّٰه تَعَالیٰ یُؤذینی ابنُ آدم الدھر وانا الدھر بیدی الامرُ اقلّب اللّیل والنّھارَ . (۱۶)

''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ابن آدم (انسان) مجھے تکلیف پہنچاتا ہے کہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں زمانہ ہوں، میرے قبضے میں ہی تمام معاملہ (حکومت) ہے۔میں دن رات کو تبدیل کرتا رہتا ہوں۔''

مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی بادشاہ اور فرمانروا اللہ تعالیٰ ہیں۔زمین و آسمان کے خالق و مالک وہی ہیں۔دنیا میں انسانوں کی فرمانروائی عارضی اور فانی ہے۔اس کی حاکمیت اور اقتدار میں کسی کو شریک کرنا شرک اور اپنے خالق و مالک سے بغاوت اور فطرت سے انحراف ہے۔اسلام نے ہی نے سب سے پہلے یہ نکتہ انسان کے ذہن نشین کیا کہ حقیقی اور غیر متنازع فیہ حکومت کا سرچشمہ صرف خدائے واحد سبحانہ ہے اور اس حکومت کی عملی صورت وہ آسمانی شریعت ہے جس نے انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کا صحیح معیار قائم کیا ہے۔

مقتدرِ اعلیٰ کی خصوصیات

مقتدرِ اعلیٰ کی کون سی خصوصیات ہیں جن سے ہم اسے پہچان سکیں؟ قرآن عظیم کی رُو سے مقتدرِ اعلیٰ کی درجِ ذیل خصوصیات ہیں، جن سے ہم اسے پہچان سکتے ہیں:

۱۔ وحدتِ اقتدار ۲۔ قدرت علی الاطلاق
۳۔ بالادستی ٤۔ آزادی
۵۔ منزلت عامہ ٦۔ لازوال ودائمی زندگی

۱۔وحدتِ اقتدار

اسلامی نظام حکومت میں صاحب اقتدارِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) ہر حیثیت سے یگانہ ہے اور وحدت ذاتی کا مالک ہے۔

﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾ (إخلاص : ۱)

''(اے نبی ﷺ) کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔''

جب اس کی ذات میں وحدت ہے تو اس کے اقتدار میں وحدت ایک مسلم حقیقت ہے۔

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ﴾ (یوسف : ۴۰)

''حکومت بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی نہیں۔''

اس کے اقتدار و حاکمیت میں وحدت ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖٓ أَحَدًا ﴾ (الکهف : ۲۶)

''اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ ﴾ (الفرقان : ۲)

''اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں اس کا شریک رہا ہے۔''

ابوالبقاء لکھتے ہیں:

''وحدت نا قابل تقسیم اکائی ہے۔ وحدت کے معنی یہ ہیں کہ کثرت نہ ہو۔ باری تعالیٰ برتر حقیقی اور ذاتی وحدت کا مالک ہے۔ اس کی وحدت اقتدار و کمال کے لحاظ سے موثر ہے اور تمام انتظام کے دائرہ میں بغیر کسی شرکت کے کارفرما ہوتی ہے۔''[۱۷]

امام راغب الاصفہانی لکھتے ہیں:

اَلْوَحدة الانفراد والواحد فی الحقیقه هو الذی لاجزله البتة ...... وإذا وصف الله تعالیٰ بالواحد فمعناه هو الذی لایصح علیه التجزی والتکثر .[۱۸]

''یعنی وحدت یکتا ہونا ہے۔ درحقیقت واحد وہ ذات ہے جس کا یقینی طور پر کوئی جز نہ ہو جب اللہ تعالیٰ کو واحد کہا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذات ہے جس کی تقسیم اور کثرت نہ ہو۔''

۲۔قدرتِ عامہ

قدرت و اقتدار اور اختیارِ اعلیٰ و اقتدارِ اعلیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک چیز اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (آل عمران : ۱۸۹)

''اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

امام راغب لکھتے ہیں:

واذا وصف الله تعالیٰ بهافمن العجز عنه محال ارز وصف غير اله بالقدرة المطلقة معنى والقدير هو الفاعل لما يشاء على قدر ماتقتضى الحكم لا زائد عليه ولا ماقضا لحنه ولذلک لايصح ان يوصف به الا اللّٰه تعالیٰ . (۱۹)

یعنی اور جب قدرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہوں تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ عاجز نہیں۔ اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو معنوی طور پر مطلق قدرت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ قدیر وہ ہستی ہے جو حکمت کے مطابق جو چاہے کرے نہ تو زیادہ اور نہ کم۔ لہٰذا قدیر صرف اللہ تعالیٰ کو ہی کہا جا سکتا ہے

مندرجہ بالا وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی اقتدار واختیار اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد کو حاصل ہے۔

۳۔ بالادستی

اقتدارِ اعلیٰ سلطنت کے اندر ماتحت طاقت نہیں ہے بلکہ یہ سلطنت سے بھی بالا اور اس کی روح ہے، فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ ﴾ (طه : ۱۱۴)

''پس اللہ بادشاہ برحق ہے۔''

﴿ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴾ (غافر : ۱۲)

''بے شک وہی ہی عالیشان بزرگ ہے۔''

﴿ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ (التوبة : ۴۵)

''اور اللہ تعالیٰ ہی کی بات بلند ہے۔''

امام راغب لکھتے ہیں:

العلو ضد السفل ...... والعلّى هو الرفيع القدر من على وصف اللّٰه تعالیٰ به فى قوله وَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرِ ﴾ (الحج : ۶۲) ﴿ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهِ كَبِيراً ﴾ (النساء : ۳۴) فمعناه يعلو اَنْ يُحيطَ به وصف الواصفين بل علم العارفين وعلىٰ ذٰلک قال تعالیٰ نحو ﴿ فَتَعَالَى اللّٰهُ

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (النحل : ۹۳) وتخصيص لفظ التفاعل لمبالغة ذالک منه .[۲۰]

''یعنی بلند پستی کی ضد ہے۔ اللہ وہ ہے جس کی قدر و منزلت بلند ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وصف کو بیان کیا ہے ''اور بے شک اللہ ہی عالیشان بزرگ ہے'' اور ''بیشک اللہ تعالیٰ سب سے بڑا بالا دست ہے'' پس معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات بیان کرنے والوں کے بیان حتی کہ اہل معرفت کے علم سے بھی بلند ہے اس معنیٰ کو درج ذیل ارشادِ ربانی میں بیان کیا گیا ہے ''اللہ پاک مشرکین کی باتوں سے بلند ہے'' تفاعل کا فعل علو میں مبالغہ کے لیے خاص کیا گیا ہے۔''

اگر کوئی شخص اقتدارِ اعلیٰ و بالا دستی کا دعویٰ کرے گا تو اسلامی نظام حکومت اس کا مقابلہ و خاتمہ کرے گی، جیسے فرعون نے دعویٰ کیا تھا:

﴿ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى ﴾ [النازعٰت : ۲۴]

''میں ہی تمہارا بڑا معبود ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول کو بھیجا جنھوں نے آ کر اس کی ظاہری بادشاہت اور شان و شوکت کا خاتمہ کر دیا۔

٤۔آزادی

صاحبِ اقتدارِ اعلیٰ کو اپنے احکامات کے نفاذ و اجراء میں مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ مقتدرِ اعلیٰ کسی کے سامنے جوابدہ نہ ہو اور حکومت کا تمام نظام اس کے سامنے جوابدہ ہو۔ اسلامی نظام حکومت میں مقتدرِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) اپنے حکم میں مکمل آزاد ہے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

﴿ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَايَشَآءُ ﴾ (إبراهيم : ۲۷)

''اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اللہ پاک جو چاہتے ہیں حکم فرماتے ہیں:

﴿ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لاَ مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ﴾ (الرعد)

''اللہ تعالیٰ احکام کے جاری کرنے میں بااختیار ہیں، اُسے کوئی روکنے والا نہیں۔''

﴿ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَه، مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَلاَ فِي الْأَرْضِ إِنَّه، كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴾ (فاطر : ۴۴)

''اور اللہ ایسا بھی نہیں کہ اس کو آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز عاجز کر سکے کیوں کے وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔''

۵۔جلالتِ عامہ

صاحبِ اقتدارِ اعلیٰ کے لیے جلالت (عظمتِ عامہ) ایک ضروری عنصر ہے۔قرآن مقتدرِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کے لیے جلالتِ عامہ کا اعلان کرتا ہے:

﴿ ذُو الْجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ ﴾ (الرحمن : ۲۷)

''جلال اور بزرگی والا ہے۔''

امام راغب جلالت کا معنی لکھتے ہیں:

الجلالة عظم القدر والجلال بغير الهاء التناهي فی ذلک وخص بو صف اللّٰه تعالیٰ فقيل ﴿ ذُو الْجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ ﴾ ولم يستعمل فی غيره .[۲۱]

''جلالت کا معنیٰ ہے عظیم المرتبت ہونا۔الجلال بغیر ہا کے معنی ہے انتہائی عظمت اور یہ جلالت کا وصف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔''

٦۔حیاتِ دائمی

لازوال زندگی اور دائمی حیات اقتدارِ اعلیٰ کی خصوصیت ہے۔اسلام ایک زندہ اجتماعی نظام ہے۔ زندہ اجتماعی نظام کے لیے زندہ اقتدار کی ضرورت ہے۔اس ضرورت کی تکمیل صرف اسلامی نظام حکومت کا اقتدارِ اعلیٰ ہی کرسکتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد ہی زندگی کا اصل مرکز وسرچشمہ ہے وہی ہر چیز کو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے۔

﴿ اللَّهُ لاَ إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ﴾ (البقرة)

''اللہ کے سوا کوئی (بھی) معبود نہیں وہ زندہ قائم ہے۔''

قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے:

﴿ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ﴾ (البقرة : ۲۰۸)

''میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔''

امام راغب لکھتے ہیں:

" السادسة الحياة التی يو صف لها الباری فانّه اذا قيل فيه تعالیٰ " هو

حیٌّ " فمعناهُ لا یصحّ علیه الموتُ ولَیْسَ ذٰلک الا ّللّٰه عزّوجلّ . (۲۲)

''حیات کی چھٹی قسم وہ حیات ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حی (زندہ) ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس پر موت کا اطلاق صحیح نہیں ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔''

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہو گیا کہ لازوال و حقیقی حیات، حیاتِ باری تعالیٰ ہے اسلامی نظام حکومت کا مقتدرِ اعلیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسلامی حکومت اس کے ماتحت زندہ ہے۔ اگر مقتدرِ اعلیٰ کے نائبین (خلفاء) اس کو زندہ رکھنے کے لیے کوشاں رہیں گے تو یہ تا قیامت زندہ رہ سکتی ہے۔

مقتدرِ اعلیٰ کی نیابت

اقتدارِ اعلیٰ کی توضیح کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقتدرِ اعلیٰ کے احکام وقوانین کا نفاذ کس طرح ہوتا ہے؟ یعنی اس کی خارجی شکل کیا ہوتی ہے؟ اس سوال کا جواب لفظ خلافت سے مل جاتا ہے۔ خلافت کے معنیٰ نیابت و جانشینی کے ہیں۔ اللہ نے اشرف المخلوقات انسان کو اپنا نائب بنایا ہے کہ وہ دنیا میں اس کی نیابت کرتے ہوئے اس کے احکامات کا نفاذ کرے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ إِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ (البقرة)

''بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔''

علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ومعنیٰ کو نه خلیفة انه خلیفة الله فی ارضه وکذا کلّ نبی اسخلفهم فی عمارة الارض و سیاسة الناس وتکمیل نفوسهم وتنفیذ امره فیهم . (۲۳)

''اس کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خلیفہ بنایا زمین کی آبادی، لوگوں کے سیاسی امور کی انجام دہی، ان کے نفوس کی تکمیل اور ان کے اندر اپنے احکام کو نافذ کرنے کے لیے۔''

حقیقی خلفاء انبیاء کرام ہیں

ان خلفاء و جانشینوں میں سر فہرست انبیاء و مرسلین ہیں، جنہوں نے اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم میں احکاماتِ الٰہیہ کے نفاذ کی کوشش کی۔

﴿ یا دَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْأَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ﴾

(ص : ۲۶)

''اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں بادشاہ بنایا پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔''

حقیقی خلافت تو انہی حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو عطا کی گئی کہ انہوں نے براہِ راست مقتدرِ اعلیٰ سے احکام معلوم کر کے امت پر نافذ کیے، پھر آخر میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ان کے احکامات کی پیروی کرنے کا حکم دیا:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول ﷺ کی اور اپنے فرمانرواؤں کے حکم پر چلو۔''

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فامر بطاعته جلّ وعز اوّلا وهي امتثال اوامره واجتناب نواهيه ثم بطاعة رسوله ثانيا على قول الجهور ابى هريرة وابن عباس وغيرهم . [۲۴]

''اللہ جل جلالہ نے پہلے درجہ میں اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور یہ ان کے اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا ہے، پھر دوسرے درجہ میں اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہر اس چیز میں جس کا وہ حکم کریں اور جس سے منع کریں، پھر تیسرے درجہ میں حکام کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ جمہور ابو ہریرۃ اور ابن عباسؓ وغیر ہم کا قول ہے۔''

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَإِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَن يُّطِعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَّقْهِ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ﴾

(النور : ۵۱.۵۲)

''اور جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف باہم فیصلہ کے لیے بلائے جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور اس سے ڈرتے ہیں وہی لوگ کامیاب ہیں۔''

امام بغوی لکھتے ہیں:

" الرسول یحکم بحکم اللہ ." [۲۵]

''رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حکم کرتے ہیں۔''

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہو گیا ہے حقیقی اقتدار و حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس کی حاکمیت کی عملی شکل نیابت ہے۔ اس کے حقیقی نائبین و جانشین یعنی مقتدرِ اعلیٰ کے احکامات کو عملاً کرنے والے انبیاء رسول ہیں۔ جن لوگوں نے ان کی کامل اتباع و اقتدا کی اور احکامات الٰہیہ کو قائم و جاری کیا تو وہ انبیاء کے جانشین ہیں، لیکن بالواسطہ انہیں بھی خلافت الٰہیہ کا شرف حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب خلافت کو انبیاء کی جانشینی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''خلافت بمعنی جانشینی است و آں در عرفِ شرع راجع است بتصدی اقامت امور کہ پیغمبر ﷺ برائے اقامتِ آں مبعوث بود۔'' [۲۶]

''یعنی خلافت کے معنی جانشینی ہے اور عرفِ شریعت میں ان امور کے قائم کرنے کی کوشش کرنا جن کے قائم کرنے کے لئے پیغمبر ﷺ مبعوث ہوئے۔''

امام الماوردی خلافت کی تعریف کرتے ہیں:

" الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی فراسة الدین وساسة الدنیا به ." [۲۷]

''امامت (خلافت) نبوت کی جانشینی ہے دین کی حفاظت اور دنیا کی اس کے ساتھ سیاست کرنے کے لیے۔''

أصلِ ثانی

قانونِ شریعت

اسلامی نظامِ خلافت کا دوسرا اہم اور بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کا قانون شریعت ہے۔ نظام ریاست میں قانون کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جس پر حکومت کی تشکیل وتعمیر ہوتی ہے۔ معاشرے میں اجتماعی نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کے مختلف سیاسی نظاموں کے قوانین کی بنیادیں مختلف ہیں۔ اسلامی سیاسی نظام اس حوالے سے ان تمام نظام ہائے باطلہ سے منفرد وممتاز ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کی وضاحت کے بعد یہ سمجھنا بالکل آسان ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت کے قانون کی اساس کیا ہے؟

اسلامی ریاست (خلافت) میں قانون کا مبداء ومصدر

اسلام سیاسی نظام کے قانون کا مرکز وسرچشمہ وہی ذات واحد ہے جو مرکز اقتدارِ اعلیٰ ہے۔ اسی مرکز سے حکم جاری ہوتا ہے اور اس کے جانشین اس کو عملی طور پر نافذ کرتے ہیں۔ گویا قانون کا مصدر و مبداء ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور اس کا مظہر مخلوقِ باری تعالیٰ ہے۔ اسی قانون کو شریعت کہتے ہیں۔

اسلامی قانون کی تعریف:

قانون وہ اصول ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنی وحی کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو تعلیم کیا ہوتا کہ وہ اس پر عمل کریں۔

مندرجہ بالا تعریف جامع ومانع ہے۔ اس میں اسلامی عقائد، افکار، اخلاق، عبادات ارکان اسلام وغیرہ دین کے تمام شعبوں کے اصول وقواعد شامل ہیں۔ اس تعریف سے ہر وہ اصول وقانون جو غیر اللہ کی طرف سے بنائے جائیں۔ اسلام قانون کی اصطلاح سے خارج ہوتے ہیں۔

اسلامی سیاسی نظام کے قانون کی اساس: ازروئے قرآن

اللہ تعالیٰ نے آخری کتابِ ہدایت میں واضح کر دیا ہے کہ نظامِ خلافت کے قانون کی بنیاد صرف اور صرف شریعت ہے۔

۱۔ ﴿ يٰأَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْ االلّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ (النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول ؐ کی اور اپنے فرمانبرداروں کے حکم پر چلو پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول ؐ کی طرف لیجاؤ اگر تم کو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔''

ابن عطیۃ الاندلسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" والرد إلى الله هو النظر فى كتاب العزيز والرد إلى الرسول هو سوأله فى حياته والنظر فى سنته بعد وفاته عليه السلام ."(۲۸)

''اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب (قرآن) میں اس کا حکم دیکھا جائے، رسول کی طرف لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان سے اس حکم سے متعلق سوال کیا جائے اور وفات کے بعد ان کی سنت میں دیکھا جائے۔''

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وهذا امر من الله عزوجل بان كل شئ تنازع الناس فيه من اصول الدين وفروعه ان يرد التنازع فى ذلک الى الكتاب والسنة كما قال تعالىٰ ﴿ وما اختلفتم فيه من شيئ فحكمه الى الله ﴾ فما حكم به الكتاب والسنة وشهدا له بالصحة فهو الحق وماذا بعد الحق الاّ الضلال ...... فدل على ان من لم يتحاكم فى محل النزاع الى الكتاب والسنة ولا يرجع اليهما فى ذلک فليس مؤمناً بالله ولا باليوم الآخر .(۲۹)

''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ دین کے اصول اور فروع میں سے جس چیز میں لوگوں میں تنازع ہو جائے تو اسے کتاب اللہ اور سنت کی طرف لوٹایا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جس چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔'' کتاب اللہ اور سنت جس چیز کا حکم دیں اور اس کی صحت کی شہادت دیں تو وہی حق ہے اور حق کے سوا محض گمراہی ہے...... یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص متنازع معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور نہ ان کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والا نہیں ہے۔''

۲۔ ﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ

بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ﴾ (البقرة : ۲۱۳)

''سب لوگ ایک ہی امت تھے۔ پس خدا نے نبیؑ بھیجے جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق بھی نازل کی تاکہ اختلافی باتوں میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا کریں۔''

امام بغوی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' أنزل معهم الكتب أي الكتب تقدير انزل مع كل واحدٍ منهم الكتاب ليحكم بين الناس قيل معناه ليحكم كل نبي بكتابه.''(۳۰)

''یعنی کتابیں نازل کیں۔ تقدیر جملہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر نبی کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی اپنی کتاب کے ذریعے حکم کرے۔''

امام ابن جوزی لیحکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' فی الحاکم ثلاثة اقوال : احدها انه الله تعالیٰ والثانی انه النبی الذی انزل علیه الکتٰب والثالث الکتب کقوله ﴿ هذا كتابنا ينطق عليكم بالحق ﴾.'' (۳۱)

''حاکم (حکم دینے والے) کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ پہلا یہ کہ حاکم اللہ تعالیٰ ہیں دوسرا یہ کہ نبی علیہ السلام ہیں جن پر اللہ نے کتاب نازل کی۔ تیسرا یہ کہ کتاب حاکم ہے جیسے ارشادِ ربانی ہے کہ ''یہ ہمارا دفتر ہے بتلاتا ہے تمہارے کام ٹھیک۔''

دراصل یہ تینوں اقوال صحیح ہیں کیونکہ حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہیں۔ حاکم کے احکامات کو نافذ کرنے والے انبیاء و رسل ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء اور نائب ہیں لہٰذا وہ بھی حاکم ہیں۔ کتاب اللہ قانون ہے لہٰذا وہ بھی حاکم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو شرعی قوانین کے تحت حکومت کرنے کا حکم

اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ ملک میں حکومتِ الٰہیہ قائم کریں اور شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کریں۔

﴿ وَأَنۡزَلۡنَا إِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَا أَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ

أَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَ کَ مِنَ الْحَقِّ ﴾(المائدة : ۴۸)

''اور آپؐ پر ہم نے کتاب برحق نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر نگہبان ہے۔ سو آپؐ ان میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اس سے فیصلہ کیجئے اور آپؐ اس حق رستہ کو چھوڑ کر جو آپؐ کے پاس آیا ہے ان کی خوشی پر نہ چلنا۔''

امام بغوی بما انزل اللّٰہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ أي بالقرآن .''[۳۲]

''ان میں بما انزل اللّٰہ کے ساتھ فیصلے کرنے کا مطلب ہے کہ قرآن کے مطابق فیصلے کیجئے۔''

قانون شریعت کامل ومکمل ہے

﴿ أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدة : ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔''

امام قرطبی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

'' وذٰلک النبی ﷺ حین کان بمکة لم تکن الا فریضةالصلوٰة وحدها فلما قدم المدینة انزل اللّٰه الحلال والحرام الیٰ ان حج فلما حج وکمل الدین نزلت هذه الایة والذین عبارة عن الشرائع التی شرع وفتح لنا فانها نزلت نجوما وآخر مانزل منها هذه الایة ولم ینزل بعدها حکم قاله ابن عباس والسدی وقال الجمهور المراد معظم الفرائض والتحلیل والتحریم ...... قوله تعالیٰ ﴿وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ أي باكمال الشرائع والاحكام واظهار دین الاسلام کما وعدتکم .''[۳۳]

''جس وقت رسول ﷺ مکہ میں تھے تو نماز کے علاوہ کوئی فریضہ نہ تھا۔ پھر جب مدینہ تشریف لائے تو حلال وحرام کے احکام نازل ہوئے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے حج ادا فرمایا جب حج کیا اور دین کامل ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ دین ان شرعی احکام کا نام ہے جو اللہ

نے ہمارے لیے شروع فرمائے۔ پس یہ نجماً نجماً (تھوڑا تھوڑا کر کے) نازل ہوئے اور ان میں سے آخری آیت یہی نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی حکم نازل نہیں ہوا ابن عباس اور مسدی کا یہی قول ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد بڑے فرائض اور حلال وحرام (کے احکام) ہیں ارشادِ ربانی ہے: ''تم پر اپنی نعت پوری کر دی'' یعنی شرائع اور احکام کو کامل کیا اور دین اسلام کو غلبہ عطا کیا جیسا کہ ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔''

قانونِ شریعت نا قابل تغیر وتبدیل ہے

﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلاً لاَ مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ (الانعام : ۱۱۵)

''اور آپؐ کے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہوگئیں۔ کوئی بھی اس کی بات کا بدلنے والا نہیں اور وہی سنتا جانتا ہے۔

﴿ وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لاَ مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴾ (الكهف : ۲۷)

''اور (اے نبیؐ) آپ کے رب کی کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھتے رہا کرو کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا اور اس کے سوائے آپ کو کوئی بھی پناہ نہ ملے گی۔''

نظامِ خلافت میں قانونِ شریعت پر عمل

اسلامی سیاسی نظام میں قانونِ شریعت پر ہر حال میں عمل کیا جاتا اور اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو بلا چون و چرا قبول کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو اختیار ہی نہیں دیا کہ وہ قرآن و سنت کو چھوڑ کر اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کریں اور نظامِ حکومت چلائیں۔

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلاً مُّبِيْنًا ﴾ (الاحزاب : ۳۶)

''نہ کسی ایمان دار مرد اور نہ کسی ایمان دار عورت کو یہ لائق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ؐ کسی کام کا حکم دے تو ان کو اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا۔''

امام ابن جریر الطبری اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

" لم یکن لمؤمن باللہ ورسولہ ولا مؤمنۃ إذا قضی اللہ ورسولہ فی أنفسہم قضاءً ان یتخیروا من امرھم غیر الذي قضٰی فیھم ویخالفوا امر اللہ وامر رسولہ وقضائھما فیعصوھما ."(۳۴)

''جب اللہ اور اس کا رسول ان کے بارے میں فیصلہ فرما دیں تو کسی مؤمن مرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کے فیصلے کے خلاف کوئی بات اختیار کرے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم اور ان کے فیصلے کی مخالفت کرے، پس وہ (مخالفت کی صورت میں) ان کی نافرمانی کرے گا۔''

قانونِ شریعت پر عمل کرنے میں ہی کامیابی ہے

باری تعالیٰ نے شرعی قانون پر عمل کرنے میں ہی انسانوں کی دینی و دنیاوی سعادت رکھی ہے۔

﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴾

(النور : ۵۱.۵۲)

''مومنوں کی بات تو یہی تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف اس لئے بلایا گیا تھا کہ ان میں فیصلہ کر دیا جاتا کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے سو وہی کامیاب ہوتا ہے۔''

امام قرطبی دعوت الی اللہ ورسولہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" أي الٰی کتاب اللّٰہ وحکم رسولہ ...... من یطع اللّٰہ ورسولہ فیما أمر بہ وحکم ."(۳۵)

''جب انہیں اللہ کی کتاب (قرآن) اور رسول ﷺ کے حکم کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اس میں جو اس نے فرمان جاری کیا اور حکم دیا۔''

امام ابن جوزی ﴿ سمعنا وأطعنا ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" وقال المفسرون والمعنیٰ سمعنا قول رسول اللّٰہ ﷺ واطعنا

امره وان كان ذلك فيما يكرهونه .''(۳۶)

''مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی ہے کہ ہم نے رسول ﷺ کی بات سن لی اور ان کے حکم کی اطاعت کی اگرچہ یہ حکم اس چیز کے بارے میں ہو جو انہیں ناگوار گزرتی ہو۔''

قانونِ شریعت کا ترک ظلم ہے

باری تعالیٰ کے عطا کردہ قانون سے انحراف اور اس پر عمل پیرا نہ ہونا خلافِ فطرت، ظلم، فسق اور کفر ہے، کیونکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکومت کا انکار اور اس سے سرکشی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

''اور جو کوئی نہ چلے اس حکم پر کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہی ظالم ہے۔''

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَا دُعُوْا إِلَى اللَّهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُعْرِضُوْنَ O وَإِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوْا إِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوْا أَمْ يَخَافُوْنَ أَنْ يَحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ بَلْ أُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾(النور : ۴۸. ۴۹. ۵۰)

''اور جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف باہم فیصلہ کے لیے بلائے جاتے ہیں تو جبھی ایک فریق ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے اور اگر ان کے لیے حق پہنچتا ہو تو رسول ؐ کے پاس گردن جھکائے چلے آتے ہیں، کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک میں پڑے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کر دے گا بلکہ وہ خود ظالم ہیں۔''

امام ابن کثیر ﴿ الظالمون ﴾ کی تفسیر کرتے ہیں:

'' اي بل هم الظّٰلمون الفاجرون .''(۳۷)

''یعنی بلکہ وہ ظالم اور فاجر (گناہگار) ہیں۔''

شرعی قانون کا ترک فسق ہے

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾
(المائدة : ۴۷)

''اور جو کوئی اس چیز کا حکم نہ دے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے سو وہی فاسق

ہیں۔‘‘

قانونِ شریعت کا ترک کفر ہے

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ﴾ (المائدة : ۴۴)

’’اور جو شخص اس کا حکم نہ دے جس کو اللہ نے نازل کیا پس وہی کافر ہیں۔‘‘

امام ابن الجوزی کفر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’ وفی المرادبالکفر المذکور فی الایة الاولیٰ قو لان احدھما انه الکفر باللّٰه تعالیٰ . الثانی انه الکفر بذلک الحکم ولیس بکفر ینقل عن الملة .‘‘(۳۸)

’’پہلی آیت میں مذکور کفر کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ دوسرا یہ کہ اسی حکم کے ساتھ کفر ہے اور یہ کفر ملت سے خارج نہیں کرتا ہے۔‘‘

قانونِ شریعت کے تارک کو کہیں ظالم، کہیں فاسق اور ایک جگہ کافر کہا گیا ہے۔ ان تینوں آیات میں تبطیق کی کیا صورت ہوگی؟ اس بارے میں امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

’’ فصل الخِطَابِ اَنّ مَنْ لَم یحکم بما انزل الله جاحدًا لَهُ وھو یعلم ان الله انزله کما فَعَلت الیھو د فھو کافر ومن لم یحکم به میلاً عن الھویٰ من غیر حجودٍ فھو ظالم وفاسق وقدروی علیٰ بن ابی طلحة عن ابن عباس انه قال من جحد ما انزل اللّٰه فقد کفر وَمَنْ اقرّبه ولم یحکم به فھوفاسق و ظالمٌ.‘‘(۳۹)

’’فیصلہ کن بات یہ ہے کہ جو شخص ما انزل اللہ کا انکار کرتے ہوئے اس کے مطابق حکم نہ کرے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ ہی نے اس (حکم کو) نازل کیا ہے جیسا کہ یہود نے کیا تھا تو وہ کافر ہے۔ جو شخص بغیر انکار کے محض خواہشات نفسانی کے میلان کی وجہ سے ما انزل اللہ کے ساتھ حکم (حکومت) نہ کرے تو وہ ظالم اور فاسق ہے علی بن ابی طلحہ، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جس شخص نے ما انزل اللہ کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ جو شخص اس کا اقرار کرے، لیکن اس کا حکم نہ کرے تو وہ فاسق اور ظالم ہے۔‘‘

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور قوانین سے انکار ایک بہت بڑا جرم ہے،

یہی وجہ ہے کہ رسول ﷺ کے حکم کو قبول نہ کرنے والوں کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔

﴿ فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

(النساء : ٦٥)

''پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرائیں پھر آپ کے تصفیے سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔''

امام ابن جریر الطبری مندرجہ بالا آیت کے تحت لکھتے ہیں:

'' فليس الامر كما يزعمون إنهم يؤمنون بما أنزل إليک وهم يتحاكمون الى الطاغوت ويصدون عنک إدا دعوا اليک يا محمد .''[٤٠]

''ان کا یہ خیال کہ وہ آپ پر نازل کردہ (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں، درست نہیں ہے، حالانکہ وہ باطل کے پاس فیصلے کروانے جاتے ہیں اور اے محمد! جب انہیں آپ کی طرف بلایا جاتا ہے تو آپ کی طرف آنے سے اعراض کرتے ہیں۔''

غیر شریعت خلافت کا قانون نہیں ہو سکتا ہے

﴿ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾ (المائدة : ٥٠)

''کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں؟ اور ایمانداروں کے لیے کون شخص اللہ تعالیٰ سے بہتر حکم دینے والا ہو سکتا ہے۔''

امام ابن جوزیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' سبب نزولها ان النبی ﷺ لما حكم با لرجم على اليهوديين تعلق بنو قريضه ببنی نضير وقالوا يا محمد هئولاء اخواننا ابونا واحد وديننا واحدا ذا قتلو امنا قتيلا اعطونا سبعين وسقا من تمر وان قتلنا منهم واحدا اخذوا منا اربعين و مائة وسق وان قتلنامنهم رجلا قتلوا به رجلين وان قتلناامراةً قتلوا بها رجلا فا قض بيننا بالعدل فقال رسو ل ﷺ '' ليس لبنى النضير على بنى قريضه فضل فى عقل ولا دم''

فقال بنو النضیر واللّٰہ لا نرضی بقضائک ولا نطیع امرک ولنائخذن بامرنا الاول فنزلت ھذہ الآیۃ."(۴۱)

''اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جب یہودیوں پر رجم کا حکم فرمایا تو بنو قریظہ بنی نضیر کے ساتھ مل گئے اور کہا اے محمد! یہ ہمارے بھائی ہیں ہمارا باپ اور ہمارا دین ایک ہے۔ جب وہ ہمارے کسی آدمی کو قتل کرتے ہیں تو ستر وسق کھجور کے (معاوضہ) دیتے ہیں اور اگر ہم ان میں سے کسی آدمی کو قتل کرتے ہیں تو وہ ہم سے ایک سو چالیس دسق لیتے ہیں۔ اگر ہم ان کے کسی آدمی کو قتل کریں تو وہ اس کے بدلے دو آدمی قتل کرتے ہیں۔ اگر ہم ایک عورت کو قتل کریں تو وہ اس کے بدلے ایک مرد کو قتل کرتے ہیں پس آپ ہمارے درمیان عدل کا فیصلہ کریں۔ رسول ﷺ نے فرمایا بنی نضیر کو بنی قریظہ پر دیت وخون میں فضیلت حاصل نہیں ہے۔ بنو نضیر نے کہا اللہ کی قسم! ہم آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہیں اور نہ ہم آپ کے حکم پر عمل کرتے ہیں البتہ ہم ضرور پہلے معاملہ جیسا تھا کو لیتے ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی۔''

خاتم الانبیا ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کے نفاذ کا حکم دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ گمراہ لوگوں کی نفسانی خواہشات کی ہرگز پیروی نہ کریں۔ چنانچہ قرآن میں آتا ہے:

﴿ یٰا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ﴾

''اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں بادشاہ بنایا پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور خواہش نفس پر نہ چلنا کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی۔''

شرعی قانون پر سمجھوتا نہیں ہوسکتا

قانونِ شریعت پر کسی قسم کا کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا ہے اور نہ شریعت کے خلاف کسی قانون اور نظام کا نفاذ ہوسکتا ہے۔ نظام اور قانون صرف اسلام کا چلے گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَاءَ ھُمْ وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ

اللّٰہُ أَنْ یُّصِیبَہُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِہِمْ وَاَنَّ کَثِیرًا مِنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴾

(المائدة : ۴۹)

''اور یہ فرمایا کہ حکم کران میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ تعالیٰ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ تعالیٰ نے اتارا تجھ پر۔ پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی چاہا کہ پہنچائے ان کو کچھ سزا ان کے گناہوں کی اور لوگوں میں بہت ہیں نافرمان۔''

امام ابن جوزیؒ اس آیت کی تحت لکھتے ہیں:

'' سبب نزولها ان جماعة من اليهود منهم كعب بن اسيد وعبد الله بن صوريا وشائس بن قيس قال بعضهم لبعض اذهبوا بنا الى محمد لعلنا نفتنه عن دينه فاتوه فقالوا يا محمد قد عرفتَ انا احبار اليهود اشرافهم و اِن تبعناك اتبعك اليهود واِن بيننا وبين قوم خصومة فنحاكمهم اليك فتقضِى لَنا عليهم ونحن نومِن بِك فابَى ذالك رَسول ﷺ ونَزَلَت هذه الآية هذا قول ابن عباس .''(۴۲)

''اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ یہود کی ایک جماعت جس میں کعب ابن اسید، عبداللہ بن صوریا اور شائس بن قیس شامل تھے۔ بعض نے بعض کو کہا ہمیں محمد کے پاس لے چلو۔ تاکہ ہم انہیں ان کے دین کے بارے میں فتنہ میں مبتلا کریں۔ وہ آپ کے پاس آئے اور کہا اے محمد! آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء اور ان کے اشراف ہیں۔ اگر ہم آپ کی اتباع کریں تو تمام یہود آپ کی اتباع کریں گے۔ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان جھگڑا ہے۔ ہم ان کو آپ کے پاس فیصلہ کے لیے لاتے ہیں۔ آپ ان کے خلاف ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں اور ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے انکار فرما دیا اور یہ آیت نازل ہوئی، یہ ابن عباسؓ کا قول ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے قوانین الٰہیہ پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا حالانکہ یہود نے اپنے حق میں فیصلے کے بدلے میں بظاہر ایمان لانے کی پیشکش کی تھی۔ آپ نے ان کے ایمان نہ لانے کو تو قبول کر لیا لیکن خلافِ شریعت فیصلے کو قبول نہ کیا۔

اسلامی نظام کا قانون: ثبوت از سنت

خلیفہ کی بیعت اس شرط پر کی جاتی ہے کہ وہ قوانین شریعت کے مطابق حکومت کرے گا۔ اگر وہ قوانین پر عمل نہ کرے تو بیعت ختم ہو جاتی ہے اور امت مسلمہ کو حق ہے کہ اس کی اطاعت ترک کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

(۱) " قال السمع والطاعة على المرءِ المسلم فيما احب وكَرِه مالم يو مر بمعصية فاذا اُمرَ بمعصية فلا سمع ولا طاعةً."(۴۳)

" دو مسلمان پر (خلیفہ اور امیر کی) سمع وطاعت لازم ہے، پسندیدگی و ناپسندیدگی میں جب تک کہ معصیت (پر مشتمل) حکم نہ دیا جائے۔ جب معصیت کا حکم دیا تو سمع وطاعت لازم نہیں۔"

(۲) عن جنادبن ابى عطية قال دخلا عَلىٰ عبادة بن الصامت وهوا مريضٌ قلنا اصلحك الله حد ثنا بحديث ينفعك الله به سمعته من النبى ﷺ قال دعانا النبى ﷺ فبا يَعْنَا فقال فيما اخذ علينا ان بايعنا علىٰ السمع والطاعةفى منشطنا ومكرهنا وعسرنا وسيرنا وَاثَرة علينا واَن لا تنازع الامر اهلَهُ الاّ اَن تروكفرا بواحاً عندكم من الله فيه برهان .(۴۴)

" جنادہ بن ابی امیہ سے مروی ہے کہ ہم عبادہ بن صامت کے پاس گئے۔ وہ بیمار تھے ہم نے کہا اللہ تمہارا بھلا کرے ہم سے ایسی حدیث بیان کرو جو تم نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہو، اللہ تم کو اس کی وجہ سے فائدہ دے، انہوں نے کہا ایسا ہوا (لیلۃ عقبہ میں) آنحضرت ﷺ نے ہم کو بلا بھیجا ہم نے آپؐ سے بیعت کی، آپؐ نے بیعت میں ہم سے یہ اقرار لیا کہ خوشی اور ناخوشی تکلیف اور آسانی ہر حال میں آپؐ کا حکم سنیں گے اور بجالائیں گے گو ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور دوسروں کو عہدے اور خدمات ملیں آپؐ نے یہ بھی اقرار لیا کہ جو شخص حاکم بن جائے ہم اس سے جھگڑا نہ کریں، البتہ جب تم علانیہ اس میں کفر دیکھو جس کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو۔ (تو پھر سمع و طاعت جائز نہیں)"

خلیفہ کی اطاعت قوانین شریعت کے مطابق حکومت کرنے کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ مندرجہ

بالا احادیث میں واضح ہوگیا ہے۔مزید وضاحت درجِ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

(۳) حَدّثنی عبداللّٰہ بن دینار قال لمّا بایَع الناس عبدالملک کتب الیه عبدالله بن عمر الی عبداللّٰه عبدالملک امیر المؤمنین انی اقرّ بالسمع والطاعة بعبداللّٰه عبدالملک امیر المؤمنین علیٰ سنة اللّٰه وسنة رسولهٖ فیما استطعتُ وَاِنّ بنیّ قد اقرّوا بذلک . (۴۵)

''عبداللہ بن دینار نے بیان کیا، انہوں نے کہا جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان سے بیعت کرلی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس کو یوں خط لکھا، اللہ کے بندے امیر المومنین عبدالملک بن مروان کو معلوم ہو، میں اللہ تعالیٰ کی شریعت اوراس کے پیغمبر کی سنت کے موافق تیرا حکم سننے اور ماننے کا اقرار کرتا ہوں، جہاں تک مجھ سے ہوسکے گا اور میرے بیٹے بھی یہی اقرار کرتے ہیں۔''

(٤) عن ابی هریرة ان رسول اللّٰہ ﷺ قال کل امتی یدخلون الجنة الا من ابیٰ قالو یا رسول اللّٰه وَمَنْ یابیٰ ؟ قال مَنْ اطَاعَنی دخل الجنة ومن عَصَانی فقد اَبیٰ. (۴۶)

''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا مگر جس نے انکار کیا۔صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''

(٥) عَن ابی هریره و زید بن خالد قالا کنا عندالنبی ﷺ فقال لا قضین بینکما بکتاب اللّٰه . (۴۷)

''ابو ہریرہؓ اور زید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا بس ضرور تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔''

(٦) عَنْ اَبی مُوسیٰ اَنَّ رَجُلاً اَسلَمَ ثُمّ تهوّد فاتاه معاذ بن جبل وهو عند ابی موسیٰ فقال مالهذا قال اسلم ثم تهوّد قال لا اجلس حتیٰ اقتلهُ قضاء اللّٰه ورسولِهٖ . (۴۸)

''ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسلمان ہو، پھر یہودی ہوگیا، ان کے

پاس معاذ بن جبلؓ آئے اور وہ آدمی ابوموسیٰ کے پاس تھا۔ معاذ بن جبل نے پوچھا اس کا کیا معاملہ ہے؟ کہا کہ مسلمان ہوا تھا پھر یہودی ہو گیا۔ کہا کہ میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے مطابق قتل نہ کر دوں۔''

قانونِ شریعت: ثبوت از اجماع

(۱) صدرِ اوّل میں خلفائے اربعہؓ کے مبارک زمانہ میں سیاسی نظام کی اساس شرعی قوانین پر تھی۔

(۲) فقہاء کا اتفاق ہے کہ نظام خلافت کا قانون شریعت ہے۔

(۳) ابتدائے اسلام سے لے کر خلافت عثمانیہ کے سقوط تک خلافت کے ہر دور میں شرعی قوانین ہی نافذ رہے غیر شرعی قوانین کا اجراء کبھی نہیں کیا گیا۔ مختلف اسلامی سلطنتوں میں ہر دور میں یہ بات مشترک رہی کہ اگرچہ بعض خلفا اور بادشاہ بذاتِ خود شرعی احکام پر عمل نہ کرتے تھے لیکن پورے ملک کا نظام اور عدالتیں قرآن وسنت کے قوانین کے مطابق چل رہی تھیں۔

شرعی قوانین کے مآخذ

ماخذِ قوانین میں نظامِ خلافت کا امتیاز

دین اسلام جس طرح اپنے عقائد میں منفرد ہے اسی طرح وہ ماخذ قانون کے حوالے سے بھی دوسرے نظاموں سے ممتاز ہے۔ کسی بھی سیاسی نظام کے قانون کا ماخذ ایک لازمی امر ہے۔ اس ماخذ کے بارے میں اسلامی وغیر اسلامی طریقے میں بنیادی فرق ہے۔ غیر اسلامی سیاسی نظام جن چیزوں کو قانون کا ماخذ قرار دیتا ہے۔ اسلام ان کی نفی کرتا ہے۔

اسلامی قانون کا ماخذ

اسلامی سیاسی نظام کا قانون اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقرر کردہ ہے اور اللہ پاک قانون کے بنانے میں کسی کے محتاج نہیں۔ اسلامی قانون کے ماخذ سے مراد اس کے علم کا ماخذ ہے نہ کہ مقرر کرنے کا۔ یعنی قانون الٰہی کا علم جن ذرائع سے ہوتا ہے وہی اس کے مآخذ ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قوانین کو معلوم کرنے کے ذرائع اسلامی قانون کے ماخذ ہیں گویا کہ مقررہ قانون کو معلوم کر کے پیش آنے والے جزئیات کو اس پر منطبق کر دیا جاتا ہے۔

غیر اسلامی قانون کا ماخذ اور قانون بنانے کا اختیار

انسان قانون اخذ اور مستنبط کرتا ہے۔اسے شرعاً کوئی نیا قانون وضع کرنے کا اختیار حاصل نہیں ۔جس طرح وہ کسی معمولی چیز کی تخلیق پر قدرت نہیں رکھتا اسی طرح وہ کوئی ایسا قانون وضع کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق اور انسانوں کی دنیوی اور اخروی سعادت اور کامرانی کی ضمانت دیتا ہو، لہٰذا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین اور ضابطہ حیات کو اپنانا ناگزیر ہے۔غیر اسلامی قانون کے اخذ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی قانون کو اپنی حالت کے مطابق بنالے اور اس میں کچھ ترمیم و تنسیخ کر کے اپنے سانچے میں ڈھال لے۔انسان چونکہ قانون وضع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اس لئے وہ اعمال زندگی کے لیے درجِ ذیل ذرائع سے اصول و قانون اخذ کرتا ہے۔

۱۔ طبیعت

۲۔ رسم ورواج

۳۔ ماحول

تمام غیر اسلامی قوانین انہی ذرائع سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ان ذرائع میں مآخذ قانون بننے کی ہر گز صلاحیت نہیں ہے بلکہ یہ خلاف اسلام اور غیر فطری ہیں، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانی طبیعت، رسوم ورواج اور ماحول میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے۔آج اگر انسانی طبیعت کسی چیز کو اپنے لیے مفید اور درست سمجھتی ہے تو ایک عرصے بعد اسے مضر اور غلط سمجھا جاتا ہے۔اسی طرح مختلف علاقوں اور قوموں کے مختلف رسوم ورواج ہیں جن میں بدلتے زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے، نیز ماحول اور لوگوں کی عادات واطوار اور سوچ وفکر میں بھی بدلتے حالات کے ساتھ تغیر آتا رہتا ہے۔الغرض طبیعت، رسوم ورواج اور ماحول میں استقرار اور ٹھہراؤ نہیں ہے جبکہ ماخذِ قانون کی بنیاد میں استقرار لازم ہے لہٰذا مذکورہ چیزیں ماخذِ قانون نہیں بن سکتیں۔حقیقت یہ ہے کہ ان غیر فطری مآخذ سے قانون کا اخذ اور استنباط واستخراج احکامِ ربانی کا انکار ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو خود مختار سمجھ بیٹھا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وضعِ قانون کا اختیار نہیں دیا ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مآخذ سے ہی قانون کا علم حاصل کرنا انسان پر لازم ہے۔

اسلامی قانون کے مآخذ

اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ

اسلامی قانون کے بنیادی مآخذ دو ہیں:

۱۔ وحی ۲۔ نبی

نبی کو وحی کے ذریعے قانون کا علم ہوتا ہے اور نبی اس قانون پر عمل کر کے اس کی تفسیر کرتا ہے۔ اوّل الذکر کو کتاب اور ثانی الذکر کو سنت کہتے ہیں۔ کتاب وحی متلو (جس کی تلاوت کی جائے) اور سنت وحی غیر متلو ہے۔ وحی متلو کو قرآن اور غیر متلو کو سیرت کہتے ہیں درحقیقت کتاب وسنت اور قرآن وسیرت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ کتاب قانون کا علم ہے اور سنت اس قانون کی عملی صورت ہے جسے نبی پیش کرتا ہے۔ مذکورہ دو بنیادی مآخذ کو شریعت میں کتاب وسنت سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اور دو مآخذ بھی ہیں جنہیں اجماع وقیاس کہا جاتا ہے۔ اجماع وقیاس کتاب وسنت کی فرع اور انہی پر موقوف ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اسلامی قانون کے مآخذ چار ہیں:

۱۔کتاب ۲۔سنت ۳۔اجماع ٤۔قیاس

ان سے اخذ کردہ قوانین کا نام فقہ ہے۔ ان مآخذ کی تقسیم وتفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس لیے ہم صرف ان کی تعریف اور ان کے مآخذ ہونے پر مختصر دلائل پر اکتفا کریں گے۔

کتاب

تعریف:

لغوی معنی: لفظِ قرآن قرأت یعنی پڑھنے کے معنیٰ میں ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴾ (القیامة : ۷)

ترجمہ: بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور اس کی قرأت۔

مقروٴ یعنی پڑھے جانے والے کے معنیٰ میں ہے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا ﴾ (یوسف : ۲)

''ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔''

اصطلاحی معنی: اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول ﷺ پر نازل کی ہوئی کتاب جو آپؐ کے عہد سے

لے کر آج تک بغیر کسی شک وشبہ کے تواتر کے ساتھ نقل ہوتی چلی آرہی ہے اور آج قرأ سبعہ کے مصاحف میں موجود ہے۔

مصداق: الفاظ ومعانی دونوں اس کا مصداق ہیں۔

کتاب اللہ قانونِ شریعت کا ماخذ اول: ثبوت از روئے قرآن

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ (النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول ﷺ کی اور اپنے فرمانرواؤں کے حکم پر چلو پس اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف لیجاؤ اگر تم کو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔''

﴿ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ﴾ (البقرة : ۲۱۳)

''سب لوگ ایک ہی گروہ کے تھے تو خدا نے نبی ﷺ بھیجے جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کیساتھ کتاب برحق بھی نازل کی تاکہ اختلافی باتوں میں لوگوں کے لیے فیصلہ کر دیا کرے۔''

امام قرطبی لکھتے ہیں:

'' اَیْ لیحکم کل نبی بکتابه واذا حَکَمَ بالکتابِ فکانّما حَکَمَ الکتابُ .''(۴۹)

''تاکہ ہر نبی اپنی کتاب کے ذریعہ حکم کرے اور جب اس نے کتاب کے ذریعے حکم دیا تو گویا کہ کتاب نے حکم دیا۔''

﴿ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَکَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ (المائدة : ۴۸)

''اور آپؐ پر ہم نے کتاب برحق نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر نگہبان ہے سو آپؐ ان میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اس سے فیصلہ کیجئے اور آپؐ اس حق رستہ کو چھوڑ کر جو آپؐ کے پاس آیا ہے ان کی خوشی پر نہ چلنا۔''

امام بغوی ما انزل اللہ کی تفسیر کرتے ہیں:

'' ﴿ فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ ﴾ اي بالقرآن .'' (۵۰)

''یعنی قرآن کے مطابق حکم وفیصلہ کیجئے۔''

﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ O ﴾

(النور : ۵۱)

''مؤمنوں کی بات تو یہ تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس لیے بلایا گیا تھا کہ ان میں فیصلہ کر دیا جاتا کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور وہی لوگ فلاح پانے والے بھی ہیں۔''

ثبوت: از روئے سنت

(۱) '' عن ابی ھریرۃ وزید بن خالد قالا کنا عندالنبی ﷺ فقال لا قضینّ بینکما بکتاب اللّٰہ .''(۵۱)

''ابو ہریرۃؓ اور زید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا بس میں ضرور تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔''

خلیفہ کی اطاعت قوانین شریعت کے مطابق حکومت کرنے کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث میں واضح ہو گیا ہے۔ مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

(۲) '' حدّثنی عبداللّٰہ بن دینار قال لمّا بایع الناس عبدالملک کتب الیہ عبداللہ بن عمر الی عبداللّٰہ عبدالملک امیر المؤمنین انی اُقرّ بالسمع والطاعۃ بعبداللّٰہ عبدالملک .''(۵۲)

''عبداللہ بن دینار نے بیان کیا، انہوں نے کہا جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان سے بیعت کر لی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس کو یوں خط لکھا، اللہ کے بندے امیر

المومنین عبدالملک بن مروان کو معلوم ہو، میں اللہ تعالیٰ کی شریعت اوراس کے پیغمبر کی سنت کے موافق تیرا حکم سننے اور ماننے کا اقرار کرتا ہوں، جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا اور میرے بیٹے بھی یہی اقرار کرتے ہیں۔''

قانونِ شریعت کا ماخذِ ثانی: سنت

تعریف

لغوی: سنت کا لغوی معنیٰ طریقہ، عادت، بیان ہے

اصطلاحی: رسول ﷺ کے اقوال و افعال اور سکوتی تائیدات جنہیں قول فعل اور تقریر کہا جاتا ہے۔ سنت کے لیے دوسری معروف تعبیر حدیث ہے۔ نیز خبر، اثر اور روایت کے الفاظ سے بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں اسے سنت ہی کہا جاتا ہے۔ قانونِ شریعت کا دوسرا حقیقی مآخذ سنت ہے۔ جس کے دلائل درجِ ذیل ہیں:

دلائل ازروئے قرآن

رسول ﷺ کی اطاعت قرآن کی روشنی میں

﴿ وَمَا أَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذۡنِ اللّٰهِ ﴾(النساء : ٦٤)

''اور ہم نے ہر ایک رسول کو اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا حکم مانا جائے۔''

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اي انی فرضت طاعته علی من ارسلته الیهم .[٥٣]

''میں نے ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو جن کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، ان پر ان کی اطاعت فرض قرار دی ہے۔''

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا أَطِيۡعُوۡا اللّٰهَ وَأَطِيۡعُوۡا الرَّسُوۡلَ وَأُوۡلِي الۡأَمۡرِ مِنۡكُمۡ ﴾ (النساء : ٥٩)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول ﷺ کی اور اپنے فرمانرواؤں کی۔''

﴿ قُلۡ إِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِيۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○ قُلۡ أَطِيۡعُوۡا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَإِنۡ

تَوَلَّوْ فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ﴾(آل عمران: ۳۱ . ۳۲)

''اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے اور اللہ تو بخش دینے والا مہربان ہے اور کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کیا کرو پھر اگر وہ نہ مانیں تو خدا کو بھی منکروں سے کچھ محبت نہیں۔''

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

'' قل ان كنتم صادقين فى ادعاء محبة الله تعالىٰ فكونوا منقادين لاوامره محترزين عن مخالفته .''(۵۴)

''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کے دعوی میں سچے ہو تو اس کے احکامات کی پیروی کرو اور اس کی مخالفت سے بچو۔''

باری تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کا حکم اس لیے دیا کیونکہ ان کا حکم وحی ہے۔

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْىٌ يُّوْحٰى ﴾

(النجم : ۳ . ۴)

''اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہیں یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔''

رسولﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے

رسول اللہﷺ جو احکامات جاری کرتے ہیں وہ وحی الٰہی پر مبنی ہوتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (النساء : ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

امام ابن جریر الطبری فرماتے ہیں:

من يطع منكم ايها الناس محمداً فقد طاعنى بطاعته اياه فاسمعوا قوله وأطيعوا امره .(۵۵)

''اے لوگو! تم میں سے جس نے محمد (ﷺ) کی اطاعت کی تو اس نے ان کی اطاعت کے ذریعے میری اطاعت کی پس تم ان کی بات سنو اور ان کے حکم کی اطاعت کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے سنت الرسولﷺ کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے کہ اس کو اپنانے اور اپنی انفرادی و اجتماعی

زندگیوں اور نظامِ ریاست میں نافذ کرنے سے ہی دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْأٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾(الاحزاب : ۲۱)

قرآن میں حکمت سے مراد

قرآن میں جہاں کہیں رسول ﷺ کے متعلق آیا ہے کہ وہ کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں تو حکمت سے مراد سنت ہے۔

(ا) ﴿ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾

(النساء : ۱۱۳)

''اور اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی۔''

(ب) ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾

(آل عمران : ۱۶۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں پر بڑا ہی احسان کیا جب ان میں انہی میں سے رسولؐ بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوتے تھے۔''

قرآنِ حکیم نے خاتم الانبیا ﷺ کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے تزکیہ اور تعلیمِ کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا بھی ذکر کیا ہے یعنی آپ کتاب اللہ میں بیان کردہ احکامات پر خود عمل کر کے لوگوں کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ امت آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کتاب اللہ کے احکامات پر عمل کرے۔

ماخذِ ثانی سنت: احادیث کی روشنی میں

(۱) رسول اللہ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاعَ اللّٰہ ومن عصانی فقد عصَی اللّٰہ ومن اطاع

امیری فقد اطاعنی ومن عَصٰی امیری فقد عصانی.(٥٦)

’’جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ۔جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی،جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی،جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔‘‘

(۲) اطاعت نہ کرنے والے کوسنتِ رسول سے انکار کرنے والاقرار دیا گیا ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم قال كل امتی يدخلون الجنة الا من ابیٰ قالو يا رسول اللّٰه وَمَنْ يابیٰ ؟ قال مَنْ اطَاعَنی دخل الجنة ومن عَصَانی فقد اَبیٰ .(٥٧)

’’ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ میرا ہرامتی جنت میں داخل ہوگا مگر جس نے انکار کیا۔صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی جنت میں جائے گا اور جس نے نافرمانی کی پس اس نے انکار کردیا۔‘‘

(۳) خلیفہ کی بیعت سنت پرعمل کرنے کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر وہ سنت کے مطابق امورِ خلافت انجام نہیں دیتا تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

حَدّثنی عبداللّٰه بن دينار قال لمَّا بايَع الناس عبدالملک كتاب اليه عبدالله بن عمر الی عبدالله عبدالملک امير المؤمنين انی اٌقرّ بالسمع والطاعة بعبدالله عبدالملک امير المؤمنين علیٰ سنة الله وسنة رسولهٖ فيما استطعتُ وَاِنّ بنیّ قد اقرّوا بذلک .(٥٨)

’’عبداللہ بن دینار نے بیان کیا، انہوں نے کہا جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان سے بیعت کر لی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس کو یوں خط لکھا، اللہ کے بندے امیر المومنین عبدالملک بن مروان کو معلوم ہو، میں اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے پیغمبر کی سنت کے موافق تیرا حکم سننے اور ماننے کا اقرار کرتا ہوں، جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا اور میرے بیٹے بھی یہی اقرار کرتے ہیں۔‘‘

(٤) سنت پرعمل کرنے کا نبوی حکم:

رسول اللہﷺ نے نہ صرف اپنی بلکہ خلفائے راشدین کی سنت کو اپنانا بھی لازمی قرار دیا ہے کیونکہ

خلفائے راشدین درحقیقت قرآن وسنت کے مطابق حکم دیتے اور نظامِ خلافت کو چلاتے ہیں۔ارشادِ نبوت ہے:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین .(۵۹)

''میری اور خلفائے راشدین مہدین کی سنت کولازم پکڑو۔''

تعاملِ صحابہؓ

قانونِ شریعت کے مآخذ ثانی سنت میں تعامل صحابہ بھی داخل ہے۔اسلامی ریاست کے قانون میں رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور شخص کا عمل حجت ودلیل نہیں ہے۔یعنی غیر رسول کے کسی فعل سے کسی چیز کا جواز ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ عدمِ جواز،لیکن صحابۂ کرامؓ کے اعمال واقوال اسلامی قوانین کا ماخذ ہیں اور ان قوانین کا ایک بڑا حصہ اسی ماخذ سے ماخوذ ہے۔تعامل صحابہؓ اسلامی قانون کا ماخذ اس حیثیت سے ہے کہ وہ سنت نبوی ﷺ کی ایک علامت اور دلیل ہے۔صحابہ کرام آپؐ سے بالمشافہ ملاقات کرنے والے،آپ کی صحبت کے فیضان سے مستفید ہونے والے اور آپؐ کی کامل اتباع کرنے والے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کا کوئی فعل آپؐ کے قول وفعل کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔اس لیے ان کے اقوال وافعال اسلامی قانون کے ماخذِ ثانی سنت میں داخل ہیں۔

قرآن پاک کی روشنی میں تعاملِ صحابہؓ

قرآن پاک میں واضح طور پر تعاملِ صحابہؓ کو حجت قرار دیا گیا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡ بَّعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴾

(النساء : ۱۱۵)

''اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس پر امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔''

امام ابن جوزی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' معنیٰ الآیة ومن یخالف الرسول فی التوحید والحدود من بعد ماتبین لهُ التوحید والحکم ویتبع غیر دین المسلمین نولّه ماتولی ای

نکلہٗ الیٰ ما اختار لنفسہ و نصلہ جھنم ند خلہ ایاھا.'' (٦٠)

''آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو رسول کی مخالفت کرتا ہے، توحید اور حدود میں باوجودیکہ توحید اور (حدود کا) حکم واضح ہو چکا ہے اور مسلمانوں کے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین کی پیروی کرتا ہے۔ نولہ ماتولی کا مطلب یہ ہے کہ جو اس نے اپنے لیے اختیار کیا ہے ہم اسے اسی میں چھوڑ دیتے ہیں اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے۔''

آیت میں المؤمنین سے قطعی طور پر صحابہ کرامؓ مراد ہیں، اس لیے کہ آیت کے نزول کے زمانے میں صرف وہی موجود تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے مؤمنین تبعاً مراد ہیں۔ اس آیت سے صحابہ کرامؓ کی اتباع کے وجوب کا ثبوت بالکل واضح ہے۔ یعنی ان کا تعامل حجتِ شرعی اور قوانینِ شریعت کا ماخذ ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کا تعامل حجت شرعی نہ ہوتا تو ان کی اتباع واجب نہ ہوتی اور ان کی اتباع کے ترک پر عذابِ جہنم کی وعید نہ آتی۔ صحابہ کرامؓ کا راستہ ان کی (سبیل) رسول ﷺ کا بتایا ہوا راستہ تھا۔ ان کا کوئی فعل خلافتِ سنت نہیں ہو سکتا۔ ان کا عمل اس بات کی علامت ہے کہ وہ رسول ﷺ کے کسی فعل، قول یا تقریر سے ثابت ہے۔ لہٰذا حجتِ شرعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

﴿ **اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارَ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْه‘** ﴾

مندرجہ بالا آیت سے صحابہ کرامؓ کی اتباع کا حکم عیاں ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سابقین اولین اصل ہیں جن کی اتباع سے رضاءِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ان کے بعد آنے والوں کے لیے رضا الٰہی کا حصول تب ممکن ہے جب ان سابقین اولین کی اتباع کریں گے۔

تعاملِ صحابہؓ قوانین شرعیہ کا ماخذ: ثبوت از روئے سنت

تعاملِ صحابہؓ کا حجت شرعی ہونا جس طرح کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح سنت میں بھی اس کے حجتِ شرعی ہونے کو بالکل واضح بیان کیا گیا ہے۔ فرمان نبوت ہے:

١۔ '' **عَلَيْكُمْ بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين.''** (٦١)

''میری اور خلفائے راشدین مہدین کی سنت کو لازم پکڑو۔''

٢۔ '' **اَصْحابی کالنجوم بایّهم اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ .''** (٦٢)

''میرے صحابہ ستاوں کے مانند ہےں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ

گے۔''

۳۔ '' انّ الناسَ لکم تبعٌ وانّ رجالاًیاتونکم من اقطار الارض یتفقّھون فی الدین فَاِذَا اتوکم فاستوصوابھم خیراً .'' (۶۳)

''لوگ تمہاری اتباع کرنے والے ہیں، لوگ تمہارے پاس مختلف علاقوں سے دین سیکھنے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں خیر کی نصیحت کرو۔''

قانونِ شریعت کا ماخذِ ثالث: اجماع

تعریف:

لغوی: اجماع کا لغوی معنیٰ ہے پختہ ارادہ کرنا، کسی چیز پر متفق ہونا۔

اصطلاحی: ایک زمانہ کے سب مجتہدین اہل السنۃ والجماعۃ کا کسی مسئلہ پر متفق الرائے ہونا۔

اجماع احکامِ شرعیہ کے لیے مثبِت ہوتا ہے نہ کہ مظہر۔

قانونِ شریعت کا مآخذ ثالث اجماع: دلائل از روئے قرآن

متعدد آیات میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ یہاں مشہور آیت ذکر کی جاتی ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَّعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ﴾

(النساء : ۱۱۵)

''اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس پر امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔''

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں سبیل المؤمنین سے مراد اجماع ہی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

'' واستدل الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ علی حجیۃ الاجماع بھذہ الآیۃ .''(۶۴)

''امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے۔''

ثبوت: از روئے سنت

''حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ

اگر کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو کہ قرآن میں اور آپ کی سنت میں اس کی بابت کوئی حکم نہ مل سکے تو ہم کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا اس کے لیے اہل علم مومنین کو جمع کرو اور پھر آپس کے مشورے سے طے کرو۔ محض ایک کی رائے سے حل نہ کرو۔"(۶۵)

قانونِ شریعت کا ماخذِ رابع: قیاس

تعریف:

لغوی: قیاس کا لغوی معنی ہے ناپنا۔ پیمائش کرنا، اندازہ لگانا، برابر کرنا

اصطلاحی: اصل سے فرع کی جانب حکم متعدی کرنے کو کہتے ہیں جبکہ یہ تعدیہ کسی ایسی علت کی بنا پر ہو جو اصل وفرع دونوں میں پائی جائے۔

قیاس کا مرتبہ پہلے تین مآخذ یعنی کتاب وسنت اور اجماع کے بعد ہے۔ قیاس مثبتِ حکم نہیں بلکہ مظہرِ حکم ہے۔ قیاس قانون شریعت کا مآخذ رابع ہے۔ جس کے مختصر دلائل درجِ ذیل ہیں:

دلائل از روئے قرآن

﴿ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴾ (الحشر : ۲)

"اے اہل بصیرت! عبرت حاصل کرو۔"

عبرت کی حقیقت کسی شے کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا ہے اور یہی قیاس ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

" استدلوا بهذه الآية على حجة القياس من حيث انه تعالىٰ امر بالاعتبار والمجاوزة من اصل الى فرع لمشاركة بينهما فى وصف يصلح سببا لذلک الحکم ."(۶۶)

"علماء نے اس آیت سے قیاس کے حجت ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے فرع کی طرف قیاس کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایسی مشترک وصف ہے جو اس حکم کا سبب بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔"

ثبوت از روئے سنت

اس سلسلے میں حدیث معاذؓ مشہور ومعروف ہے۔

أصلِ ثالث

شورائیت

اسلامی نظامِ خلافت کی بنیاد شورائیت پر ہے اور اسی کے مطابق اوپر سے نیچے تک پورے انتظامی ڈھانچے کی تشکیل ہوتی ہے۔ درجِ ذیل دو آیات شورائیت کے حوالے سے اصول کا درجہ رکھتی ہیں، چنانچہ ہم انہی کی روشنی میں شورائیت سے متعلق چند امور کا اجمالاً ذکر کریں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾ (آل عمران : ۱۵۹)

''اور ان سے مشورہ لے کام میں، پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر، اللہ کو محبت ہے توکل والوں پر۔''

اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَأَمْرُهُمْ شُوْرَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ (الشوریٰ : ۳۸)

''اور کام کرتے ہیں آپس کے مشورے سے۔''

تعریف

لغوی معنی **شار يشو ر شوراًالعسل** : چھتے سے شہد نکالنا۔

شـوراً وشـوارارًا الـدابة : جانور کو سدھانا، تجربہ کے لیے سوار ہونا، خریدار کو دکھانے کے لیے سوار ہونا۔

اشار عليه : حکم دینا، نصیحت کرنا، صحیح طریقہ بتانا۔

شاورته فی الا مر : مشورہ طلب کرنا

تشاور واشتو رالقوم : باہم مشورہ کرنا

الشوریٰ : یہ تشاور یا اشار علیہ کا اسم ہے (یعنی باہم مشورہ کرنا)

اصطلاحی معنی

کسی معاملے کے بارے میں لوگوں کا ایک دوسرے سے رائے طلب کرنا تاکہ بہتر رائے پر عمل کیا جاسکے۔ امام راغب الاصفہانی لکھتے ہیں:

التشـا ور والمشاورة والمشورة استخراج الر أى بمراجعة البعض الى

البعض من قولهم شرت العسل اذا اتخذته من مو ضعه و استخرجته منه ...... والشوریٰ الامر الذی یتشاور فیه.[٦٧]

''تشاور، مشاورت اور مشورے کا معنی ہے کہ ایک دوسرے سے رجوع کر کے رائے کا نکالنا جیسے محاورہ ہے میں نے شہد نکالا جب تو اسے اس کی جگہ (چھتہ) سے نکال لے۔ شوریٰ وہ معاملہ ہے جس کے بارے میں مشورہ کیا جائے۔''

شرعی تعریف

شوریٰ اور شورائیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا معاملہ جس سے متعلق شریعت میں کوئی واضح حکم نہ آیا ہو اس معاملے سے متعلق ماہرین فن کی رائے لینا اور امیر کا قرآن وسنت کی روشنی میں ان آراء میں سے بہتر اور مفید رائے پر کثرت اور قلت کا نہیں بلکہ قوتِ دلیل کا اعتبار کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ اور عمل درآمد کرنا۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

'' الشوریٰ مبنیةٍ علیٰ اختلاف الاراء والمستشیر ینظر فی ذلک الخلاف ونظر اقربها قولاً الی الکتاب والسنة ان امکنه فاذا ارشده الله تعالیٰ الیٰ ما شاء منه عزم علیه و انفذه متوکلاً علیه .''[٦٨]

''شوریٰ آراء کے اختلاف پر مبنی ہے۔ مشورہ لینے والا اس اختلاف میں غور وفکر کرتا ہے اور اگر اس کے لیے ممکن ہو تو ان میں سے قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہونے پر غور وفکر کرتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے جس کے بارے میں اس کی رہنمائی کرتے ہیں، اس پر پختہ عزم کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے نافذ کر دیتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کرامؓ کی آراء معلوم کرنے کا حکم دیا گیا، امام ابن جوزیؒ ﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡأَمۡرِ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' معناه استخرج آراء هم واعلم ما عندهم .''[٦٩]

(زادالمسیر : ۱/ ۳۹۰)

''یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ ان (صحابہ کرامؓ) کی آراء (پوچھ کر) نکالیے اور جو ان کی رائے ہے معلوم کر لیجئے۔

مشاورت کے بعد جو فیصلہ ہو اس کو عملی جامہ پہناتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ پر پورا اعتماد اور بھروسہ کیا

جائے کہ وہی اس میں اعانت کرے گا۔امام رازی لکھتے ہیں:

" ﴿ فاذا عزمت ﴾ المعنیٰ انه اذا حصل الرأی المتأكد بالمشورة فلا يجب ان يقع الاعتماد عليه بل يجب ان يكون الاعتماد على اعانة اللّٰه وتسديده وعصمته والمقصود ان لا يكون للعبد اعتماد على شيئى الا على اللّٰه فى جميع الامور." (۷۰)

"معنی یہ ہے کہ جب مشورہ کے بعد جو پختہ رائے بن جائے تو ضروری نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور عصمت پر بھروسہ کرنا چاہیے اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ بندے کے لیے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔"

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

" فامض لما امرناک به علیٰ ماامرناک به وافق ذالک آراء اصحابک وما اشاروا به عليک اوخالفها وتوكل فيما تأتى من امورک." (۷۱)

"(مشورے کے بعد جس چیز کا عزم کرلیں) تو ہم نے جو حکم دیا جس طرح دیا ہے اس کے مطابق کر گزرے چاہے یہ آپ کے اصحاب کی رائے اور مشورے کے مطابق ہو یا مخالف اور آنے والے معاملات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے۔"

امام آلوسی لکھتے ہیں:

" قد كانت الشوریٰ بين النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه فيما يتعلق بمصالح الحروب وكذا بين الصحابه رضى الله تعالیٰ عنهم بعده عليه الصلوٰة والسلام وكانت بينهم ايضاً فى الاحكام كقتال الردة وميراث الجد وعددحد الخمر وغير ذٰلک والمراد ما لم يكن لهم فيه نص شرعى والا فالشوریٰ لا معنیٰ لها وكيف يليق بالمسلم العدول عن حكم الله عزوجل الیٰ آراء الرجال والله سبحانه هو الحكيم الخبير." (۷۲)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے درمیان جنگی مصلحتوں سے مشورہ ہوتا تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے درمیان بھی۔ نیز ان کے درمیان

مرتدین سے قتال کرنے، جد کی میراث اور شراب پینے کی حد کی تعداد اور دیگر امور سے متعلق مشورہ ہوتا تھا۔ مشاورت سے مراد یہ ہے کہ جب تک اس میں شرعی نص نہ آئے ورنہ شوریٰ کا کوئی معنیٰ نہیں اور مسلمان کو یہ کیسے لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجائے انسانوں کی آراء کو اختیار کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ تو صاحبِ حکمت اور باخبر ہیں۔''

شورائیت

سنت

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

''عن ابی هريرة قال مارأيت احداً اكثر مشورة لاصحابه من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم .''(۷۳)

''حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے صحابہؓ سے مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔''

(۲) امام بخاری روایت کرتے ہیں:

''وشاور النبی صلی اللّٰه عليه وسلم اصحابه يوم احدفی المقام والخروج فرأواله الخروج فلمّا لبس لامته وعزم قالوااقم فلم يمل اليهم بعد العزم وقال لاينبغی لنبیّ يلبس لامتهٔ فيضعها حتی يحكم اللّٰه .''(۷۴)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے موقع پر صحابہ کرام سے (شہر میں) ٹھہرنے اور باہر (نکل کر مقابلہ کرنے) کے بارے میں مشورہ کیا انہوں نے باہر (نکل کر مقابلہ کرنے کی) رائے دی۔ جب آپ ﷺ نے زِرہ پہن کر اس کا عزم کرلیا تو انہوں نے عرض کیا کہ (شہر میں) ٹھہر جایئے۔ آپ ﷺ نے عزم کے بعد ان کی (بات) کی طرف توجہ نہ دی اور فرمایا کہ نبی جب زِرہ پہن لے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے اسے اتارنا اس کی شان کے لائق نہیں۔''

(۳) اسی طرح دوسرے واقعے سے متعلق روایت کرتے ہیں:

''وشاور عليا واسامة فيما رمیٰ به اهل الا فک عا ئشة فسمع منهما حتی نزل القرآ ن .''(۷۵)

''رسول اللہ ﷺ نے واقعہ افک میں علیؓ اور اسامہؓ سے مشورہ فرمایا اور ان کا موقف سنا حتیٰ کہ قرآن نازل ہوا۔''

(٤) امام حاکم روایت کرتے ہیں:

" عن سعید بن المسیب قال کا ن ابو بکر الصدیق من النبی صلی الله علیه و سلم مکا ن الوزیر فکا ن یشا ور ه فی جمیع امور ه ." (٧٦)

''سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ ﷺ کے وزیر کا رتبہ حاصل تھا۔ آپ ﷺ ان سے تمام امور میں مشاورت کیا کرتے تھے۔''

(٥) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے مشورہ طلب کیا کرتے تھے۔

" ان رسـول الـلـه صلی الله علیه و سلم قال اشیروا علینا فی امرنا فقال ابوبکر اناء اعلم الناس بمسافة الارض ." (٧٧)

''رسول اللہ ﷺ نے (غزوۂ بدر کے موقع پر) فرمایا مجھے مشورہ دیجئے۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا میں لوگوں میں سب سے زیادہ زمین کی مسافت کو جاننے والا ہوں۔''

(٦) " فی روایته عن ابن عباس قال نزلت هٰذه الآیة فی ابی بکر و عـمـر فـقـال الـنـبـی صـلـی الـلـه عـلـیـه و سلم لواجتمعتا فی شورةٍ مَا خاَلَفتکما ." (٧٨)

''ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت ﴿شـاورهـم فـی الأمـر﴾ ابوبکر و عمرؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو گئے تو میں تمہاری مخالفت نہ کروں گا۔''

(٧) " عـن ابـی سعید قال قال رسول الله علیه و سلم وزیر ای من اهل السماء جبیرئیل و میکائیل و من اهل الاض أبوبکر و عمر ."(٧٩)

''ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل آسمان میں سے میرے دو وزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں اور اہل زمین میں سے ابوبکر و عمرؓ ہیں۔''

(٨) " عـن اَبی هریرة قَاَل قَاَل رَسُولُ الله صلی الله علیه و سلم اِذَا کـاَ نَ اُمَراء کُمُ واغنیاء کم اسخیاء کم وامور کم شوریٰ بنیکم فظهر اللارض خیر لکم من بطنها واذَا کان امراء کم واغنیاء کم بخلاء کم

وامور کم الٰی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا ."[۸۰]

"ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے امراء اور مال دار لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات مشورہ سے طے پاتے ہوں تو زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب امراء اور مال دار بخیل ہوں تو زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے۔"

حضرت ابوبکر الصدیقؓ کا طرزِ عمل

حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ولی عہد نامزد کیا تو اس کے بعد انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"اِعلَم یاَ عمر انّ معک المھاجرین والأنصار من اھل بدر فاکر مھم واعرف لھم حقھم ...... فکن کا حدھم وشا ورھم فیما ترید من امرک ."[۸۱]

"اے عمر! تمہارے ساتھ اہل بدر میں سے مہاجرین اور انصار ہیں، آپ ان کی عزت کیجئے گا اور ان کا حق پہچانیے گا...... ان جیسا بن کر رہنا اور جس چیز کا تم ارادہ کرو اس میں ان سے مشورہ کر لینا۔"

فتنۂ ارتداد میں حضرت ابوبکر کی رائے مرتدین سے قتال کرنے کی تھی۔ صحابہ کرام اس رائے پر متفق نہ تھے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے بھی آپ سے اس معاملے میں بات کی کہ آپ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والوں سے کیوں قتال کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو جواب دیا اس سے متعلق امام بخاری روایت کرتے ہیں:

"فقال ابو بکر واللہ لا قاتلنّ من فرق بین ما جمع رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم تابعہ بعد عمر فلم یلتفت ابوبکر الیٰ مشورۃ اذکان عندہ حکم رسو ل اللہ صلی علیہ وسلم فی الذین فرقوا بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ وارادو تبدیل الدین واحکامہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ ."[۸۲]

"ابوبکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کے دین میں تفریق کرنے والوں سے ضرور قتال کروں گا۔ پھر حضرت عمر نے بھی (اس رائے میں) آپ کی پیروی کی۔ پس

ابوبکرؓ نے (صحابہ کرام کے) مشورے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس لیے کہ ان کے پاس نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرنے والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود تھا اور ان لوگوں کے بارے میں بھی جو دین اور اس کے احکام میں تبدیلی کا ارادہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو دین کو تبدیل کرے، اسے قتل کردو۔''

حضرت عمر الفاروقؓ کا طرزِ عمل

امام بخاری مشاورت سے متعلق سیدنا فاروق اعظمؓ کا طرزِ عمل نقل کرتے ہیں:

'' و کان القرأ اصحاب مشورة عمر کھولاً کا نو ا او شباناً و کا ن وقافاً عند کتا ب اللّٰہ عزو جل .''(۸۳)

''حضرت عمر کے اہل مشورہ قرأ تھے بوڑھے یا جوان اور وہ (حضرت عمرؓ) کتاب اللہ (قرآن) کو بہت زیادہ سمجھنے والے تھے۔''

'' کان عمر کثیر المشا ورة کا ن یشا ور فی امو ر المسلمین حتی المرأة .''(۸۴)

''حضرت عمرؓ مسلمانوں کے امور میں بہت زیادہ مشاورت کرنے والے تھے حتیٰ کہ عورتوں سے بھی مشورہ لے لیا کرتے تھے۔''

صدر اول میں اسلامی ریاست میں خلفائے راشدین کا طرزِ حکمرانی یہی تھا کہ وہ تمام اہم امور کو مشاورت سے سرانجام دیتے تھے۔ یعنی اسلامی ریاست کے بنیادی اصول شورائیت'' پر ہی ان کی حکومت قائم تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری فرماتے ہیں:

'' و کانت الائمة بعد النبی صلی اللہ علیه و سلم یستشیرون الا منأ من اھل العلم فی الا مو ر المبا حة لیا خذ و ا با سھلھا.(۸۵)

''رسول اللہ ﷺ کے بعد امام (خلیفہ) مباح امور میں علماء میں سے امین لوگوں سے مشاورت کرتے تھے تا کہ آسان صورت کو اختیار کریں۔''

'' قال النبی ما خاب من استخا ر و لا ندم من استشار .''(۸۶)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے استخارہ کیا وہ نقصان میں نہ ہوگا اور جس نے مشورہ کرلیا وہ نادم نہ ہوگا۔''

'' قال الحسن و اللہ ما تشاور قوم بینھم لھداھم اللہ لا فضل ما

بحضرتهم ."[۸۷]

"حضرت حسن فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جس قوم نے بھی آپس میں مشورہ کرلیا تو اللہ تعالیٰ انہیں درپیش معاملہ میں بہتر کی رہنمائی فرمائیں گے۔"

حکم شوریٰ

مذکورہ آیت میں شوریٰ کا حکم وجوب کا ہے یا استحباب کا۔ اس میں اختلاف ہے اور تین آراء پائی جاتی ہیں، بعض کے نزدیک استحباب کا حکم ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی لکھتے ہیں:

" اِختلف اهل التا ویل فی المعنیٰ الذی امر اللّٰه نبیه علیه السلام ان یشا ور فیه اصحا به فقالت طائفة ذلک فی مکائد الحروب وعند لقا ء العدو تطییبا لنفوسهم ورفعاً لا قدارهم وتالفاً علی دینهم وان کان الله تعالیٰ قد اغناه عن رأیهم بو حیه."[۸۸]

"اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کے معنی کے بارے میں اہل تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ یہ حکم جنگی چالوں اور دشمن سے لڑائی کے وقت کے بارے میں ہے، صحابہ کرام کے دلوں کو خوش کرنے، ان کی قدر ومنزلت بڑھانے اور دین پر مضبوطی کے لیے ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان (صحابہ) کی آراء سے اپنی وحی کے ذریعہ بے نیاز کردیا ہے۔"

بعض کے نزدیک حقیقت میں مخاطب امت ہے کہ وہ اپنے اہم امور کو مشاورت سے طے کریں۔ امام ابن جوزی **شاورهم فی الا مر** کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" لیستن به من بعده وهذا قول الحسن وسفیان بن عینیه."[۸۹]

"تاکہ بعد والوں کے لیے سنت قرار پائے۔ یہ حسن اور سفیان بن عینیہ کا قول ہے۔"

تیسرا اور صحیح قول یہ ہے کہ شوریٰ واجب اور لازم ہے اور استحباب کا حکم نہیں ہے۔

امام جصاص لکھتے ہیں:

" وغیر جا ئز ان یکو ن الا مر بالمشا ورة علیٰ جهة تطییب نفوسهم ورفع اقدارهم لتقتدیٰ الا مة به فی مثله لا نه لو کا ن معلوماً عندهم انهم اذا استفرغوا مجهودهم فی استنباط ما شوورو افیه

وصواب الرأی فیما سئلوا عنه ثم لم یکن ذالک معمولاً علیه ولا ملتقی منه بالقبول بوجه لم یکن فی ذلک تطییب نفوسهم ولا رفع لاقدارهم بل فیه ایحاشهم واعلامهم بان آرائهم غیر مقبولة ولا معمول علیها فهذا تاویل ساقط لا معنیٰ له .''[۹۰]

''یہ جائز نہیں کہ مشاورت کا حکم صحابہ کرام کے دلوں کو خوش کرنے اوران کی قدرو منزلت بڑھانے کے لیے ہوتا کہ امت اس مثال کی اقتداء کرے۔اس لیے کہ اگر انہیں معلوم ہو کہ جس معاملے سے متعلق مشورہ لیا جا رہا ہے جب وہ اس بارے میں غور وفکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچیں گے اور جس چیز کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے اس میں درست رائے پر پہنچ جائیں تو ان کی رائے پر عمل ہوگا اور نہ وہ قبول کی جائے گی تو اس میں ان کے دلوں کو خوشی ہوگی اور نہ ان کی عزت بڑھے گی بلکہ اس میں ان کے لیے وحشت پیدا ہوگی اور ان کو یہ جتلانا ہوگا کہ ان کی آراء غیر مقبول ہیں اوران پر عمل نہ ہوگا پس یہ تفسیر ساقط ہے، جس کی کوئی حیثیت نہیں۔''

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

" ظاهر الامر للوجوب فقوله وشاورهم یقتضی الوجوب.''[۹۱]

''امر (شاورہم) کا ظاہری معنی وجوب کا ہے اوراللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿شاورهم﴾ وجوب کا مقتضی ہے۔''

اسی طرح شمس الائمہ فرماتے ہیں:

" قال شمس الائمه رحمه اللّٰه ولا معنیٰ لقول من یقول انما کان یشیرهم فی الاحکام لتطییب قلوبهم لان فیما کان الوحی ظاهراً معلوماً ما کان یتثیرهم وفیما کان یتثیرهم لا یخلوا ما ان کان یعمل برأیهم او لا یعمل فان کان لا یعمل برأیهم وکان ذلک معلوماً لهم فلیس فی هذه الاستشارة تطییب النفس بل هی نوع من الاستهزأ وظن ذلک برسول الله صلی الله علیه وسلم محال .''[۹۲]

''شمس الائمہ فرماتے ہیں کہ یہ قول کہ مشاورت کا حکم محض دلوں کو خوش کرنے اوران کی عزت بڑھانے کے لیے ہے،اس کا کوئی معنی نہیں،اس لیے کہ جن امور میں وحی ظاہر اور

معلوم ہے ان میں ان سے مشاورت نہ کرتے تھے اور جن امور میں مشاورت کرتے تھے یا تو ان کی رائے پر عمل کیا جائے گا یا نہیں۔ اگر عمل نہ کیا جائے اور یہ بات انہیں معلوم ہو تو اس مشاورت میں ان کی تطییب قلوب نہ ہوگی بلکہ یہ تو ان کے ساتھ استہزاء ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایسا گمان کرنا محال ہے۔''

خلیفہ وامراء کے لیے شوریٰ کا حکم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام الرسل اور خاتم الانبیاء ہیں، آپ کی ہر لمحے بذریعہ وحی والہام رہنمائی کی جارہی تھی اس کے باوجود آپ کے لیے بھی مشاورت واجب ہے، تو خلیفہ اور اس کے نائبین وامراء خصوصاً خیر القرون کے بعد قیامت تک آنے والے جن کا علم اور عقل ناقص ہے، ان کے لیے تو ہر شعبہ کے ماہرین سے مشاورت اور باقاعدہ مجلس شوریٰ کا قیام بطریقِ اولیٰ واجب ہے تاکہ وہ امورِ سلطنت کو بہتر طور پر انجام دے سکیں۔ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" لا غنى لولي الامر عن المشاورة فان الله امر بها نبيه صلى الله عليه وسلم فغيره اولىٰ بالمشورة ."(۹۳)

''اولی الامر (حاکم) مشورے سے بے نیاز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم دیا ہے تو آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں (حکام وغیرھم) کے لیے مشورہ کا حکم بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔''

مشورہ طلب مسائل

اسلامی ریاست میں شورائیت کی بنیاد پر ہی حکومت کی جاتی ہے، جس کے لیے مجلسِ شوریٰ کا قیام ضروری ہے۔ موضوع بحث یہ ہے کہ کن امور میں مشاورت کی جاسکتی ہے؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشورہ طلب مسائل کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ مشاورت ایسے شرعی حکم سے متعلق ہو جس کے بارے میں شریعت کا واضح حکم موجود ہے۔ یعنی قرآن وسنت اور ان سے مستنبط اجماع وقیاس میں اس امر سے متعلق واضح حکم آچکا ہے۔ اس صورت میں مشاورت بالکل ناجائز اور حکم شرعی پر عمل کرنا واجب ہے، لہٰذا خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ بغیر کسی مشاورت کے اس شرعی حکم کو نافذ کرے۔ کیونکہ جس امر سے متعلق قرآن وسنت میں حکم دیا جاچکا ہے اس پر مشاورت نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

" وان المشاورة قبل العزم والتبيين ."(۹۴)

یعنی مشورہ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم فرما لینے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے صورت حال کی وضاحت سے پہلے ہے۔''

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو بھی مشاورت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن جب آپؐ نے کسی معاملہ سے متعلق عزم فرما لیا یا بذریعہ وحی جلی یا خفی اس کا حکم آ چکا تو اب اس پر مشورہ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس حکم پر عمل کرنا لازم ہے۔امام جصاص لکھتے ہیں:

'' ولا بد من ان تکون مشاورۃ النبي صلی اللہ علیه وسلم ایاھم فیما لا نص فیه إذ غیر جائز أن یشاورھم فی المنصوصات.''[95]

''ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام سے ان امور میں مشاورت ہو جن کے بارے میں نص نہیں آئی اس لیے کہ منصوصات میں مشاورت جائز نہیں ہے۔''

منصوصات میں مشاورت نہ صرف امت بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

'' اتفقوا علیٰ ان کل ما نزل فیه وحی من عند اللہ لم یجز للرسول ان یشاور فیه الامة لانه اذا جاء النص بطل الرأی والقیاس .''[96]

''فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آ چکی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے امت سے مشاورت جائز نہیں، اس لیے کہ جب نص آ چکی تو رائے اور قیاس باطل ہو گئے۔''

دوسری صورت یہ ہے کہ مشورہ طلب امر کا تعلق مختلف فیہ شرعی حکم سے ہو۔اس میں خلیفہ کا مشاورت کا مقصود اہل حل وعقد کی رائے سے متعلقہ معاملہ میں تقویت حاصل کرنا ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مشورہ طلب امر سیاسی یا انتظامی ہے اس صورت میں مشاورت کا مقصد یہ ہوگا کہ متعلقہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور وفکر کرنا اور مختلف آراء کو سامنے لانا ہے۔تاکہ خلیفہ سب سے بہتر رائے خواہ اکثریت کی ہو یا اقلیت کی، کو اختیار کرے یعنی مشورہ میں سامنے آنے والی تمام آراء میں سے جسے وہ بہتر اور مفید سمجھتا ہو اس کے مطابق فیصلہ کرلے اور اس پر عمل درآمد کرے۔جیسا کہ ہم ماقبل میں نقل کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ صحابہ کرام سے جنگی اور دیگر انتظامی امور کے بارے میں مشورہ لیا کرتے تھے۔مشورہ طلب امور سے متعلق امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

'' وفی الذی امر بمشاورتھم فیه قولان حکاھما القاضی ابو یعلیٰ

احدهما انه امر الدنيا خاصة والثانى امر الدين والدنيا وهو اصح.(۹۷)

''جن امور کے بارے میں مشاورت کا حکم دیا گیا ہے اس میں قاضی ابویعلیٰؒ نے دو قول نقل کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم دنیاوی امور کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا یہ کہ دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے امور سے متعلق ہے یہی (دوسرا قول) صحیح ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ مشاورت کے حکم میں مشورہ طلب سائل سے متعلق کوئی تخصیص نہیں کی لہٰذا اسے مطلق رکھا جائے۔ چنانچہ امام بصاصؒ لکھتے ہیں:

'' ولما لم يخص الله تعالىٰ امر الدين من امور الدنيا فى امره صلى الله عليه وسلم بالمشاورة وجب ان يكون ذلك فيهما جميعا .''(۹۸)

''جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاورت کے حکم میں دینی امور کی دنیاوی امور سے تخصیص نہیں کی تو واجب ہے کہ یہ حکم دونوں میں ہو۔''

فیصلہ کا اختیار

مشاورت کے وجوب کا یہ مطلب نہیں کہ اہل شوریٰ کی آراء کو قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا بھی واجب ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشاورت کرنا، آراء سننا، ان پر غور وفکر کرنا اور موازنہ کرنا تو واجب ہے لیکن ہر حال میں اسے قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں بلکہ فیصلے کا اختیار خلیفہ یا امیر کو حاصل ہے۔ مجلس شوریٰ سے مشورہ لینے اسے قبول کرنے یا ردمسترد کرنے اور بالآخر فیصلے کے بارے میں خلیفہ کو اختیارات دیے گئے ہیں کہ اگر مشورے میں کوئی مضبوط اور مفید رائے سامنے آئے تو اسے قبول کرے یا اگر مشاورت کے بعد اسے دوسروں کی آراء کمزور اور اپنی ذاتی رائے زیادہ مضبوط اور مفید معلوم ہوتی ہے تو اس کے مطابق بھی فیصلہ کرسکتا ہے اور مجلس شوریٰ اور انتظامیہ پر اس کے فیصلے کو قبول کرنا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے۔ ہم ماقبل میں شورائیت کی شرعی تعریف میں امام طبری کے حوالے سے ﴿ فإذا عزمت فتوكل على الله ﴾ کی تفسیر نقل کر چکے ہیں کہ کسی رائے سے متعلق عزم کر لینے کے بعد اس پر عمل کرنا لازم ہے چاہے یہ مشورہ دینے والوں کی آراء اور ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف۔ جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ بالآخر فیصلے کا اختیار خلیفہ اور امیر کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ احادیث میں ناپسندیدگی اور پسندیدگی دونوں حالتوں میں امام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے (جیسا کہ آگے چل کر باب اطاعتِ خلیفہ میں تفصیل آئے گی) جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام اور امیر کی طرف سے ایسے فیصلے بھی سامنے آئیں گے جو ماتحتوں کی رائے کے موافق نہ ہوں گے،

اس کے باوجود اس کی اطاعت کرنا ہوگی اور بالآخر اس کے فیصلے کو قبول کرنا ہوگا۔

احکامات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ احکامِ تشریعیہ ۲۔ احکامِ تنفیذیہ

(ان کی تعریف وتوضیح ہم آگے چل کر بیان کریں گے)

بالفاظ دیگر عام طور پر امور دو طرح کے ہوتے ہیں: ۱۔دینی ۲۔انتظامی

دینی امور میں فیصلے کی طاقت صرف کتاب وسنت میں ہے۔ جسے ماقبل میں تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے۔

انتظامی امور

یہ موضوع تفصیل طلب ہے جس کا یہ موقع نہیں ہے۔ احکاماتِ تنفیذیہ کے متعلق خلیفہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ انتظامی مجلسِ شوریٰ سے مشورہ طلب کرنے کے بعد اسے قبول یا رد کرے۔ اسی طرح اگر خلیفہ اپنی رائے کو پیش کی جانے والی تمام آراء سے بہتر سمجھتا ہے تو محض اپنی رائے پر بھی عمل کرسکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (النساء : ۵۹)

''اے مومنو! اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبِ حکم ہیں۔''

مندرجہ بالا آیت میں لفظِ اطاعت، خلیفہ کے اس حق کو شامل ہے۔ اس قرآنی دلیل کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے واقعات سے بھی خلیفہ کا یہ اختیار ثابت ہوتا ہے۔ امام ابوبکر الجصاصؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کے متعلق لکھتے ہیں:

" وكان صلى الله عليه وسلم اذا شاورهم فاظهروا آرائهم ارتأى معهم وعمل بما اداه اليه اجتهاده ."(۹۹)

''جب رسول اللہ ﷺ (صحابہ کرام سے) مشورہ لیتے تو وہ اپنی اپنی آراء ظاہر کرتے، آپ بھی ان کے ساتھ غور وفکر کرتے اور آپ کا اجتہاد جس نتیجے پر پہنچتا اس پر عمل کرتے۔''

امام جصاصؒ مزید لکھتے ہیں:

" واذ قد بطل هذا فلا بد من ان تكون لمشاورته اياهم فائدة

تستفاد بها و ان يكون للنبی صلی اللّٰه عليه وسلم معهم ضرب من الارتأ والا جتهـاد فـجـائـز حيـنـئذ ان توافق آ رائهم رأی النبی صلی الله عليه وسلم وجا ئز ان يوافق رأی بعضهم رايه وجائز ان يخالف رأی جميعهم فيـعـمل صلی الله عليه وسلم حينئذٍ برأيه ويكون فيه دلا لة علیٰ انهم لـم يـكـونـوا مـعـنقين فی اجتهادهم بل كا نوا ما جورين فيه لفعلهم ما امـروا بـه ويـكون عليهم حينئذ ترک آرائهم واتباع رای البنی صلی الله عليه وسلم."(۱۰۰)

"جب یہ بات (کہ مشاورت کا حکم استحبابی ہے) باطل ثابت ہوگئی تو ضروری ہے کہ آپ کی ان (صحابہ کرامؓ) سے مشاورت میں کوئی فائدہ ہو جسے حاصل کیا جا سکے اور یہ کہ آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ ایک طرح کا غوروفکر اور اجتہاد کرتے ہوں۔ پس اس وقت جائز ہے کہ ان کی رائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق ہو یا یہ کہ آپ ﷺ کی رائے تمام کی رائے کے مخالف ہو تو اس وقت آپ ﷺ اپنی رائے پر (فیصلہ کرتے ہوئے) عمل کریں گے۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں ......نہیں بلکہ انہیں جس چیز کا حکم دیا گیا تھا، اس کا انہیں اجر ملے گا۔ اس وقت ان پر اپنی آراء کو ترک کر کے آپ ﷺ کی اتباع کرنا لازم ہے۔"

فوائدِ شوریٰ

شوریٰ کے چند فوائد یہ ہیں جیسا کہ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

" انه عليه السلام و ان كا ن اكمل النا س عقلاً الا ان علو م الخلق متـنـا هية فلا يبعد ان يخطر ببال انسان من وجوه المصالح مالا يخطر بـالـه لا سيـمـا فيـمـا يـفعل من امو ر الدنيا فانه عليه السلام قال انتم اعـرف بامور دنياكم وانا اعرف بامو ردينكم لا لا نـک محتا ج اليهم ولـكـن لا جل انـک اذا شا ورتهم فی الا مر اجتهد كل واحد منها فی استـخـرا ج الوجه الا صلح فی تلـک الواقعه فتصير الا روا ح متطابقة متـوافـقه علی تحصيل اصلح الوجو ه فيها وتطابق الا روا ح الطا هر ة عـلـی الشـیء الـواحـد مـما يعين علی حصوله وهذا هو السر عند الا

جتماع فی الصلوات." (۱۰۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ عقل کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے زیادہ کامل تھے مگر چونکہ مخلوق کے علوم محدود ہیں تو یہ بعید نہیں کہ کسی آدمی کے دل میں مصالح کے بارے میں کوئی ایسی (مفید) بات آجائے جو ان کے دل میں نہ آئے خصوصاً دنیاوی امور جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم اپنے دنیاوی امور کو زیادہ جاننے والے ہو اور میں تمہارے دینی امور کو زیادہ سمجھنے والا ہوں۔" آپ ان سے مشاورت کیجئے، اس لیے نہیں کہ آپ ان کے محتاج ہیں بلکہ اس لیے کہ جب آپ ان سے کسی معاملہ میں مشورہ طلب کریں گے تو ہر ایک اس واقعہ میں بہتر صورت نکالنے کی کوشش کرے گا تو ارواح سب سے بہتر صورت کے حصول پر ایک دوسرے سے موافق ہو جائیں گی اور پاکیزہ ارواح کا ایک شئی کے حصول پر ایک دوسرے کی مطابقت کرنا اس شئی کے حصول کے لیے معاون ہے، باجماعت نمازوں (کے حکم) میں بھی یہی راز پوشیدہ ہے۔"

مجلس شوریٰ

اسلامی ریاست میں خلفیہ اہل رائے کے مشورے سے امور حکومت کو سرانجام دیتا ہے۔ اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ باقاعدہ مجلس شوریٰ قائم کرے۔

مجلس شوریٰ کا انتخاب اور ذمہ داری تعدادِ ارکان

مجلس شوریٰ کے ارکان کے انتخاب کا اختیار خلیفہ کو حاصل ہے۔ مجلس شوریٰ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خلیفہ کو تنفیذی اختیارات کے سلسلہ میں مشورے دے۔ مجلس کے ارکان کی تعداد کا انحصار وقت اور حالات پر ہے البتہ اتنے افراد اس مجلس کے ارکان منتخب کیے جائیں جن کا ہونا ضروری ہو اور ان کا اجتماع بھی آسانی سے ہو سکے۔ خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

مجلس کا اجلاس

خلیفہ کے طلب کرنے پر اس کا اجلاس ہوگا اور خود خلیفہ یا اس کا نائب اس اجلاس کی صدارت کرے گا۔

مجلس شوریٰ کے لیے اہلیت

مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لیے وہی شرائط ہیں جو اہل حل وعقد کی ہیں جن کو ہم آگے چل کر بیان

کریں گے۔ مختصر یہ کہ رکن منتخب ہونے والا شخص مسلمان، عادل اور مشورہ دینے کا اہل اور مشورہ طلب امر میں مہارت رکھتا ہو۔ ابن عطیہ الاندلسیؒ مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لیے مندرجہ ذیل شرائط پیش کرتے ہیں:

" وصفة المستشار فی الا حکام اَن یکون عالماً دیّنا . "(۱۰۲)

" شرعی احکام میں مشورہ دینے والے کی صفت یہ ہے کہ وہ (جید) عالم اور دین دار ہو۔"

" وصفة المستشار فی الامور لدنیا ان یکون عاقلاً مجربا واداً فی المستشیر . "(۱۰۳)

" دنیاوی امور میں مشورہ دینے والے کی صفیت یہ ہے کہ وہ عقل مند، تجربہ کار اور مشورہ طلب کرنے والے سے محبت کرتا ہو۔" (خیر خواہ ہو)

امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

" وعمهم بالذکر والمقصود ارباب الفضل والتجارب منهم. "(۱۰۴)

" ذکر تو عمومی ہے اور مقصود صاحبِ فضیلت اور تجربہ کار ہیں۔"

علم، عقل، مہارت اور تجربے کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے، چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں:

" قال سفیان الثوری لیکن اهل شورتک اهل التقویٰ والامانة ومن یخشی الله تعالیٰ . "(۱۰۵)

" سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے اہل مشورہ صاحبِ تقویٰ وامانت اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں۔"

خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ اپنی مجلس شوری میں ہر فن کے ماہرین کو منتخب کرے تا کہ وہ اسے اپنے اپنے متعلقہ شعبے سے متعلق امور میں مفید مشورے دیتے رہیں۔

" قال ابن خویز منداد واجب علی الولاة مشاورة العلماء فیما لا یعلمون وفیما اشکل علیهم من امور الدین ووجوه الجیش فیما یتعلق بالحرب ووجوه الناس فیما یتعلق بالمصالح ووجوه الکتاب والوزراء والعمال فیما یتعلق بمصالح البلاد و عمارتها . "(۱۰۶)

" ابن خویز منداد فرماتے ہیں کہ والیوں پر لازم ہے کہ وہ جن امور کا علم نہ رکھتے ہوں

اور جن دینی امور میں انہیں مشکل پیش آئے ان کے بارے میں علماء سے مشاورت کریں، کمانڈروں سے جنگی امور میں، عوام میں سے سربرآوردہ لوگوں سے (عمومی) مصالح میں، بڑے بڑے سیکرٹریوں وزراء اور عاملین سے شہروں کے فلاحی اور تعمیراتی کاموں میں مشاورت کریں۔''

شورائیت و جمہوریت

اسلامی نظام کے کمزور ہونے اور بالآخر اس کے معطل ہونے کے بعد مغرب نے اس بات کا بڑے شدومد سے پروپیگنڈہ کیا ہے کہ جمہوریت عین اسلام ہے کیونکہ قرآن وسنت میں مشورہ کی تاکید آئی ہے، صدر اول میں اسی پر عمل بھی کیا گیا ہے موجودہ پارلیمانی نظام بھی شورائیت کی حیثیت رکھتا ہے اور پارلیمنٹ مجلس شوریٰ کی ترقی یافتہ شکل ہے، لہٰذا جمہوریت وشورائیت ایک چیز ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ درحقیقت یہ بہت بڑا مغالطہ اور فریب ہے جو اہل مغرب اور مغرب زدہ لوگوں کی طرف سے عام مسلمانوں کو دیا جاتا ہے حالانکہ جمہوریت اور شورائیت دو متوازی نظام ہیں۔ ان دونوں نظاموں کے تقابل کا چونکہ یہ موقع نہیں ہے اس لیے ہم جمہوریت کے بنیادی اصول ''کثرت آراء کا اعتبار'' اور شوریٰ کا موازنہ پیش کرتے ہیں۔

کثرتِ رائے اور شورائیت

اسلامی نظام خلافت کے اساس اصول ''شورائیت'' میں کثرت آراء کا اعتبار ہے یا نہیں؟ بعض جمہوریت زدہ لوگوں کے نزدیک شوریٰ میں بھی کثرت آراء کا اعتبار ہے اور اس کی بنیاد پر بالآخر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، کیونکہ شوریٰ میں مشورہ طلب مسئلہ میں کسی ایک رائے پر کثیر لوگوں کے متفق ہوجانے کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اسلام نے قوت رائے کا اعتبار کیا ہے چاہے وہ رائے کثیر لوگوں کی ہو یا قلیل کی۔ قرآن وسنت اور خلفائے راشدین کے طرز عمل سے یہی ثابت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کی کثیر تعداد سے متعلق فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾

(البقرة : ٢٤٣)

''بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والے ہیں لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔''

اسی طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا:

﴿ إِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ﴾
(الانعام : ١١٤)

''اگر آپ زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔''

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

وھذا یدل علی ان اکثر اھل الارض کانوا ضلالاً .[١٠٧]

''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل زمین کی اکثریت گمراہ تھی۔''

یہی وجہ ہے کہ دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنْ أَوْلِيَاءُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴾
(الانفال : ۳۴)

''اس کے اولیاء صرف تقویٰ والے ہیں لیکن اکثر نہیں جانتے۔''

سنت کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع پر اپنے رفقائے کار صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا لیکن مشورہ کے بعد جمہوری طرز پر ووٹ لیے اور نہ لوگوں کی آراء کو شمار کر کے ان کی کثرت کی بناء پر فیصلہ صادر فرمایا چنانچہ غزوہ بدر میں مکہ کے ستر مشرک قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ مختلف صحابہ کی طرف سے مختلف آراء پیش ہوئیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ کی رائے قیدیوں کو قتل کر دینے کی تھی حضرت الصدیق کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ آراء کا خیال کئے بغیر قوتِ رائے پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت الصدیق کی رائے کو ترجیح دے کر اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

اسی طرح غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر یا شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ بعض نے شہر سے نکل کر اور بعض نے شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی رائے پیش کی۔ آپ پیش کی جانے والی مختلف آراء سماعت فرما کر گھر تشریف لے گئے۔ زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اور باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ صحابہ کرام کو یہ خیال آیا کہ ہم نے غیر مناسب طور پر اصرار کیا ہے۔ لہٰذا ان کی رائے بدل گئی اور تمام نے متفقہ طور پر عرض کیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ ان کی یہ درخواست سن کر

آپؐ نے فرمایا کہ ''نبی جب عزم کر کے ذرہ پہن لے تو لڑائی سے پہلے اسے اتارنا اس کے لائق نہیں ہے۔'' چنانچہ آپ نے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔

مندرجہ بالا روایت سے بھی معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہونے والی آراء کے بعد فیصلہ کا اختیار خلیفہ کو حاصل ہے۔ کثرت وقلت کا اعتبار نہیں اور نہ خلیفہ کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہے، بلکہ اختلافِ آراء کی صورت میں قوتِ رائے ہی باعثِ ترجیح ہوگی۔ فقہی قاعدے کے مطابق بھی قوتِ دلائل کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ کثرتِ دلائل کو۔

مشورہ یا رائے کا مسلط کرنا

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ خلیفہ مشورہ کے بعد اہل مشورہ کی بات یا ان کی اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ دینے کا پابند نہیں ہے۔ بلکہ مشورہ کا مقصد اراکینِ مجلسِ شوریٰ کی آراء سن کر قوتِ دلیل کی بنا پر فیصلہ کرنا ہے۔ دراصل لوگوں میں مشورہ کے بارے میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ مشورہ سے رائے مسلط کرنا مراد لیتے ہیں حالانکہ شوریٰ کے معنی ہیں زیرِ غور معاملہ کے تمام مفید و مضر پہلوؤں کو سامنے لانا تاکہ ان کی روشنی میں بہتر فیصلہ کیا جا سکے۔ جیسا کہ امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں

" معنا ہ استخرج آراء ھم واعلم ما عندھم ."(۱۰۸)

''یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ ان (صحابہ کرامؓ) کی آراء (پوچھ کر) نکال لیے اور جو ان کی رائے ہے معلوم کر لیجئے۔''

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں

" یعنی بعد المشورۃ اعتمد علی اللہ تعالیٰ لا علی رأیک و آراء المتشاورین لان بناء المشاورۃ استخراج ما عندھم من العلم بالا صلح بتلا حق الا فکا ر بنا ء علی جری العادۃ ."(۱۰۹)

''یعنی مشاورت کے بعد اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کیجئے نہ کہ اپنی رائے اور نہ مشورہ دینے والوں کی رائے پر، اس لیے کہ مشورہ کی بنیاد (متعلقہ مسئلے میں) اہل شوریٰ کے علم کا اظہار کرنا ہے تاکہ حسبِ عادت مختلف افکار کے ایک دوسرے سے ملانے سے بہتر صورت سامنے آئے۔''

اہل شوریٰ کی آراء کو سامنے لانے کی وجہ یہ ہے کہ کئی دفعہ کسی معاملہ کے بارے میں مختلف لوگوں کے ذہنوں میں مختلف خیال ہوتے ہیں۔ کسی کے سامنے اس کے فوائد اور کسی کے سامنے اس کے

نقصانات ہوتے ہیں۔جب مختلف لوگوں کی آراءسامنے آتی ہیں تو اس معاملے کے تمام پہلو واضح ہو جا تے ہیں۔جس سے مشورہ لینے والے کے لیے کسی ایک جانب کو ترجیح دینے میں آسانی ہو جاتی ہے اور وہ بہتر فیصلہ کر سکتا ہے۔اسلام میں مشورہ کی غرض وغایت بھی یہی ہے نہ کہ کثرتِ آراء کے مطابق فیصلہ دینا یا رائے ٹھونسنا۔لہذا مجلس شوریٰ اور جمہوری پارلیمنٹ کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے کیونکہ پارلیمنٹ میں ممبرانِ اسمبلی مشورہ نہیں دیتے بلکہ اپنی کثرتِ رائے کو سربراہ مملکت یا وزیر اعظم پر مسلط کرتے ہیں اور وہ ان کے فیصلے کو ماننے پر مجبور ہوتا ہے۔

اسلام میں قوتِ دلیل کا اعتبار ہے

اگر کسی معاملہ پر آراء مختلف ہوں تو اختلاف رائے کی صورت میں کسی رائے کو ترجیح دینے کے لیے دو احتمال ہو سکتے ہیں۔

۱۔ قوتِ دلیل ۲۔ کثرتِ آراء

عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ پہلا احتمال یعنی قوتِ دلیل قابل ترجیح ہے اور دوسرے احتمال یعنی کثرتِ آراء کو رائے کی صحت اور اس کی بنیاد پر فیصلہ کی درستگی میں بذاتہ کوئی دخل نہیں۔البتہ بعض اوقات کثرتِ آراء قوتِ دلیل کی علامت ہوتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عقل ہی سے انسان کو دوسری تمام مخلوقات پر فضیلت و شرف حاصل ہے۔انسان عقل کے اعتبار سے مختلف مراتب کے حامل ہیں۔کئی عقل کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں تو کثیر تعداد ان لوگوں کی بھی موجود ہے جو متوسط درجہ رکھتے ہیں اور بعض تو بالکل عاری ہیں۔اس کے ساتھ یہ بھی مسلم بات ہے کہ تجربہ سے عقل کو جلاء ملتی ہے۔تجربہ میں بھی لوگوں کے مختلف مراتب ہیں۔ان امور کے ذہن نشین کرنے کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ اگر ایک طرف عقلِ کامل اور تجربہ تام رکھنے والا آدمی ہے دوسری طرف دنیا کے کل یا اکثر وہ افراد ہوں جو عقل سے مکمل طور پر بے بہرہ یا عقلِ قلیل کے مالک ہوں، تو کس کی رائے قوی اور فیصلہ قابل قبول ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اسی شخص کی رائے اور فیصلہ قابلِ قبول ہوگا جو عقلِ کامل اور تجربہ تام رکھتا ہے۔بے عقل اور نا تجربہ کار اکثریت کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے

أصلِ رابع

وحدة الخليفة

خلافت کا تیسرا اہم اور بنیادی اصول یہ ہے کہ پوری دنیا میں ایک اسلامی حکومت، ایک نظام اور ایک خلیفہ ہو۔ جمہور اہل السنة والجماعة کا مسلک یہ ہے کہ ایک ہی زمانے میں مختلف خلفاء کا ہونا جائز نہیں ہے۔ کچھ علماء کے نزدیک بوقت ضرورت ایک سے زائد خلفاء کا ہونا جائز ہے، لیکن ان کے نزدیک بھی اصل اصول یہی ہے کہ ایک زمانے میں ایک خلیفہ ہو، جب ضرورت ختم ہوگی تو اس کا حکم بھی ختم ہو جائے گا اور اصل اصول باقی رہے گا یعنی ایک خلیفہ ہونا۔ جیسا کہ امام الحرمینؒ لکھتے ہیں:

"فاذا اتفق ماذکرناه فقد صار صائرون عند ذلک الیٰ تجویز نصب امام فی القطر الّذی لا یبلغه ."(۱۱۰)

"جب مذکورہ بات (وحدتِ خلیفہ) پر اتفاق ہو چکا تو کچھ لوگوں نے ایسے (دور دراز) علاقے میں جہاں امام نگرانی نہ کر سکے، اسے جائز قرار دیا ہے۔"

اسی طرح امام قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"لکن اذا تباعدت الاقطار وتباینت کا لاندلس و خراسان جاز ذٰلک ."(۱۱۱)

"(اصل یہ ہے کہ خلیفہ ایک ہو) لیکن جب ممالک دور اور جدا جدا ہوں جیسے اندلس اور خراسان، تو جائز ہے۔"

بہر حال جمہور کے نزدیک پوری دنیا میں صرف ایک خلیفہ کا ہونا جائز اور بلا ضرورت متعدد کا ہونا ناجائز ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی کے جدید دور سے پہلے دور کے ممالک اور علاقوں تک رسائی ممکن نہ تھی، اگرچہ روم و فارس اور اس کے بعد خلافتِ امویہ و عباسیہ جیسی عظیم وسیع سلطنتیں موجود تھیں لیکن یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ دور کے ممالک کو اپنے قابو میں رکھنا اور مضبوط حکومت کا قیام انتہائی مشکل ہوتا تھا۔ اب جدید دور میں جبکہ پوری دنیا ایک عالمی گاؤں کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے، یہ صورتِ حال باقی نہیں رہی۔ اب دنیا کے کسی بھی علاقے کو اپنے زیر اقتدار لانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے، لہٰذا پوری دنیا میں ایک نظام کا قیام اور ایک خلیفہ کا تقرر مشکل نہیں ہے، لیکن پھر بھی اگر ایسی صورت درپیش ہو تو متعدد خلفاء کا تقرر جائز ہوگا، کیونکہ اصل مقصد تو نظامِ خلافت کا قیام اور حکومتِ

الٰہیہ کا نفاذ ہے، اگر یہ مقصد مختلف علاقوں میں مختلف حکومتوں اور خلفاء کے ذریعے حاصل ہو رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دلائل از روئے قرآن

(۱) قرآن پاک کی متعدد آیات میں مسلمانوں کو اجتماع اتحاد کا حکم دیا گیا اور اختلاف و افتراق سے منع کیا گیا ہے۔

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾

(آل عمران : ۱۰۳)

''تم تمام اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ واور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

امام رازیؒ اختلاف کی تین صورتیں لکھتے ہیں:

'' الاول انہ نھی عن الاختلاف فن الدین وذلک لان الحق لا یکون الا واحدا ، وما عداہ یکون جھلا وضلالا فلما کان کذلک وجب ان یکون النھی عن الاختلاف فی الدین ...... واللہ انہ نھی عن المعاداۃ والمخاصمۃ فانھم کانوا فی الجاھلیۃ مواظبین علی المحاربۃ والمنازعۃ فنھاھم اللہ عنھا الثالث انہ نھی عما یوجب الفرقۃ ویزیل الالفۃ والمحبۃ .''[۱۱۲]

''احتمال یہ ہے کہ دین میں اختلاف کرنے سے نہی کی گئی ہو، یہ اس لیے کہ حق صرف ایک ہے اور اس کے ماسوا جہالت اور گمراہی ہے۔ جب یہی معاملہ ہے تو ضروری ہے کہ دین میں اختلاف سے روکا جائے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایک دوسرے سے عداوت اور جھگڑنے سے نہی ہو، کیونکہ وہ لوگ (اہل عرب) زمانہ جاہلیت میں ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے اور جھگڑتے رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے روک دیا۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ انہیں تفرقے کا باعث بننے والے اور آپس کی محبت والفت کو ختم کرنے والے امور سے روکا گیا ہو۔''

الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے دینی اور دنیاوی تمام امور میں اختلاف وافتراق سے بچنے کا حکم دیا ہے تاکہ اتحاد واتفاق قائم رہے اور آپس کی محبت والفت ختم نہ ہو۔

(۲) درجِ ذیل آیت میں بھی افتراق واختلاف سے منع کیا گیا ہے۔

﴿ وَلاَ تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْبَيِّنَاتِ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾(آل عمران : ۱۰۵)

''تفرقہ ڈالنے والوں کی طرح نہ ہو جاؤ اور نہ ان کی طرح جنہوں نے واضح فرامین آنے کے بعد آپس میں اختلاف کیا اور انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

(۳) اللہ و رسول کی اطاعت کرنے کا حکم اور تنازع سے منع کیا گیا ہے۔

﴿ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّبِرِينَ ﴾(الانفال : ۴۶)

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو، پس (جھگڑے سے) تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ ثابت قدم رہو، اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔''

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

" والريح استعير للدولة ونفاذ الامر وجريانه على المراد." [۱۱۳]

''حکومت، حکم کے نفاذ اور مراد کے مطابق اس کے اجراء کے لیے ریح (ہوا) کو بطورِ استعارہ لیا گیا ہے۔''

ثبوت از سنت

متعدد صحیح احادیث میں صراحتاً حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف ایک ہونا چاہیے۔

(۱) " عن ابی سعید الخدری ﷺ قال قال رسول ﷺ اذا يويع لخليفتين فاقتلو الآخر منهما ." [۱۱۴]

''ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب دو آدمیوں کی خلافت کے لیے (بیک وقت) بیعت کی جائے تو ان میں جس کی آخر میں بیعت کی گئی ہے اسے قتل کر دیا جائے۔''

دوسرے کے قتل کا حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک وقت میں دو آدمیوں کا خلیفہ ہونا حرام ہے۔ اس لیے کہ قتل ایک بہت بڑے جرم پر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک ہی وقت میں دو آدمیوں کی بیعت کرنا جائز نہیں ہے۔ کچھ حضرات نے اس کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد دوسرے کو ہٹانا ہے نا کہ حقیقتاً

قتل کرنا۔اس تاویل کا جواب درجِ ذیل حدیث سے ملتا ہے۔

(۲) " قال کانت بنو اسرائیل تسو سھم الانبیأ کلما ھلک نبی خلفه نبی و انّه لا نبی بعدی وستکون خلفاء فتکثر قالوا فما تأمرنا قال فوابیعة الاول فالاول واعطوھم حقھم فان الله سائلھم عما استر عاھم من اتاکم وامر کم جمیع علیٰ رجل یرید اَن یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ ." (۱۱۵)

"رسول ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے جب ایک نبی انتقال کرتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کے بعد کون ہوگا فرمایا میرے بعد کثیر تعداد میں خلفائے ہوں گے عرض کیا آپ ان کے بارے میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا جو پہلے خلیفہ ہو جائے اس کی بیعت کو پورا کرنا پھر اس کے بعد جو پہلے خلیفہ ہو۔ جو ان کا حق (اطاعت) ہے انہیں ادا کرنا اس لیے کہ اللہ ان سے تمہارے حق کے بارے میں خود پوچھے گا اگر تمہارے معاملات ایک آدمی (خلیفہ) کے ذریعے مجتمع ہوں اور کوئی تمہارے ہاں آکر تمہاری مرکزیت توڑنے یا اجتماعیت کو ختم کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کردو۔"

ثبوت از اجماع

خلیفہ کا ایک ہونا اجماع سے بھی ثابت ہے۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کے رفیق اعلیٰ تشریف لے جانے کے بعد تقرر خلیفہ کے بارے میں سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین وانصار ﷺ کا اجتماع ہوا۔ انصار صحابہؓ نے دو امیر، ایک مہاجرین اور دوسرا انصار سے منتخب کرنے کا مشورہ دیا تو کبار صحابہ کرامؓ نے اس کی نفی کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

" انه لایحل اَن یکون للمسلمین امیران فانه مھما یکن ذٰلک یختلف امرھم واحکامھم وتتفرق جماعتھم ویتنازع فیما بینھم ھنالک تترک السنة وتظھر البدعة وتعظم الفتنة ولیس لاحدٍ علی ذلک صلاح ." (۱۱۶)

"یعنی مسلمان کے لیے دو امیروں کا ہونا جائز نہیں۔ جب کبھی ایسا ہوگا (کہ ان کے

ایک سے زائد امیر ہوں گے) تو ان کے امر (حکومت) اور احکام میں اختلاف رونما ہو جائے گا۔ان کی جماعت متفرق ہو جائے گی اور وہ آپس میں لڑائی جھگڑے کریں گے۔اس وقت سنت کو چھوڑ دیا جائے گا، بدعت کا ظہور ہوگا، فتنہ بڑھ جائے گا اور اس میں کسی کی بھلائی نہیں ہے۔''

(۲) سقیفہ بنی ساعدہ میں ہی حضرت الصدیقؓ کی بیعت کے موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

" هَيْهَاتَ ان يجتمع سيفان فى غمدٍ ." (۱۱۷)

''دو تلواروں کا ایک نیام میں اکٹھا ہونا بعید ہے۔''

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہؓ کا اجماع ہو گیا کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف ایک ہو سکتا ہے اور ایک سے زائد کا ہونا جائز نہیں ہے۔

(۳) جب یزید بن معاویہؒ کو ولی عہد بنایا گیا اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کی زندگی میں ہی ان کی بیعت کی جانے لگی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا۔آپ نے بیعت سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

" لا ابائع لاميرين ." (۱۱۸)

''میں دو امیروں سے بیک وقت بیعت نہ کروں گا۔''

یعنی خلیفہ کی زندگی میں ولی عہد کے لیے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جو کہ ہرگز جائز نہیں ہے۔

(٤) صحابہؓ کے بعد مجتہدین وفقہاء کا بھی خلیفہ کی وحدت پر اتفاق ہے امام نوویؒ لکھتے ہیں:

" اتفق العلماء علىٰ انه لايجوز اَنْ يعقدلخليفتين فى عصرٍ واحدٍ ." (۱۱۹)

''علماء مذاہب کا اتفاق ہے کہ ایک ہی زمانہ میں دو خلیفوں کی بیعت کا عقد جائز نہیں ہے۔''

(۵) امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

" فاَمّا اقامة امامين او ثلاثة فى عصرٍ واحدٍ وبلاد واحدٍ فلا يجوز اجماعاً لما ذكرنا ." (۱۲۰)

''ایک زمانہ اور ایک ہی شہر میں دو اماموں کا قائم (تقرر) کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ تو

اجماع سے ثابت ہے کہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ (یعنی حدیث **اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاٰخر منهما**)''

(٦) امام ابن حزم لکھتے ہیں:

" واتفقوا انه لایجوز ان یکون علیٰ المسلمین فی وقتٍ فی جمیع الدنیا امامان، لا متفقان ولا مفترقان ولا فی مکانین ولا فی مکانٍ واحدٍ ." (١٢١)

''علماء کا اتفاق ہے مسلمانوں پر پوری دنیا میں ایک وقت میں دو اماموں کا ہونا جائز نہیں ہے خواہ وہ دونوں متفق ہوں یا متفرق خواہ دو علاقوں میں ہوں یا ایک علاقہ میں۔''

اقوالِ فقہاء

(ا) امام الماوردیؒ لکھتے ہیں:

" اِذا عُقِدَت الامامة لامامین فی بلدین لم ینعقد اِمَامتهما لانه لایجوز ان یکون للامة امامان فی وقت واحدٍ وَاِنْ شذّ قومٌ فجّوزوه ." (١٢٢)

''جب دو شہروں میں دو اماموں کی بیعت کا عقد کیا گیا تو دونوں کی امامت منعقد نہ ہوگی اس لیے کہ امت کے لیے ایک وقت میں دو اماموں کا ہونا جائز نہیں ہے اگر چہ کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے۔''

(ب) علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

" لا یجوز اَنْ یکونَ فی الدنیا الاّ امامٌ واحدٌ ." (١٢٣)

''(پوری) دنیا میں فقط ایک امام کا ہونا جائز ہے۔''

(ج) علامہ قلقشندیؒ وحدتِ خلیفہ سے متعلق لکھتے ہیں:

" الخامس ان یتحد المعقود له، بأن لاتعقد البیعة لاکثر منْ واحدٍ ." (١٢٤)

''(بیعت کے صحیح ہونے کی) پانچویں شرط یہ ہے کہ معقود لہ (جس کی بیعت کی جا رہی ہے) ایک ہو۔ اس طرح کہ ایک سے زائد افراد کی بیعت نہ کی جائے۔''

قاضی ابو یعلیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

" لا یجوز الامامة لامامین فی بلدین فی حالة واحدة ." (١٢٥)

''ایک حالت میں دو ملکوں میں دو اماموں کی امامت (خلافت) جائز نہیں ہے۔''

عقلی دلائل

(۱) اگر امام ایک سے زائد ہوں تو اس سے امت میں اختلاف وانتشار پیدا ہوگا، فتنے اٹھیں گے، دینی ودنیاوی امور معطل ہوکر رہ جائیں گے، اتحاد واتفاق کا کوئی نشان تک نہ ہوگا، اعتصام بحبل اللہ کے حکم خداوندی کی تعمیل کبھی نہ ہوسکے گی۔ لہٰذا امت مسلمہ کے لیے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری اور متعدد کا ہونا ناجائز ہے۔

(۲) اگر دو اماموں کا ہونا جائز ہو تو تین چار اور اس سے زائد کا ہونا بھی جائز ہوگا اور ان کے ممنوع ہونے پر کوئی دلیل نہ ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر آدمی مدعیٔ خلافت ہوگا۔ ہر سال نیا امام، ہر ملک وشہر میں علیحدہ خلیفہ ہوگا جس سے فساد فی الارض اور دینی ودنیوی فتنہ کا رونما ہونا اظہر من الشمس ہے۔

حوالہ جات: باب اصولِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
۱۔	المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی	
۲۔	المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی	
۳۔	روح المعانی	۸/۲۰۵
٤۔	تفسیرابن کثیر	۳/۵۸۸
۵۔	روح المعانی	۷/۱۱
٦۔	زاد المسیر	۵/۹٦
۷۔	زاد المسیر	۸/۲۹۵
۸۔	جامع البیان	۱۵/۳۱٦
۹۔	الصحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب وکان الانسان اکثر شیء جدلاً	
۱۰۔	بحواله اسلام کا نظامِ حکومت	
۱۱۔	طبقات ابن سعد	۳/۱۸
۱۲۔	تاریخ طبری	۳/۱٦۷
۱۳۔	صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللّٰه تعالیٰ ملك الناس	
١٤۔	أیضاً	
۱۵۔	أیضاً	
۱٦۔	أیضاً	
۱۷۔	کلیات ابی البقاء (وحد) ص٦۷۳۔٦۷٤ بحواله اسلام کا نظامِ حکومت	
۱۸۔	المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی	

١٩۔ المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی
٢٠۔ المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی
٢١۔ المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی
٢٢۔ المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی
٢٣۔ رو ح المعانی ٢٢٥/١
٢٤۔ الجامع لاحکام القرآن ٢٢٤/٥
٢٥۔ معالم التنزیل ٢٩٩/٣
٢٦۔ ازالة الخفاء ٤٣٥/١
٢٧۔ الاحکام السلطانیه للماوردی ٥
٢٨۔ الجامع لاحکام القرآن
٢٩۔ المحرر الوجیز ٧١/٢
٣٠۔ تفسیرابن کثیر ٣١٣/٢
٣١۔ معالم التنزیل ١٨٦/١
٣٢۔ زاد المسیر ١٩٦/١
٣٣۔ معالم التنزیل ٤٣/٢
٣٤۔ الجامع لاحکام القرآن ٣٥/٦
٣٥۔ جامع البیان ١٥/٢١
٣٦۔ الجامع لاحکام القرآن ٢٧٣/١٢
٣٧۔ زاد المسیر ٣٩٢/٥
٣٨۔ ابن کثیر ٥٦٥/٤
٣٩۔ زاد المسیر ٢١٧/٢
٤٠۔ أیضاً
٤١۔ جامع البیان ٢١٧/٥
٤٢۔ زاد المسیر ٢٢٢/٢
٤٣۔ زاد المسیر ٢٢١/٢

٤٤۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعه للامام

٤٥۔ صحیح البخاری کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ سترون بعدی امور تنکرونها

٤٦۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس

٤٧۔ صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنه باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ

٤٨۔ صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنه باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ

٤٩۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب الحاکم یحکم بالقتل

٥٠۔ الجامع لاحکام القرآن ٣٢/٣

٥١۔ معالم التنزیل ٤٣/٢

٥٢۔ الصحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنه باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ

٥٣۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس

٥٤۔ تفسیرابن کثیر ٣١٤/٢

٥٥۔ التفسیر الکبیر ١٩٧/٣

٥٦۔ جامع البیان ٢٤٢/٥

٥٧۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب قول الله تعالیٰ اطیعو االله

٥٨۔ صحیح البخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنه باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ

٥٩۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس

٦٠۔ سنن ابی داود کتاب السنة باب فی لزوم السنة

٦١۔ زاد المسیر ١٢٠/٢

٦٢۔ سنن ابی داود کتاب السنة باب فی لزوم السنة

٦٣۔ جامع الترمذی کتاب العلم باب ما جاء نی الاستیصاء بمن یطلب العلم
٦٤۔ روح المعانی ٢١٤/٤
٦٥۔ الطبرانی فی الاوسط
٦٦۔ التفسیر المظهری ٢٣٤/٩
٦٧۔ المفردات لغریب القرآن للراغب الاصفهانی
٦٨۔ الجامع لاحکام القرآن ٢٣٧/٤
٦٩۔ زاد المسیر ٣٩٠/١
٧٠۔ التفسیر الکبیر ٦٨۔٦٧/٩
٧١۔ جامع البیان ١٥٣/٤
٧٢۔ روح المعانی ٤٦/٢٥
٧٣۔ جامع الترمذی ابواب الجهاد باب ماجاء فی المشورة
٧٤۔ بخاری کتاب الاعتصام باب وامرهم شوریٰ بینهم
٧٥۔ ایضاً
٧٦۔ ازالة الخفاء
٧٧۔ ازالة الخفاء
٧٨۔ ازالة الخفاء
٧٩۔ ازالة الخفاء
٨٠۔ ازالة الخفاء
٨١۔ ازالة الخفاء
٨٢۔ صحیح‌بخاری کتاب الاعتصام والسنة باب قول الله وامرهم شوریٰ
٨٣۔ بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب السنة باب وشاورهم فی الامر
٨٤۔ ازالة الخفاء ٢٥٣/٤
٨٥۔ صحیح‌بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة باب وامرهم شوریٰ
٨٦۔ الطبرانی فی الا وسط بحواله المحرر الوجیز ٣٩٧/٣

۸۷۔ المحررالوجیز ۱/۵۳٤

۸۸۔ الجامع لاحکام القرآن ٤/۲۵۰

۸۹۔ زادالمسیر ۱/۳۱۵

۹۰۔ احکام القرآن ۲/٤۱

۹۱۔ التفسیر الکبیر ۹/٦۷

۹۲۔ کشف بزدوی ۲/۲۱۱ بحواله شوری کی شرعی حیثیت

۹۳۔ السیاسة الشرعیه ۷۵

۹٤۔ صحیح البخاری کتاب الاعتصام والسنة باب قول الله وامرهم شوری

۹۵۔ احکام القرآن ۲/٦۲

۹٦۔ تفسیر کبیر ۵/٦۸

۹۷۔ زادالمسیر ۱/۳۹۱

۹۸۔ احکام القرآن ۲/٦۲

۹۹۔ احکام القرآن ۲/٦۱

۱۰۰۔ احکام القرآن ۲/٦۲

۱۰۱۔ التفسیر الکبیر ۳/٤۰۹

۱۰۲۔ المحرر الوجیز ۱/۵۳٤

۱۰۳۔ زادالمسیر ۱/۳۹۱

۱۰٤۔ الجامع لاحکام القرآن ٤/۲۵۱

۱۰۵۔ ایضاً ٤/۲۵۰

۱۰٦۔ التفسیر الکبیر ۵/۱۲٦

۱۰۷۔ زادالمسیر ۱/۳۹۰

۱۰۸۔ التفسیر المظهری ۲/۱٦۲

۱۰۹۔ غیاثی ۱۲۸

۱۱۰۔ الجامع لاحکام القرآن ۱/۲۷۳

۱۱۱۔ التفسیر الکبیر ۳/۳۱۱۔۳۱۲

۱۱۲۔ التفسیر المظھری ۴/۹۷

۱۱۳۔ الصحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل

۱۱۴۔ أیضاً

۱۱۵۔ السنن الکبری للبیھقی ۸/۱۴۵

۱۱۶۔ فتح الباری ۱۲/۱۵۳

۱۱۷۔ أیضاً

۱۱۸۔ شرح النووی للصحیح المسلم کتاب الامارہ

۱۱۹۔ الجامع لاحکام القرآن ۱/۲۶۰

۱۲۰۔ مراتب الاجماع لابن حزم بحوالہ الامامہ العظمی ۱۴۴

۱۲۱۔ الاحکام السلطانیہ للماوردی ۹

۱۲۲۔ المحلی لابن حزم ۱/۴۵

۱۲۳۔ مآثرالانافہ ۱/۴۵

۱۲۴۔ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ۳

بابِ رابع

فرضیتِ خلافت

اقامتِ خلافت کی شرعی حیثیت

مسلمانوں کی دنیوی واخری سعادت اور کامرانی اسلامی نظامِ خلافت کے ساتھ وابستہ ہے۔اسی طرح اسلام کی دعوت ، غلبہ واقتدار کا انحصار خلافت پر ہے اور امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد رسالت یعنی اظہارِ دین کا حصول بھی خلافت کے ذریعہ ممکن ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں پر اقامت خلافت اور نصب خلیفۃ کو فرض قرار دیا ہے تا کہ ہر دور میں خلافت کے ذریعہ مقصدِ رسالت ''اظہارِ دین'' حاصل کیا جاتا رہے۔فرضیتِ خلافت قرآن وسنت واجماع سے ثابت ہے اور خیر القرون سے لیکر آج تک تمام فقہاء مذاہب ، مجتہدین وعلماء کرام خلافت کے قیام کی فرضیت پر متفق ہیں۔اس باب میں چار ابحاث ہیں:

بحثِ اوّل

پہلی بحث یہ ہے کہ خلافت کی فرضیت سماع (نقل) سے ثابت ہے یا عقل سے؟

اہلِ تشیع کے علاوہ سب اس پر متفق ہیں کہ سماع سے ثابت ہے۔امام الحرمین لکھتے ہیں:

" فاذا تقرر وجوب نصب الامام فالذی صارجماهير الائمة الیٰ انّ وجوب نصب الامام مستفادٌ من الشرع المنقول غير ملتقی من قضايا العقول ."[1]

''جب امام کے تقرر کا وجوب (فرض کفایہ) ثابت ہو چکا تو جمہور آئمہ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ امام کے تقرر کا وجوب (فرضِ کفایہ) شرع سے منقول ہے عقلی فیصلہ نہیں ہے۔''

محض عقل سے کسی چیز کی فرضیت یا اس کے حلال اور حرام ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، چنانچہ قاضی ابویعلی لکھتے ہیں:

" طريق وجوبها السمع لا العقل لما ذكرناه فی غير هذا الموضع وان العقل لا يعلم به فرض شیء ولا اباحته ولا تحليل شیء ولا تحريمه ."[2]

''اس (خلافت) کے وجوب کا طریق سماع (دلائل نقلیہ) ہیں نہ کہ عقل، اس لیے کہ ہم دوسرے مقام پر اس کی وجہ بیان کر چکے ہیں، نیز یہ کہ عقل سے کسی چیز کی فرضیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ اباحت۔ کسی چیز کی حلت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ حرمت۔''

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اقامتِ خلافت کی فرضیت نقل سے ثابت ہے تو اب تفصیلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

دلائل از روئے قرآن

احکامِ شریعت کا پہلا بنیادی ماخذ کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہے، لہٰذا ہم سب سے پہلے اسی سے اقامتِ خلافت کا حکم معلوم کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلے وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن سے بلاواسطہ فرضیت کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کو اپنا جانشین اور نائب بنایا ہے اور جب آدم علیہ السلام کی تخلیق کرنا چاہی تو اسے اپنا خلیفہ قرار دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ (البقرة : ۳۰)

''یقیناً میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔''

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' هٰـذِه الاٰيةُ اَصْلٌ فِي نَصْبِ اِمامٍ وَخَلَيفة يُسْمَعُ لهُ ويُطَاعُ لتجتمع بـه الـكلمة وتَنفُذُ بِهِ احكام الخَلِيْفَةِ ولا خلافَ فِي وُجُوبِ ذٰلِكَ بَيْنَ الأمةولَابَيْنَ الأئمة .[۳]

''یہ آیت امام وخلیفہ کے تقرر کے بارے میں قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسا امام جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے تاکہ کلمہ (اسلام کی شیرازہ بندی) اس سے مجتمع رہے اور خلیفہ کے احکام نافذ ہوں۔ امت اور آئمہ میں خلیفہ کے تقرر کے واجب (فرض کفایہ) ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام اور خلیفہ کا تقرر واجب ہے جس کے بارے میں فقہاء کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۲) ﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾ (النساء : ۵۹)

''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحبِ حکم ہوں۔''

اولی الامر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، البتہ جمہور کے نزدیک اس سے مراد حاکم و امراء ہیں۔ امام نووی لکھتے ہیں:

" قال العلماء المراد باولی الامر من اوجب اللّٰہ تعالیٰ طاعته من الولاة والامراء هذا قول جماهير السلف والخلف من المفسرين والفقهاء وغيرهم ."(۴)

''علماء کے نزدیک اولی الامر سے مراد والی اور امراء ہیں جن کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے لازمی قرار دیا ہے۔ یہ جمہور سلف، خلف، مفسرین اور فقہاء وغیرہم کا قول ہے۔''

استدلال

(ا) اس آیت میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اولی الامر کے وجود کے بغیر اطاعت اولی الامر کا تصور ناممکن ہے۔ جس شخص کا وجود ہی نہیں اس کی اطاعت کیسے ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ اس طرح کی طاعت کا حکم نہیں دیتے اور جس کا وجود مندوب ہو اس کی طاعت کی فرضیت کا حکم نہیں دیتے لہٰذا طاعت اولی الامر کی فرضیت سے اولی الامر کے تقرر کی فرضیت مقتضائے نص ہے، علامہ تفتازانی اقامتِ خلافت کی فرضیت کے دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" الرابع ، وجوب طاعته و معرفته بالكتاب والسنة وهو يقضی وجوب حصوله وذلك نصبه ."(۵)

''(امام کے تقرر کی فرضیت کی) چوتھی دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت کے مطابق اس کی اطاعت اور معرفت واجب ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس (امام) کا حصول واجب ہے اور یہی اس کا نصاب (تقرری) ہے۔''

اسی طرح امام ابن حزم الظاہری مندرجہ بالا آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں:

" والقرآن والسنة قد وردا بايجاب الامام من ذلك قول اللّٰہ تعالیٰ ﴿ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُم ﴾ مع احاديث كثيرة صحاح فی طاعة الامة وايجاب الامامة ."(۶)

''قرآن اور سنت میں امام کے وجوب کا حکم آیا ہے۔ انہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: ''تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحب حکم ہوں'' اس کے علاوہ بہت سی صحیح احادیث بھی امت کی طاعت اور امامت کے وجوب کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔''

(ب) فطرت کا اصول ہے کہ انسانوں کے اجتماع سے کوئی نہ کوئی نظام قائم ہوتا ہے۔ جس کے اندر اولوالامر یعنی رئیس اور حکمران کا ہونا لازم ہے۔ مسلمان اس فطری اصول سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ لہٰذا اس فطری تقاضا کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اسی کی طرف مذکورہ آیت میں ''منکم'' سے اشارہ کیا گیا ہے کہ تم میں سے جو صاحب حکم ہے تم اس کی اطاعت کرو۔ امام ابن تیمیہ اس فطری اصول کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

" فان بنی آدم لاتتم مصلحتهم الا بالاجتماع لحاجة بعضهم الی بعض ولابدّ لهم عندالاجتماع من رائس ."[۷]

''انسانیت کے مصالح اجتماع (اجتماعی نظام) کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے اس لیے کہ بعض دوسرے بعض کے محتاج ہیں اور اجتماع میں ان کے لیے ایک رئیس (حاکم) کا ہونا ضروری ہے۔''

مذکورہ اقتباس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حکمران یعنی امام اور خلیفہ کا تقرر فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے، جس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کو لازم قرار دیا ہے۔

(۳) اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر احکاماتِ الٰہیہ کے مطابق فیصلے کرنے اور حکومت کرنے کا حکم دیا ہے۔

(ا) ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ (المائدة : ۴۸)

''آپ ان (اہل کتاب) کے مابین اس کتاب کے موافق فیصلہ کیا کیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے اور جو سچی کتاب آپ کے پاس آچکی ہے اس سے ہٹ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیا کیجئے۔''

(ب) ﴿ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ ﴾

(المائدة : ۴۹)

''اے پیغمبر! ہم حکم دیتے ہیں کہ جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس کے مطابق ان (اہل کتاب) کے مابین فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیے کہیں یہ لوگ آپ کو اس کتاب کے کسی حکم کے خلاف جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے بہکا نہ دیں۔''

علامہ آلوسی ﴿ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' اي بـما انزله إليک فإنه الحق الذى لا محيص عند والمشتمل على جميع الأحكام الشرعية الباقية في الكتب الالٰهية.''[٨]

''یعنی جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر حق نازل کیا ہے کہ جس سے روگردانی کی گنجائش نہیں اور وہ باقی تمام کتبِ الٰہیہ کے احکامات پر مشتمل ہے۔'' (اس کے مطابق فیصلے کیجئے)

(ج) ﴿ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾

(النساء : ٥٨)

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔''

مندرجہ بالا پہلی دو آیات میں رسول ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ما انزل اللہ یعنی شریعت کے مطابق حکم (حکومت) کریں۔ اسی طرح تیسری آیت میں عدل و انصاف کے ساتھ حکم کرنے کا حکم ہے۔ یہ خطاب رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ امت میں سے امراء اور حکمرانوں کو بھی ہے۔ امام قرطبی ضحاک سے نقل کرتے ہیں:

'' هذا خطاب للولاة والامر أو الحكام .''[٩]

''یعنی یہ والیوں، امراء اور حکمرانوں کو خطاب ہے۔''

تو جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ما انزل اللہ کے ساتھ حکومت کرنے کا حکم ہے اسی طرح قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ ما انزل اللہ یعنی قرآن وسنت کے مطابق حکومت کریں اور کسی بھی قانون پر اس وقت تک عمل نہیں ہوتا جب تک اس کو نافذ کرنے والا صاحبِ اقتدار و اختیار حاکم نہ ہو، کیونکہ عدالتوں کا قیام حکومت و ریاست کے بغیر ممکن نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حکومت اور انتظامیہ ہی عدالتیں قائم کرتی اور اس کے فیصلوں پر عمل درآمد کراتی ہے۔ جب خلیفہ اور نظامِ خلافت کا وجود ہی نہیں ہے تو قوانین شریعت پر عمل درآمد کیسے ہوگا؟ اب جب ما انزل اللہ کے ساتھ حکومت کرنا فرض ہے تو ما انزل اللہ کو نافذ کرنے والے حاکم (خلیفہ) کا تقرر بھی فرض ہوگا۔ اسی طرح تمام وہ آیات

جن میں ما انزل اللہ کے ساتھ حکم کرنے کا حکم دیا گیا ہے' خلیفہ کے تقرر کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔
امام نسفیؒ مسلمانوں کے لیے قرآن وسنت کے مطابق حکمرانی کرنے والے امام وخلیفہ کی ضرورت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

" والمسلمون لابد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم وإقامة حدودهم وسدّ ثغورهم وتجهيز جيوشهم واخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق وإقامة الجمعة والاعياد ...... "(۱۰)

''مسلمانوں کے لیے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو احکامات کو نافذ کرے، حدود کو قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، صدقات وصول کرے، سرکشوں، چوروں اور ڈاکوؤں پر قابو پائے اور جمعہ وعیدین کو قائم کرنا وغیرہ۔''

(۴) جہاد کی دو بنیادی قسمیں ہیں:

۱۔ اقدامی:

جو کہ متعلقہ ملک کے لوگوں پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

۲۔ دفاعی:

دفاعی جہاد عسکری طاقت اور مضبوط حکومت کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ پھر اقدامی جہاد جو کہ فرض کفایہ ہے، ہر لحاظ سے طاقتور حکومت ہی سرانجام دے سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب فقہ میں اس کی ذمہ داری امام وخلیفہ پر ڈالی گئی ہے۔ جب نظام خلافت اور اس کے تحت نظام جہاد کا وجود ہی نہ ہو تو جہاد جیسے اہم فریضے کی ادائیگی ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاد کی تیاری کا حکم دیا ہے:

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَاتَعْلَمُوْنَهُمُ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ﴾(الانفال: ۶۰)

''اور (اے مسلمانو!) تم سے جس قدر ہو سکے کافروں کے مقابلہ کے لیے ہر قسم کا سامانِ جنگ اور پلے ہوئے گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے تیاری کرتے رہو تا کہ اس آمادگی اور تیاری کے باعث تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو اور ان کے علاوہ اور دوسرے کافروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے۔ پر اللہ ان کو جانتا ہے۔''

امام ابن جوزی قوۃ کی تفسیر کرتے ہیں:

" انه کل مایتقوی به علیٰ حرب العدو من آلة الجهاد." (۱۱)

"یعنی ہر وہ آلہ جہاد جس سے جنگ میں دشمن کے خلاف طاقت حاصل ہو۔"

استدلال:

(ا): اس آیت میں اعدائے دین سے مقابلے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق طاقت وقوت کا حصول فرض قرار دیا گیا ہے۔ اقامتِ حکومت (نصب الخلیفہ) طاقت کا جزء بلکہ تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور اقامتِ حکومت کے بغیر ان قوتوں کا حصول ناممکن ہے۔ جب طاقت کا حصول فرض ہے تو اقامتِ حکومت جو تمام طاقتوں کی بنیاد اور سرچشمہ ہے، کی فرضیت بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

(ب): دوسرے حصہ (ترھبون) میں ترہیب یعنی دشمنوں پر رعب اور دھاک بٹھانے کا سامان کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور ترہیب ایک مستحکم حکومت کے بغیر ناممکن ہے۔ ترہیب کا حکم گویا اقامت حکومت اور اقامتِ خلافت کا حکم ہے اگر ترہیب مقصود ہے تو اقامت خلافت بھی مقصود ہے۔

(۵) ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾

(توبة : ۲۹)

"اہل کتاب جو نہ اللہ پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ مطیع اور محکوم ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا قبول کرلیں۔"

امام بغوی لکھتے ہیں:

" وقال الشافعیؒ الصغار هو جريان احكام الاسلام عليهم." (۱۲)

"امام شافعی فرماتے ہیں کہ صغار کا معنیٰ ہے ان پر اسلام کے احکام کا جاری کرنا۔"

اس آیت میں قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ قتال کی انتہاء جزیہ ادا کرنے کی شرط قبول کرنا یعنی انہیں محکوم ومطیع بنانا اور صغار کفار ہے۔ حکومتِ اسلامیہ کی حقیقت اقتدار اور غلبۂ اسلام ومسلمین ہے۔ کفار کو

مغلوب ومحکوم بنا کران سے جزیہ وصول کرنا غلبہ کا جزء ہے۔جب کفار کومحکوم بنا کران سے جزیہ وصول کرنا، انہیں مغلوب کرنا اوراس مقصد کے لیے اپنی جان اور مال پیش کرنا فرض ہےتو اقتدار، اقامت حکومت اورحکومت کا بقاء بھی فرض ہوگا۔محکوم بنانا اورحاکم بننا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔محکوم بنانے کی فرضیت بعینہ حاکم بننے اوراقتدار وحکومت حاصل کرنے کی فرضیت ہے۔درحقیت ایک مضبوط، ومدبر اور باصلاصیت بادشاہ وحکمران ہی اپنی ریاست کی حدود سے نکل کردشمن پرحملہ آور ہوسکتا اور فتح حاصل کرسکتا ہے یہی وجہ کہ بنی اسرائیل نے وقت کے نبی سے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بادشاہ مقرر کرنے کی استدعا کی تھی۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَ اَبۡنَآئِنَا فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴾

’’کیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے اس قصہ کوملاحظہ نہیں کیا جوموسیٰ کے بعد پیش آیا جب ان لوگوں نے اپنے زمانے کے پیغمبر سے یہ کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردیجیے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔اِس پیغمبر نے جواب دیا کیا تم سے اس کی یہی توقع ہے کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم جہاد نہ کرو۔ان لوگوں نے کہا ہمارے لیے ایسی کون سی گنجائش باقی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے بے گھر کیے گئے اوراپنے بچوں سے جدا کردیئے گئے پھر جب ان پر جہاد واجب کیا گیا تو ان میں سے بجز معدودے چند کے سب پھر گئے اوراللہ تعالیٰ ظالموں سے خوب واقف ہے۔‘‘

(٦) ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَهُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ﴾

(النور : ٥٥)

’’تم میں سے جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں اس طرح حکمران بنائے گا جس طرح ان لوگوں کوحکمران بنایا تھا جوان سے پہلے تھے اور جس دین کوخدا نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس دین کوان کے لیے مستحکم

کر دے گا اور اس وقت دشمن کا جو خوف ان کو لاحق ہے، ان کے اس خوف کو امن سے بدل دے گا۔''

علامہ آلوسی اس تفسیر میں لکھتے ہیں

'' ای لیجعلم خلفا متصرفین فیھا تصرف الملوک فی ممالیکھم او خلفأ من الّذین یخافونھم من الکفرة بان ینصرھم علیھم ویورثھم ارضھم .''[۱۳]

''یعنی انہیں خلفائ اور بادشاہوں کی طرح اپنے ممالک میں تصرف کرنے والا بنائے گا یا انہیں ان کفار کا جانشین بنائے گا جن سے یہ ڈرتے تھے، اس طرح کہ ان کے خلاف ان کی نصرت کرے گا اور ان کی زمین کا انہیں وارث بنائے گا۔''

امام فخر الدین الرازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' اي الذین جمعوا بین الایمان والعمل الصالح ان یستخلفھم في الارض فیجعلھم الخلفاء والغالبین والمالکین کما استخلف علیھا من قبلھم في زمن داؤد وسلیمان علیھما السلام وغیرھما .''[۱۴]

''یعنی جو لوگ ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں، انہیں زمین میں نائب کرے گا پس انہیں خلیفہ، غالب اور (زمین کا) مالک بنائے گا جیسا کہ داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور دیگر کے زمانے میں بنایا تھا۔''

آگے چل کر اس آیت سے خلفائے اربعہ کی خلافت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' فاذن المراد بعد الاستخلاف طریقة الإمامة .''[۱۵]

''پس استخلاف سے مراد امامت (خلافت) کا طریق ہے۔''

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' استخلافِ جماعتِ عظیمہ وتمکینِ ایشاں بغیر خلیفہ ممکن فی الارض ممکن عادی نیست وصورت خارجیہ مستقر ساختن مسلمین وتمکین مہاجرین نصبِ خلیفہ وتمکین رئیس ایشاں است پس وعدۂ استخلاف وتمکین کافہء مسلمین درحقیقت وعدہ خلیفہ ممکن فی الارض است۔''[۱۶]

''یعنی ایک بڑی جماعت کو خلیفہ کرنا اور اس کو تمکین دینا بغیر کسی خاص شخص کو خلیفہ بنائے ہوئے عادتاً ناممکن ہے۔ اور مسلمانوں کو استقرار دینے اور مہاجرین کو تمکین دینے کی

صورت یہی ہے کہ (ان میں سے کوئی) خلیفہ مقرر کیا جائے اور اس کو تمکین دی جائے۔الغرض تمام مسلمانوں کے استخلاف وتمکین کا وعدہ درحقیقت (ان میں سے کسی کو) خلیفہ ممکن فی الارض بنانے کا وعدہ ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''ظہور ایں وعدہ آنست کہ واحداً بعد واحدٍ ازیں جماعت خلیفہ شود' بدون نصب خلیفہ غلبۂ قومِ کثیر محال عادی است قال علیہ الصلوٰۃ والسلام الِامَامُ جُنّة یُقَاتَلُ مِنْ وّرائِہٖ۔'' (۱۷)

''اس وعدہ کے پورا ہونے کی صورت یہی ہے کہ اس جماعت (مہاجرین اولین) میں سے یکے بعد دیگرے (کچھ لوگ) خلیفہ ہوں (کیوں کہ) بغیر خلیفہ مقرر کیے ہوئے کسی بڑی قوم کا غالب ہوجانا عادۃً محال ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''امام مثل ڈھال کے ہوتا ہے۔اس کو سامنے کر کے (یعنی اس کے بل پر) جنگ کی جاتی ہے۔''

استدلال:

(ا) اس آیت میں تین نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔استخلاف فی الارض، تمکین دین اور امن و امان۔ یہ ایک مسلم بات ہے کہ کسی باعظمت ہستی کے انعام کو ناقابل التفات سمجھنا، نعمت کی ناقدری، منعم کی ناشکری اور سوءِ ادبی ہے۔اگر استطاعت کے باوجود مسلمان ان نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں تو یہ منعم حقیقی کی شان میں گستاخی اور اس کی نعمتوں کی ناشکری ہوگی۔ان نعمتوں میں پہلی نعمت استخلاف فی الارض یعنی اقامتِ خلافت اور حکومت اسلامیہ کا قیام ہی ہے۔

(ب) استخلاف فی الارض کے ساتھ دو اور نعمتوں تمکینِ دین اور امن وامان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔دین کے استحکام اور امن کے قیام اور ازالۂ فساد کے لیے جدوجہد کرنا شرعاً واجب اور مطلوب ہے اور استطاعت کے باوجود اس جدوجہد سے پہلو تہی کرنا معصیت ہے۔اگر دو نعمتوں یعنی تمکین دین اور قیام امن کے لیے جدوجہد کرنا واجب ہے تو اصل مبداء جس پر ان دو کا مدار ہے یعنی خلافت اس کے قیام کے لیے کوشش کرنا کیوں واجب نہیں ہے؟ دو کو مطلوب اور ایک کو غیر مطلوب کیسے قرار دیا جاسکتا؟ حالانکہ تمکین دین اور قیام امن' نظامِ خلافت کا اثر (نتیجہ) اور یہ دونوں قیامِ خلافت پر موقوف ہیں۔ خلافت کے قیام کے بغیر ان دونوں کا وجود ناممکن ہے۔

(۷) ﴿ أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ ﴾ (آل عمران : ۸۳)

''کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔''

امام ابن جوزی دین اللّٰہ کی تفسیر کرتے ہیں:

" **المراد بدين الله دين محمد** ﷺ ."[18]

"یعنی اللہ کے دین سے مراد محمد ﷺ کا دین ہے۔"

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (آل عمران : ۸۵)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا خواہش مند ہوگا تو اس کا وہ دین ہرگز مقبول نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"

﴿ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ ابْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴾ (الانعام : ۱۱۴)

"کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو حکم بناؤں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے۔"

امام بغوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" **اي قل لهم يا محمد افغير الله ابتغى اطلب لكم قاضياً بيني وبينكم وذلك انهم كانوا يقولوا للنبي** ﷺ **اجعل بيننا وبينك حكمًا فاجابهم به وهو الذي انزل إليكم الكتاب مفصلاً بينا فيه امره ونهيه يعنى القرآن** ."[19]

"اے محمد! آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں کسی دوسرے کو اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والا بناؤں۔ (اللہ تعالیٰ نے) یہ اس لیے فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ ہمارے اور اپنے درمیان منصف مقرر کیجیے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہی جواب دیا کہ اللہ نے تمہاری طرف کتاب یعنی قرآن نازل کر دیا ہے جس میں اوامر اور منہیات کو تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے۔"

کسی بھی مسلم اکثریت والے ملک میں نظام حکومت یا تو اسلامی ہوگا یا غیر اسلامی۔ اگر غیر اسلامی ہے تو اس کو ختم کر کے اس کی جگہ اسلامی نظام خلافت کا قائم کرنا فرض ہوگا اور اگر اس موجودہ کفریہ نظام کے مطابق زندگی گزارتے رہے اور اسلامی نظام کے قیام کے لئے کوشاں نہ ہوئے تو یہ ابتغاء غیر دین اللہ ہوگا جو کہ ناقابلِ قبول اور خسارے کا موجب ہے۔

(۸) تمام ادیان پر غلبہ اسلام نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا مقصد ہے۔

﴿هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَ دِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ﴾ (الصف : ۹)

''وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا ہے تا کہ وہ اس دنیا کو تمام ادیان باطلہ پر غالب رکھے اگرچہ مشرک کتنا ہی برا مانیں۔''

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ارشاد فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے مقصود یہ ہے کہ تمام دینوں پر غالب کر دیا جائے۔ پس اس آیت میں اگر سمجھنے کی کوئی چیز ہے تو یہ ہے کہ غالب کر دینے سے کیا مراد ہے؟ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دلیل میں غالب کیا جائے یعنی دینِ حق کی حقانیت پر اور دوسرے دینوں کے بطلان پر ایسی دلیل قائم کی جائے جس کا رد نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ تیغ و سناں کے ذریعے سے غالب کیا جائے۔ یعنی دینِ برحق کی شوکت و سطوت کے سامنے تمام مذاہب کو سرنگوں کر دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے۔''[۲۰]

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وکما روی عن النبی ﷺ بالتواتر انہ بشر بفتح فارس والروم فی اول مبعثہ بمکۃ وفی اول قدومہ بالمدینۃ وعند وفاتہ واگر آنحضرت ﷺ تقریب عباد بآن فریضہ محتومہ نکنند ادائے ماوجب نکردہ باشند حاشاہ من ذلک زیرا کہ فتوح فارس وروم ازان قبیل نیست کہ بدون نصب خلیفہ راشد میسر شود ومطلق ایجاب خلیفہ ای خلیفۃٍ کان کفایت نمے کند زیرا کہ برائے امر قوت ہر نفسے مساعد نیست مستحق باغیر مستحق مشتبہ است وقرعۂ اختیار برائے کسے زدن کہ برائے آن موفق باشد وآن امر بروئے میسر گردد از علوم امتیان بیرون است ومقدمۃ الواجب واجبۃ۔''[۲۱]

''اور جیسا کہ نبی ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس اور روم کی فتح کی بشارت دی مکہ میں ابتدائی زمانہ بعثت میں اور مدینہ تشریف لانے کے شروع زمانہ میں اور اپنی وفات کے قریب بھی اگر آنحضرت ﷺ بندوں کو اس یقینی فریضہ کو پورا کرنے کے قابل نہ بنائیں تو لازماً آئے گا کہ آپؐ نے جو امر واجب تھا اس کی ادائیگی نہ کی جو آپؐ کی نسبت ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ فارس اور روم کا فتح کرنا اس درجہ کی بات نہیں جو خلیفہ راشد

کے نصب کیئے بغیر میسر ہو جائے۔ مطلقاً خلیفہ مقرر کر دینا کہ کسی کو بھی کر دیا جائے کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ حکمرانی کی صلاحیت ہر نفس میں نہیں ہوتی، مستحق غیر مستحق کے ساتھ ملے جلے ہیں اور قرعہ اختیار کسی ایسے شخص کے نام پر متعین کر دینا جو اس کے لیے (اللہ کی طرف سے) موفق ہو اور یہ (اہم کام) اس پر آسان ہو، امتیوں کے علوم سے باہر ہے اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔''

دوسری جگہ مزید لکھتے ہیں:

''وقال النبی ﷺ حدیث وعدی بن حاتم و ابوذر و المقداد و غیرہم حتےٰ صار مشھوراً ولیتمّن اللہ ہٰذا الامر حتےٰ یدخل فے کلّ بیتٍ من مدرٍ اوو برٍ بعزّ عزیزٍ اوذلّ ذلیل الفاظھم شتّٰے والمعنٰی المشترک واحد دین حق ہمان است کہ ممکن شد و ہمان است کہ تمام شد و ہمان است کہ شرقاً وغرباً در بیوت وَبَر ومَدَر در آمد۔''(۲۲)

''یعنی اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے عدی بن حاتم اور ابوذرؓ اور مقدادؓ وغیرہ ہم کی حدیث میں یہاں تک کہ (طرق متعدہ کی بناء پر یہ حدیث) مشہور ہوگئی اور اللہ تعالیٰ اس امر (اسلام) کو ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ یہ (دین اسلام) ہر گھر میں داخل ہو جائے گا یہاں تک کہ خواہ وہ گھر مٹی کا بنا ہوا ہو یا بالوں کا (یعنی شہر اور دیہات کے سب گھروں میں) صاحب عزت کی عزت کے ساتھ (کہ وہ بخوشی قبول کر کے اپنی عزت باقی رکھے) یا کسی ذلیل ہونے والے کی ذلت کے ساتھ (کہ وہ مغلوب اسلام ہو کر ذلت سے زندگی بسر کرے) احادیث کے الفاظ مختلف ہیں مفہوم مشترک سب کا ایک ہے۔ دین حق وہی ہے ''جو ممکن (یعنی طاقتور ہوا اور وہی ہے جو ''پورا'' ہوا اور وہی ہے جو مشرق سے مغرب تک بالوں اور مٹی کے بنے ہوئے گھروں میں داخل ہوا۔''

دین اسلام قیامت تک کے لیے ہے اور اس کا غلبہ بھی قیامت تک ہر دور میں مقصودِ رسالت ہے اور یہ غلبہ بغیر خلافت وحکومت کے حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا غلبہ اسلام کے حصول کے لیے اقامت خلافت لازم ہے۔

(۹) ﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ﴾
(البقرة : ۲۴۷)

''اوران لوگوں سے انکے پیغمبر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر فرما دیا ہے۔''

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''چون غلبۂ کفار بر مسلمین پدید آمد در صورت وجوب جہاد فعاً یا اجلِ موعودِ فتح در رسد در صورت وجوب جہاد ابتداً وانچہ آنجا حاصل است از رئیس و مروس وعدّ ۃ وعد ۃ کفایت نمے کند در اتمام امر مقصود در قضائے الٰہی لازم مے شود حکم بملک شخصے کہ در غیب فتح بنام اونوشتہ اند و چون نوبت تا آنجا رسد فرض میگرود استخلاف او واد خلیفہ خاص باشد من عنداللہ و فی قضاۂ وحکمہ چنانکہ بنی اسرائیل چون مغلوب شدند در دست عمالقہ اولا د ایشان و دیار ایشان مہنوب گشت حالتے کہ دران وقت داشتند کفایت نمی کرو برائے فتح خدائے تعالیٰ مستخلف ساخت طالوت را و بہ نبیز مان فرمود کہ بعلامتِ کذا و کذا او ر بشنا سد و خلافت را بنام او کند۔''[۲۳]

''جب مسلمانوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے تو اس کے دفع کرنے کے لیے وجوب جہاد کی صورت میں یا فتح کا جو وقت (علم الٰہی میں) ابتداء وجوب جہاد کی صورت میں مقرر ہے آپہنچے اور وہاں (یعنی مغلوب مسلمانوں کے پاس) جو کچھ بھی سردار قوم اور محکوم عوام اور سامانِ جنگ اور (لڑنے والوں کی) تعداد یہ سب امر مقصود کے پورا کرنے میں ناکافی ہوتو قضاء الٰہی میں لازم ہو جاتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو بادشاہ بنا دیا جائے جس کے نام پر غیب میں فتح لکھی جا چکی ہو اور جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی تو اس کو خلیفہ مقرر کرنا فرض ہو جاتا ہے اور اللہ کی طرف سے اس کی قضاء اور حکم کے مطابق وہ خلیفہ خاص ہوگا جیسا کہ بنی اسرائیل جب عمالقہ کے ہاتھ سے مغلوب ہو گئے اور ان کی اولاد اور ان کے شہر لٹ گئے اور وہ اسوقت جس حالت میں تھے (کہ نہ ان کے پاس افرادی طاقت تھی نہ سامان حرب) وہ فتح کے لیے کافی نہیں تھی، تو خدا تعالیٰ نے طالوت کو خلیفہ قرار دینا چاہا اور اس زمانہ کے نبی سے فرمایا کہ فلاں فلاں علامت سے اس کو پہچانیں اور خلافت کے لیے اس کو نامزد کر دے۔''

دوسری جگہ مزید لکھتے ہیں:

''اگر درین آیہ فہم خود را کار فرما شوی بدانی کہ مقاتلہ با کفار ابتداً و دفعاً بغیر نصب خلیفہ امکان نیست و ہر خلیفہ بآن قائم نمے تواند شد بل واحدٌ بعد واحد۔''[۲۴]

''اگر تم اس آیت (ملوکیتِ طالوت) میں اپنی فہم کو کام میں لاؤ تو جان لو گے کہ کفار کے ساتھ مقاتلہ (لڑائی) خواہ ابتداً ہو (کہ جارحانہ طور پر تم خود ان پر حملہ کرو) یا دفعاً وہ (یعنی بطور مدافعت کہ وہ حملہ آور ہیں اور تم اپنا بچاؤ کرنے والے) بغیر نصب خلیفہ ممکن نہیں ہے اور ہر خلیفہ اس کے لیے قائم (یعنی صاحب صلاحیت) نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک کے بعد دوسرا کرنا پڑے گا۔''

اب وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن سے بالواسطہ فرضیتِ خلافت کا ثبوت ملتا ہے:

(ا) ﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ (الحج : ۷۸)

''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔''

﴿ فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴾ (التوبة : ۱۲)

''ان کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کہ شائد وہ باز آ جائیں ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں۔''

﴿ يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ (التوبة : ۷۳)

''اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ دوزخ بہت بری جگہ ہے۔''

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

''اور کافروں کے ساتھ جنگ جاری رکھو۔ یہاں تک کہ فتنہ کا نام و نشان باقی نہ رہے اور دین تمام تر اللہ کا ہی ہو جائے۔''

استدلال

(ا) حکومت و سلطنت کے بغیر جہاد کا تصور نہیں ہو سکتا ہے یعنی مقصدِ جہاد حکومت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''وآں مطلبِ اعظم است از مطالبِ خلافت۔'' (۲۵)

''حالانکہ مقاصدِ خلافت میں اعلیٰ ترین مقصد جہاد ہے۔''

امام ابوبکر الجصاص لکھتے ہیں:

" ولیسُ بعد الایمان باللّٰہ ورسولہ فرض آکد ولا اولی بالایجاب من الجھاد ذلک انہ بالجھادیمکن اظھار الاسلام واداء الفرائض وفی ترک الجھاد غلبۃ العدوّ ودروس الدّین وذھاب الاسلام الا انّ فرضَہ علی الکفایۃ علی ما بینا." (۲۶)

''اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان کے بعد جہاد سے زیادہ مئوکد اور اولی کوئی فرض نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ جہاد کے ذریعے ہی اسلام کا اظہار (غلبہ) ممکن ہے اور فرائض کی ادائیگی ہوسکتی ہے۔ جہاد کے ترک کرنے میں دشمن کا غلبہ ہوگا' دین مٹ جائے گا اور اسلام ختم ہوجائے گا مگر یہ فرض کفایہ ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔''

امیر المؤمنین، امام المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ لکھتے ہیں:

''ازانجا کہ دعوت لسان بدون انضمام جہاد سیف وسنان کامل وتام نگردد۔ لہٰذا امام ہادیان ورئیس داعیان یعنی سید ولد عدنان علیہ الصلوۃ والسلام آخر کار بقتال کفار مامور گردیدند وظہور شعائر دین متین وعلواعلام شرع مبین از اقامت ایں رکن رکین صورت بست۔''(۲۷)

''یعنی چونکہ زبانی دعوت وتبلیغ شمشیر وسنان سے جہاد کیے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اس لیے راہنماؤں کے پیشوا اور مبلغوں کے سردار محمد رسول اللہ ﷺ آخر میں کفار سے جنگ کرنے کے لیے مامور ہوئے اور دینی شعائر کی عزت اور شریعت کی سربلندی وترقی اسی رکن جہاد کی اقامت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی۔''

جو آیات جہاد کو فرض قرار دے رہی ہیں وہ اقامت حکومت (خلافت) کو بھی فرض قرار دیتی ہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ مقدمۃ الواجب واجبہ اور یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں ہے۔

(ب) یہ اصول ہے کہ جب کسی شرعی حکم پر عمل کرنے کی صرف ایک صورت ممکن ہو تو وہی صورت شرعی طور پر مامور بہ اور مقصود ہو جاتی ہے اور انسان شرعی طور پر اسی کا مکلّف بن جاتا ہے۔ جہاد کے مقصد (اعلائے کلمۃ اللہ) کو حاصل کرنے کی مامور بہ صورت اقامت حکومت وخلافت ہے اور آیات جہاد سے اس کی فرضیت بالکل واضح ہے۔

(ب) انبیاءِ کرام علیہم السلام نے اقامتِ حکومت کی دعوت دی ہے۔ قرآن مجید اس کا ایک نمونہ پیش کرتا ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴾(المائدة : ۲۰۔۲۱)

''اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا ے میری قوم اللہ کے ان احسانات کو جو اس نے تم پر کیے ہیں یاد کرو جبکہ اس نے تم میں بہت سے نبی پیدا کیے اور تم کو حکمران بنایا اور تم کو کچھ چیزیں ایسی بھی عطا کیں جو اقوام عالم میں سے کسی اور کو عطا نہیں کیں۔اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دی ہے اور پیٹھ دکھا کر واپس مت جاؤ ورنہ سخت نقصان میں جا پڑو گے۔''

موسیٰ جیسے اولوالعزم نبی اقامت حکومت کی دعوت دے رہے ہیں اور اقامت حکومت کی جدوجہد (جہاد) سے روگردانی کرنے کو خسارہ قرار دیتے ہیں اور اس کے بعد والی آیات میں ان منکرین جہاد برائے اقامت حکومت کو فاسق کہا گیا ہے ﴿فلا تاس علی القوم الفاسقین ﴾

کیا نبی ایک غیر ضروری کام کی دعوت دے رہا ہے؟

کیا ایک غیر ضروری کام پر ان کو خاسرین کہا جار ہا ہے؟

کیا ایک غیر ضروری کام کے انکار پر ان کو فاسق قرار دیا جار ہا ہے؟

مندرجہ بالا سوالات کا جواب نفی میں ہے تو اقامتِ خلافت کی فرضیت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی ہے؟

قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء ورسل کو حکومت وسلطنت کی نعمت عطا فرمائی تھی۔ان انبیاء نے اپنی زندگیاں اس نعمت کا حق ادا کرنے میں گذار دیں۔

﴿ يٰدَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ ﴾ (ص : ۲۶)

''اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں حکمران بنایا ہے۔''

امام رازیؒ خلیفہ وحاکم کی ضرورت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

'' واعلم ان الانسان خلق مدنیا بالطبع لان الانسان الواحد لا ینتظم مصالحه الا عند وجود مدینة تامة ...... فثبت ان الانسان مدنی

بالطبع وعند اجتماعهم فی الموضع الواحد یحصل بینهم منازعات ومخاصمات ولا بد من انسان قادر قاهر یقطع تلک الخصومات وذلک هو السلطان الذي ینفذ حکمه علی الکل فثبت انه لا ینتظم مصالح الخلق الا بسلطان قاهر سائس ." (۲۸)

''جان لیجیے کہ انسان فطرتاً شہریت پسند پیدا کیا گیا ہے، اس لیے کہ ایک انسان کے مصالح کا نظم مکمل شہر کے وجود کے بغیر قائم نہیں ہوسکتا ہے، پس ثابت ہوا کہ انسان فطرتاً شہریت پسند ہے۔ انسانوں کے ایک مقام میں قیام پذیر ہونے سے ان میں تنازعات اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں تو ایسے قدرت اور طاقت رکھنے والے انسان کا ہونا ضروری ہے جو ان جھگڑوں کو (فیصلے کے ذریعے) ختم کرے اور یہی بادشاہ ہوگا جس کا حکم سب پر نافذ ہوگا تو ثابت ہوا کہ مخلوق کے مصالح کا نظم ایک طاقتور اور سیاستدان بادشاہ کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا ہے۔''

امام الحرمینؒ لکھتے ہیں:

" وما ابتعث الله نبیاً فی الامم السالفة حتی ایده وعضده بسلطان ذی عدۃو نجدۃومن الرسل علیهم السلام من اجتمعت له النبوۃ والاید والقوۃ کداودوموسی وسلیمان صلوات الله علیهم السلام ." (۲۹)

''سابقہ امتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو طاقت وکثرت والے سلطان کے ذریعے نصرت وقوت عطا فرمائی۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام کو نبوۃ اور طاقت وقوت (حکومت وسلطنت) دونوں چیزوں سے نوازا گیا جیسے حضرت داود، حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام وغیرہم۔''

(ج) وہ تمام آیات احکام جن کا تعلق حکومت وریاست کے ساتھ ہے۔ ان کا نفاذ واجراء حاکم وخلیفہ کے وجود پر موقوف ہے۔ جب تک نظامِ خلافت کا قیام اور خلیفہ کا تقرر نہیں ہوتا اور اس کے تحت اسلامی عدالتی نظام قائم نہیں ہوتا تب تک ان قرآنی احکام پر عمل درآمد نہیں ہوسکتا۔ امام عبدالقاہر البغدادی لکھتے ہیں:

" وقد وردت الشریعة باحکام لا یتولاها الا امام او حاکم من قبله کاقامة الحدود علی الاحرار ...... الخ ." (۳۰)

''شریعت میں ایسے احکامات وارد ہوئے ہیں جن کو امام یا اس کی طرف سے مقرر کردہ حاکم ہی سرانجام دے سکتا ہے جیسے آزاد لوگوں پر حدود کا قیام وغیرہ۔''

ان احکام کے اجراء کی فرضیت سے حاکم وخلیفہ کے تقرر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

'' إن الشارع امر باقامة الحدود وسد الثغور وتجهيز الجيوش للجهاد وكثير من الأمور المتعلقة بحفظ النظام وحماية بيضة الإسلام مما لا يتم الا بالإمام وما لا يتم الواجب المطلق الاّ به وكان مقدورا فهو واجب .'' (۳۱)

''شارع نے حدود کے قائم کرنے، سرحدوں کی حفاظت، جہاد کے لیے لشکر کو تیار کرنے اور بہت سے ایسے امور کا حکم دیا ہے جو نظام کی حفاظت اور مرکزِ اسلام کے تحفظ سے متعلق ہیں جو کہ امام (خلیفہ) کے بغیر ادا نہیں ہو سکتے ہیں اور جو مطلق فریضہ جس چیز کے بغیر پورا نہ ہو سکتا ہو تو وہ چیز واجب ہے۔''

امیر المؤمنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ بیعتِ امامت کے انعقاد کے بعد اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''ان شاء اللہ ببرکت ادائے ایں رکن رکین یعنی نصب امام کہ مدار اکثر احکام دین است روز بروز بالضرور ان شاءاللہ الغفور مظفر ومنصور خواہند گردید۔''(۳۲)

''ان شاءاللہ اس رکن رکین یعنی امام کے تقرر کے (فریضے کو) ادا کرنے کی برکت سے کہ جس پر دین کے اکثر احکام کا مدار ہے، روز بروز بالضرور فتح ونصرت ظاہر ہوگی۔''

یہ احکام حدود وقصاص، امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ ہیں جیسا کہ درجِ ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

(ا) ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾
(البقرة : ۱۷۸)

''اور اے صاحب عقل! اس حکم قصاص میں تمہاری زندگی اور بقاء ہے اور امید ہے کہ تم لوگ ناحق کی خونریزی سے پرہیز کرو گے۔''

(ب) ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

(المائدة : ۴۵)

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے موافق حکم نہ کریں تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔''

(ج) ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

(آل عمران : ۱۰۴)

''اور تم میں سے ایک ایسی جماعت بھی ہونی چاہیے کہ جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا کرے اور نیک باتیں بتایا کرے اور بری باتوں سے منع کیا کرے ورہی فلاح بھی پانے والے ہیں۔''

حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بعد ازاں ارشاد می فرماید کہ سبب این اجتماع حسب جری سنۃ اللہ آنست کہ جامعہ از یشاں باحیاء علوم دین وقیام جہاد واقامت حدود وامر معروف ونہی منکر قائم شوند ودیگران انتثال امر ایشان کنند واین یکے از واجبات بالکفایۂ اسلام است عادت اللہ آن است کہ امراین امت مفلحہ بدون تصدی شخصے مسلم الفضل فیما بینہم برین اقامت صورت نگیرو۔''(۳۳)

''یعنی اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اس اجتماع کا سبب اس بناء پر کہ سنت اللہ (قانون الٰہی) اسی طرح جاری ہے، یہ ہے کہ ان میں سے ایک جماعت ایسی قائم ہو جائے جو علوم دین کے احیاء (یعنی ان کی تعلیم ونشر واشاعت) پر کمر بستہ ہو اور جہاد کو اور حدود شرعیہ کو قائم کرے۔ لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور دوسرے لوگ (یعنی عوام) ان کے احکام کی تعمیل کریں اور یہ (یعنی ایسی جماعت کا قیام) دین کے فرائض کفایہ میں سے ہے اور عادت (یعنی قانون الٰہی) یہ ہے کہ اس امت مرحومہ کا یہ امر (یعنی نظام مذکور) قیام پذیر نہیں ہوگا جب تک کوئی ایسا شخص جس کی فضیلت سب میں مسلم ہو ایسی جماعت کے قائم کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں نہ لے لے۔''

اسی چیز کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے امام ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

'' ولانّ اللہَ تعالٰی اوجب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ولا

یتم ذلک الابقوۃ وامارۃ وکذلک سائر ما اوجبہ من الجھادو العدل واقامۃ الحج والجمع والا عیاد ونصرا لمظلوم و اقامۃ الحدود لاتتم الابالقوۃ والا مارۃ .'' (۳۴)

''اوراس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کوواجب (فرض کفایہ) کیا ہے اور یہ طاقت وامارت کے بغیر پورانہیں ہوتا ہے۔اسی طرح تمام وہ احکام جن کو اللہ نے واجب کیا ہے یعنی جہاد، عدل کا قیام، حج وجمعہ وعیدین کی اقامت، مظلوم کی مدداورا قامت حدود، طاقت وامارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے ہیں۔''

امیر المومنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''فی الواقع بمقتضاء الملک والدین تو ءمان گوایں کلام قابل احتجاج نباشد لیکن موافق مدعا است کہ قیامِ دین بملک است واحکام دینیہ کہ تعلق بحکومت دارند بوقت نبودنِ مملکت صاف از دست می روند وخرابی امورِ مسلمین وذلت ونکبتِ ایشاں از دستِ کفار متمرداں واہانتِ شعائرمقدس وتخریبِ معابدومساجدِ مسلمین کہ می شود پر ہوایداست۔''(۳۵)

''یعنی حقیقت میں مطابق مقولہ ''سلطنت و مذہب جڑواں ہیں'' اگر چہ یہ قول حجت شرعیہ نہیں لیکن مدعا کے موافق ہے کہ دین کا قیام سلطنت (کے وجود) سے ہے اور وہ دینی احکام جن کا تعلق سلطنت سے ہے' سلطنت کے نہ ہونے سے صاف ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں کے کاموں کی خرابی اور سرکش کفار کے ہاتھوں ان کی ذلت ونکبت اور شریعتِ مقدسہ کے شعائر کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مساجد اور معابد کی جو تخریب ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔''

سنت (سنتِ قولیہ)

(۱) ہر مسلمان پر خلیفہ کی بیعت فرض ہے۔ارشادِ نبوی ہے:

'' مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً .''(۳۶)

''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (کسی خلیفہ کی) بیعت نہ ہوتو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اس حدیث میں رسول ﷺ نے خلیفہ کی بیعت کو فرض قرار دیا ہے اور خلیفہ کی بیعت اس کے تقرر کے بغیر نہیں ہوسکتی ہے لہٰذا خلیفہ کا تقرر فرض ہوا۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کے وجود کو فرض قرار دیا ہے۔

" مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ عَلَيه اِمَامٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهلِيةً ." (۳۷)

"جو شخص اس حال میں مرا کہ اس پر کوئی امام (خلیفہ کی حکومت) نہیں تو وہ جاہلیت کی (سی) موت مرا۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا:

" من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات ميتة جاهلية." (۳۸)

"یعنی جو شخص امام کی اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے جدا ہو گیا تو وہ جاہلیت کی سی موت مرا۔"

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح لکھتے ہیں:

" اى على صفت موتهم من حيث هم فوضى لا امام لهم." (۳۹)

"یعنی وہ کفار کی موت کی صفت پر مرا۔ اس حیثیت سے کہ وہ بغیر کسی امیر کے ہیں اور ان کا کوئی امام نہیں ہے۔"

چونکہ خلافت کا قیام فرض ہے اور یہ خلیفہ کے تقرر کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا ہے اس لیے خلیفہ کی عدم موجودگی میں واقع ہونے والی موت کو جاہلیت کی موت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے حالتِ سفر میں بھی امیر کے تقرر کو لازمی قرار دیا ہے۔

" اذا خرج ثلاثه فى سفر فليئومروا احدهم ." (۴۰)

"جب تین آدمی سفر کو نکلیں تو انہیں چاہیے کہ ایک کو امیر بنا لیں۔"

اسی طرح دوسری حدیث میں فرمایا:

" لا يحل لثلا ثه يكونون بفلاة من الارض الا امروا عليهم احد هم ." (۴۱)

"نہیں ہے حلال (جائز) تین آدمیوں کے لیے جو کسی خطہ زمین میں (سفر میں) ہوں مگر یہ کہ اپنے اوپر ایک امیر کو مقرر کر لیں۔"

جب تین آدمیوں کے اجتماع کی صورت میں امیر کو مقرر کرنا لازمی ہے تو پوری امت کے اجتماعی معاملات کو سنبھالنے کے لیے ایک امیر (خلیفہ) کا تقرر بطریق اولیٰ فرض ہوگا۔

امام ابن تیمیہ مندرجہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" فقد اوجب صلوات اللّٰه وسلامه عليه وعلىٰ آله تأمير الواحد

فی الاجتماع القلیل العارض فی السفر منبھاً بذلک علیٰ سائر انواع الاجتماع ...... فاذا وجب فی اقل الجماعات واقصر الاجتماعات اَنْ یولی اَحَدَھُمْ کان ھذا تنبیھاً علی وجوب ذالک فیما ھو اکثر من ذلک ." (۴۲)

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے قلیل (تعداد رکھنے والی) اجتماعیت جو سفر میں پیش آجائے، میں امیر بنانے کو لازمی قرار دیتے ہوئے اجتماعیت کی تمام اقسام پر تنبیہ فرمائی ہے۔ جب چھوٹی سی جماعت اور انتہائی کم اجتماع میں کسی ایک کو امیر بنانا واجب ہے تو یہ اس سے بڑی اجتماعیت میں، اس کے وجوب پر تنبیہ ہے۔''

(٤) رسول ﷺ نے خلیفہ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔

" اسمعوا واطیعوا واِنْ استعمل علیکم عبد حبشی کَأَنّ رأسَهُ زبیةٌ ." (۴۳)

''سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایک حبشی غلام کو عامل بنا دیا جائے کہ جس کا سر کشمش کی طرح ہو۔''

اس طرح ایک اور حدیث میں رسول ﷺ نے فرمایا:

" السمع والطاعة علی المرئ المسلم فیما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة ." (۴۴)

''مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع وطاعت نہ کی جائے گی۔''

خلیفہ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اور اطاعت تب ہو سکتی ہے جب خلیفہ موجود ہو۔ کیونکہ جو چیز موجود نہیں اس کی اطاعت کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا اطاعت الخلیفہ سے نصب الخلیفہ کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

(۵) رسول ﷺ نے الجماعۃ کے لزوم کو فرض قرار دیا ہے۔

" مَنْ رَأی مِنْ امیرہ شیاً یَکْرَھُهُ فلیصبر علیه فانه مَنْ فارق الجماعة شبراً فمات الامات میتة جاھلیة ." (۴۵)

''جو آدمی اپنے امیر سے کسے مکروہ چیز کا صدور دیکھے تو صبر کرے۔ اس لیے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا اور مر گیا تو جاہلیت کی سی موت مرا۔''

الجماعۃ کی وضاحت درجِ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

" مَنْ کَرِہ من امیرہ شیاً فلیصبر فانه من خرج من السلطان شبراًمات میتۃً جاھلیۃً ." (۴۶)

"جو اپنے امیر سے کسے مکروہ چیز کا صدور دیکھے تو صبر کرے۔اس لیے کہ جو سلطان کی اطاعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا اور مر گیا تو جاہلیت کی سی موت مرا۔"

اسی طرح ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

" مَن فَارَقَ الجماعة و الاسلام فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه ."(۴۷)

"جو شخص جماعت اور اسلام سے علیحدہ ہوا تو اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔"

مندرجہ بالا احادیث میں جماعت اور خلیفہ کے لزوم کو لازم قرار دیا گیا ہے اور اس سے علیحدگی کو جاہلیت کی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جماعت اور خلیفہ کا لزوم تب ہوسکتا ہے جب وہ موجود ہوں۔اگر موجود نہیں تو ان کا تقرر و نصب لازم ہے۔

(٦) " انما الامام جنة يُقَاتَلُ مِنْ ورائه ويتّقٰى به فان امر بتقوى اللّٰه وعدل كان له بذلک اجرو ان يامر بغيره كان عليه منه ."(۴۸)

"امام ڈھال ہے جس کے بل پر قتال کیا جاتا اور بچاؤ اختیار کیا جاتا ہے۔اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور عدل کا حکم کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا ورنہ اس کے برعکس حکم کرے گا وبال اسی پر ہوگا۔"

امام النوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" اى كالستر لانه يمنع العدوّ من اذى المسلمين ويمنع الناس بعضهم من بعض و يحمٰى بيضة الاسلام ويتقيه الناس ويخافون سطوه ومعنى (يقاتل من ورائه) يقاتل معه الكفار و البغاة والخوارج وسائراهل الفساد وينصرعليهم ومعنیٰ يتقى به اى يتقى به شرّ العدو وشر اهل الفساد و الظلم مطلقا ." (۴۹)

"یعنی مثل ڈھال کے ہے اس لیے کہ وہ دشمن کو مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے سے روکتا ہے اور بعض کا بعض سے تحفظ کرتا ہے، مرکزِ اسلام کی حفاظت کرتا ہے، لوگوں سے اسے بچاتا

ہے، وہ اس کے دبدبے سے خوفزدہ رہتے ہیں۔اس کے بل پر قتال کیا جاتا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ مل کر کافروں، باغیوں، خارجیوں اور تمام اہل فساد سے قتال کیا جاتا اوران کے خلاف اس کی نصرت کی جاتی ہے۔اس کے ذریعے بچا جاتا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ذریعے دشمن اوراہل فساد کے شر اور مطلق ظلم سے بچا جاتا ہے۔''

جہاد کی فرضیت سے انکار ممکن نہیں ہے اوراس کے لیے جنۃٌ (ڈھال) کا ہونا ضروری ہے۔اسی طرح اس ضرورت (ڈھال) کی تکمیل (تقرر خلیفۃ) بھی ضروری ہے۔

احادیثِ جہاد

(ا) ''عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لاھجرۃ بعد الفتح ولکن جھادو نیۃ وان استنفرتم فانفروا (ای اذا طلبکم الامام بالخروج الیٰ الجھاد فاخرجوا) .''(۵۰)

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فتح (مکہ) کے بعد ہجرت (کا حکم اور ثواب باقی) نہیں البتہ جہاد اور (خالص) نیت (کا ثواب باقی) ہے اگر امام تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دے تو نکل پڑو۔''

(ب) ''عن ابی موسیٰ قال جآء رجل الی النبی ﷺ فقالَ الرجُلُ یُقَاتِل لِلمَغنَمِ والرجل یقاتِل للذِکُرو الرجل یقاتل لیری مکانَہ فَمنُ فی سبیل اللّٰہ قالَ مَن قاتل لِتکون کلمۃُ اللّٰہ ھی العُلیا فھو فی سبیل اللّٰہ .''(۵۱)

''ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اورعرض کیا کہ یارسول اللہ! ایک آدمی مالِ غنیمت کے لیے جہاد کرتا ہے، دوسرا آدمی اس لیے جہاد کرتا ہے تاکہ اس کا تذکرہ ہوتا رہے، تیسرا آدمی اس لیے جہاد کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کا مقام ومرتبہ معلوم ہو، آپ بتائیے کہ کون اللہ کے راستے میں ہے؟ فرمایا کہ اللہ کے راستے میں وہی ہے جو اس لیے جہاد کررہا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ (دین) بلند (غالب) ہو۔''

(ج) ''من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علیٰ شعبۃِ من النفاق .''(۵۲)

''جو شخص اس حالت میں مرا کہ نہ جہاد کیا اور نہ دل میں اس کا ارادہ کیا تو ایسا آدمی

نفاق کے ایک شعبے پر مرا۔''

حکومت کے بغیر اقدامی جہاد کا تصور نہیں ہوسکتا ہے (جیسا کہ آیات جہاد میں واضح کیا گیا ہے) اگر جہاد کے متعلق فکر و جہد کرنا فرض اور اس کا ترک نفاق ہے تو اس کے ذریعے (اقامتِ حکومت کے لیے) جد و جہد کرنا فرض اور ترک نفاق کیوں نہیں ہے؟

سنتِ فعلیہ

رسول ﷺ نے مدینہ میں پہلی اسلامی حکومت قائم کی۔ جس کے امام آپؐ بذات خود تھے۔ جب اللہ نے بذریعۂ جہاد اسلام کو غالب و منصور فرمایا تو آپؐ نے بذات خود اسلامی حکومت کے امور سرانجام دیے۔ جہاد کے لیے صحابہ کرام کو روانہ فرمایا، ان پر امیر مقرر فرمائے۔ کئی غزوات میں آپؐ بذات خود سپاہ سالار تھے۔ احکامِ جہاد (خارجہ پالیسی) کو بیان فرمایا۔ اموالِ غنیمت تقسیم فرمائے۔ بادشاہوں کو خطوط لکھے ان کے پاس سفیر بھیجے۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاہدات کیے۔ اہل حرب واھل الذمہ کے احکام بیان فرمائے اور انہیں عملاً نافذ کیا۔ شرعی حدود و تعزیرات کو بذات خود قائم فرمایا۔ امام شاطبی لکھتے ہیں:

'' ثبت انّ النبی ﷺ لم یمت حتی اتیٰ ببیان جمیع مایحتاج الیه من امر الدین والدنیا وھذا لامخالف علیه من اھل السنة.''[۵۳]

''یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے انتقال سے پہلے تمام ضروری دینی و دنیاوی امور کو بیان فرما دیا تھا۔ اس پر اہلِ سنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

غرض کہ تمام ریاستی امور کو بحیثیت حاکم انجام دیا۔ کوہ تہامہ والوں کے نام والا نامہ میں رسول ﷺ نے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد النبی رسول ﷺ کی طرف سے.......... خدا کے آزاد بندوں کے نام جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ غلامی سے آزاد ہیں۔ محمد ﷺ ان کے حاکم ہیں، ان کو بحران کے قبیلوں میں واپس نہیں کیا جائے گا اور نہ سابقہ جرائم پر ان سے کوئی باز پرس کی جائے گی۔ جن لوگوں پر ان کا قرض واجب ہوگا وہ ان کو دلایا جائے گا۔ ان لوگوں پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی نہیں کی جائے گی۔ مذکورہ بالا امور پر ان لوگوں کے لیے جو اسلام لائیں اللہ اور محمد النبی ﷺ کی ذمہ داری ہے۔''[۵۴]

محمد رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

آپ ﷺ عملاً پہلی اسلامی حکومت قائم کر کے بذات خود اس کے حاکم ہوئے۔آپؐ کا فعل بھی وجوب کا مقتضی ہے لہٰذا آپؐ کے فعل سے خلافت وامامت کا فرض ہونا ثابت ہوا۔یہی وجہ ہے کہ آپ جب مدینہ سے باہر سفر فرماتے تو اپنا نائب مقرر فرما دیتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''ہر کہ فن مغازی را تتبع نمودہ باشد البتہ میداند کہ آنحضرت ﷺ ہر گاہ برائی غزوہ از مدینہ شریفہ سفر می فرموند شخصے را حاکم مدینہ مینموند امر مسلمین را گاہی مہمل نگذاشتہ اند۔''(۵۵)

''یعنی جس نے فن مغازی کا تتبع کیا ہوگا وہ ضرور جانتا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ جب کسی غزوہ کے لیے مدینہ شریفہ سے سفر فرماتے تھے تو کسی شخص کو مدینہ کا حاکم بنا دیتے تھے۔امر مسلمین (اجتماعی وریاستی معاملات) کو کبھی آپؐ نے مہمل نہیں چھوڑا ہے۔''

" اخرج الحاکم عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ وزیر ائی من اهل السمآءِ جبرئیل ومیکائیل ومن اهل الارض ابو بکرؓ وعمرؓ ."(۵۶)

''حاکم حضرت ابوسعید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دو وزیر آسمان میں ہیں یعنی جبرائیل اور میکائیل۔اور دو زمین میں ہیں یعنی ابوبکر وعمرؓ۔''

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

" عن انسٍ انَّ قیس بن سعد کان یکون بین یدی النبی ﷺ بمنزلة صاحب الشرط من الامیر ."(۵۷)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قیس بن سعدؓ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پولیس افسر کے منصب پر فائز تھے۔''

آثارِ صحابہ کرامؓ

(۱) صحابہ کرامؓ نے رسول ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے کے بعد آپ ﷺ کی تدفین سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ منتخب کر لیا۔حضرت شاہؒ لکھتے ہیں:

''یکہ آنکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم بنصب خلیفہ وتعین اوراپیش از دفن آنحضرت ﷺ بنصب خلیفہ متوجہ شدند پس اگر از شرع وجوب نصب خلیفہ ادارک نمی کروند بریں امر خطیر

مقدم نمی ساختند وایں وجہ اثبات دلیل شرعی از آنحضرت ﷺ مے نماید بر وجہ اجمال۔"(۵۸)

"دلیل اول یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توجہ آنحضرت ﷺ کے دفن سے بھی پہلے خلیفہ کے تعین وتقرر کی طرف مائل ہوئی لہٰذا (معلوم ہوا کہ) اگر صحابہ کرامؓ کو شریعت کی طرف سے خلیفہ مقرر کرنے کی فرضیت (اور اس کے مقرر کرنے میں تاخیر کی ممانعت) معلوم نہ ہوتی تو وہ حضرات ہرگز خلیفہ کے تقرر کو آنحضرت ﷺ کے دفن پر مقدم نہ کرتے۔ یہ تقریر (صرف صحابہ کرامؓ کے فعل کو ثابت نہیں کرتی بلکہ) آنحضرت ﷺ سے دلیل شرعی (کا خاص اس مسئلہ میں پایا جانا) ثابت کرتی ہے بطور اجمال کے۔"

یعنی یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ صحابہؓ سے جب کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہو جس کا ادراک رائے سے ثابت نہ ہو سکے تو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

احمد بن حجر الہیثمی لکھتے ہیں:

" اعلم ایضاً انّ الصحابہ اجمعوا علٰی انّ نصب الامام بعد انقراض زمن النبوہ واجب بل جعلوھا اھّم الواجبات حیث اشتغلوا بہ عن دفن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ."(۵۹)

"یعنی یہ بھی جان لیجئے کہ زمانہ نبوۃ کے ختم ہونے کے بعد صحابہؓ کا امام کے تقرر کے واجب (فرض کفایہ) پر اجماع ہو چکا ہے بلکہ انہوں نے اسے بڑے فرائض میں سے قرار دیا یہاں تک کہ اس کی (ادائیگی) میں مشغول ہو گئے (اور رسول ﷺ کی تدفین کو مؤخر کر دیا۔"

(۲) حضرت الصدیق نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو خطبہ دیا اس میں فرمایا:

" الا انّ محمداً قدمات ولا بدّ لھٰذا الدین ممن یقوم بہ."(۶۰)

"سنو! محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور اس دین کے لیے ایسا شخص (خلیفہ) ہونا ضروری ہے جو اسے قائم کرے۔"

لفظ **لا بـــد** فرضیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور سامعین صحابہؓ میں سے کسی نے اس اصول سے اختلاف نہیں کیا اور ان کا سکوت اجماع کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دورِ صحابہؓ سے لے کر آج تک تمام اہل سنت والجماعت اس مسئلہ یعنی فرضیتِ خلافت میں متفق رہے ہیں۔

(۳) حضرت الفاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں فرضیتِ خلافت کو اس طرح بیان فرمایا:

" عن تميم الدارى قال تطاول النّاس فى البناءِ فى زمن عمر فقال عمر يا معشر العرب الارض الارض انه لااسلام الاجماعة ولا جماعة الّابامارة ولا امارة الّابطاعةٍ فمن سوّده قومُه على الفقه كان حيٰوةً له ولهم ومن سوّده قومهُ على غير فقه كان هلاكاً له ولهم ."(۶۱)

"تمیم الداری سے روایت ہے کہ لوگ عمرؓ کے زمانہ میں اونچے مکانات بنانے لگے تو عمرؓ نے فرمایا کہ اے گروہ عرب زمین کو یادرکھو زمین کو (جس میں ضرور دفن ہونا ہے) یقینی بات ہے کہ اسلام جماعت کے بغیر کامل نہیں اور جماعت امارت کے بغیر کامل نہیں اور امارت طاعت کے بغیر نامکمل ہے تو جس شخص کو اس کی قوم نے سوچ سمجھ کر سردار بنایا تو یہ فعل اس (سردار) اور قوم کے لیے زندگی کا باعث ہوگا اور جس کو اس کی قوم نے بغیر سوچے سمجھے سردار بنالیا تو یہ فعل اس (سردار) اور قوم کے لیے باعث ہلاکت ہوگا۔"

(۴) حضرت علیؓ امارت کی ضرورت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

" لا بدّ للناس من امارة برة كانت او فاجرة قالوا يا امير المومنين هٰذه البرة قد عرفناها فمابال الفاجرة؟ قال يقام بها الحدود وتأمن بها السبل و يجاهد بها العدوّو يقسم بها الفئ."(۶۲)

"یعنی لوگوں کے (اجتماعی معاملات) کیلئے امارت (خلافت وحکومت) کا ہونا ضروری ہے خوہ وہ (حاکم) نیک ہو یا بد لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین! نیک (حکمرانوں) کو تو ہم جانتے ہیں، لیکن فاجر کیسے (حکمران بن سکتے ہیں؟ فرمایا ان کے ذریعے حدود قائم کی جائیں گی، راستوں میں امن (ملکی امن وامان) ہوگا، ان کے ساتھ دشمن (کفار) سے جہاد کیا جائے گا اور مال غنیمت تقسیم کیا جائے گا۔"

(۵) حضرت جریرؓ کو رسول ﷺ نے یمن بھیجا تھا۔ جب آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت الصدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیے جانے کی خبر یمن پہنچی تو ایک یمنی صحابیؓ ذوعمرو کی حضرت جریرؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ذوعمروؓ نے فرمایا:

" يا جرير انكم لن تزالو بخيرما اذاهلک امير تأمرتم فى آخر واذا كانت بالسيف غضبتهم غضب الملوک ورَضيتهم رضى الملوک ."(۶۳)

''اے جریر! تم لوگ ہمیشہ بھلائی پر رہو گے۔ جب ایک خلیفہ مر جائے تو دوسرے کو تم (اجماع سے) منتخب کر لو اور جب (خلیفہ کا تقرر) تلوار سے ہوگا تو تم بھی بادشاہوں کا سا غصہ کرنے لگو گے اور بادشاہوں کی سی خوشی کرنے لگو گے۔''

فرضیتِ خلافت از روئے اجماع

(۱) آثارِ صحابہؓ میں بیان ہو چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے تقرر خلیفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم فرمایا۔ جس سے فرضیت خلافت پر اجماعِ صحابہ منعقد ہو گیا اور کسی صحابیؓ نے اس کی نفی نہیں کی۔ امام احمد بن حجر الہیثمی المکی لکھتے ہیں:

" اعلم ايضاً ان الصحابة رضوان الله عليهم اجمعوا على ان نصب الإمام بعد انقراض زمن النبوة واجب بل جعلوه اهم الواجبات حيث اشتغلوا به عن ذمن رسول الله صلى الله عليه وسلم ."(۶۴)

''جان لیجیے کہ صحابہ کرام نے زمانہ نبوت کے بعد امام کے تقرر کے وجوب پر اجماع کیا ہے بلکہ اسے فرائض میں سے سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے، اس طرح کہ انہوں نے (خلیفہ کے تقرر کے معاملے کو حل کرنے کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کو مؤخر کر دیا۔''

(۲) آئمہ مذاہب کا فرضیتِ خلافت پر اجماع ہے۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

" ولا خلاف في وجوبِ ذلك بين الأمة ولا الأئمة الا ماروى عن الاصم حيث كان عن الشريعة اصم ...... ودليلنا قول اللّٰه تعالىٰ ﴿ إني جاعلٌ في الارض خليفةً ﴾ وقوله تعالىٰ ﴿ يا داوٗد انا جعلنك خليفةً في الارض ﴾ وقال تعالىٰ ﴿ وعد اللّٰه الذين آمنو امنكم وعملو الصالحات ليستخلفنهم في الارض ﴾ أي منهم خلفأ الى غير ذٰلك ."(۶۵)

''امت اور آئمہ میں خلیفہ کے تقرر کے واجب (فرض کفایہ) ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مگر جو اصم (عبدالرحمٰن بن کیسان) سے روایت کیا گیا ہے جو کہ شریعت سے اصم (بہرا) ہے (کہ یہ فرض نہیں ہے) اور ہماری دلیل یہ آیات ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''بیشک ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے'' اور فرمایا کہ ''اللہ نے تم میں سے مؤمنین

اور صالحین سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا'' یعنی ان میں خلفاء بنائے گا۔اس کے علاوہ دوسری آیات بھی دلیل ہیں۔''

(۳) ملا علی القاریؒ شرح الفقہ الاکبر میں لکھتے ہیں:

" فقد اجمعو اعلی وجوبِ نصبِ الامام ."(٦٦)

''یعنی آئمہ کا اجماع ہے کہ امام کا تقرر واجب (فرضِ کفایہ) ہے۔''

(٤) امام الحرینؒ لکھتے ہیں:

" وهو مسبوق باجماع من اشرقت عليه الشمس شارقة وغاربة واتفاق مذاهب العلماء قاطبة ." (٦٧)

''اور وہ (وجوب نصب امام) اس پر روئے زمین کے فقہا کا پہلے سے اجماع ہے اور علماء مذاہب کا اتفاق ہے۔''

(۵) علامہ ابن حزم الظاہری لکھتے ہیں:

" اتفق جميع اهل السنة وجميع المرجئة وجميع الشيعة وجميع الخوارج على وجوب الامامة ." (٦٨)

''تمام اہل سنت، مرجئہ، شیعہ، خوارج سب کا اتفاق ہے کہ نصبِ امام واجب (فرض کفایہ) ہے۔''

(٦) امام الماوردی لکھتے ہیں:

" وعقدها لمن يقوم بها فى الامة واجب بالاجماع ."(٦٩)

''اور امامت کا عقد اس شخص کے لیے جو امت میں اس کا قیام کر سکے بالاجماع واجب ہے۔''

اقوالِ فقہاء

(١) علامہ تفتازانی حنفیؒ لکھتے ہیں:

" واجب على الخلق سمعاً عندنا وعند عامة المعتزلة ."(٧٠)

''ہمارے اور عام معتزلہ کے نزدیک دلائل نقلیہ کی رُو سے مخلوق (مسلم عوام) پر (اقامتِ خلافت) واجب ہے۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" وقد ذکر فی کتبنا الفقهية انه لا بد للامة من امام يحي الدين ويقيم السنة وينتصف للمظلومين ويستوفي الحقوق ويضعها مواضعها ."(۴۱)

''ہماری فقہی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ امت کے لیے ایسے امام کا وجود لازم ہے جو دین کا احیا کرے۔ سنت کو قائم کرے، مظلوموں کو انصاف دلائے، حقوق لے کر ان کے مستحقین کو دے۔''

امام قرطبی کے نزدیک خلافت رکن دین ہے:

" انها ركن من اركان الدين الذى به قوام المسلمين ."(۴۲)

''اور وہ (امامت) ارکان دین میں سے ایک رکن ہے جس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے اجتماعی نظام کا قیام ہے۔''

(۲) امام ابن تیمیہ اقامتِ خلافت کو فرائض دینیہ میں سے سب سے بڑا فریضہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" يجب ان يعرف ان ولايه امر الناس من اعظم واجبات الدين بل لا قيام للدين ولا للدنيا الا بها ."(۴۳)

''یعنی یہ جان لینا ضروری ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی وریاستی) معاملات کے لیے ولایت (خلافت وحکومت) دین اسلام کے فرائض میں سے ایک بڑا فریضہ ہے بلکہ دین و دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔''

(۳) قاضی ابویعلی لکھتے ہیں:

" نصبة الامام واجبة وقد قال احمد رضى الله عنه فی رواية محمد بن عوف بن سفيان الحمصی، الفتنة اذا لم يكن امام يقوم بامر الناس ."(۴۴)

''امام کا تقرر واجب ہے۔ امام احمدؒ محمد بن عوف بن سفیان الحمصی کی روایت میں فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے معاملات کی نگرانی کرنے والا امام نہ ہوگا تو اس وقت فتنہ ہوگا۔''

نصب امام کی فرضیت پر دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فلولا ان الامامة واجبة لما ساغت تلك المحاورة والمناظرة

علیھا ." [۷۵]

''اگر امامت (کا قیام) واجب نہ ہوتا تو اس پر (سقیفہ بنی ساعدہ میں) باہم گفتگو اور مناظرہ نہ ہوتا۔''

(٤) امام عبدالقاہر البغدادی لکھتے ہیں:

" **قال جمہورا صحابنا من المتکلمین والفقھاء مع الشیعه والخوارج واکثر المعتزله بوجوب الامامه وانها فرض وواجب.**" [۷٦]

''جمہور اہل کلام فقہاء، ان کیساتھ شیعہ، خوارج اور اکثر معتزلہ امامت (خلافت) کی فرضیت کے قائل ہیں اور وہ (امامت) فرض (کفایہ) ہے۔''

(٥) امام ابن حزم الظاہری لکھتے ہیں:

" **ولا یجوز التردد بعد موت الامام فی اختیار الامام اکثر من ثلاث .**" [۷۷]

''امام (خلیفہ) کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کے منتخب کرنے میں تین دن سے زیادہ (تذبذب وتاخیر) جائز نہیں ہے۔''

(٦) امام علاء الدین الکاسانی الحنفی لکھتے ہیں:

" **نصب الامام الاعظم فرض بلاخلاف بین اهل الحق.**" [۷۸]

''امام اعظم (خلیفہ) کا تقرر فرض ہے، اہل حق کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔''

(٧) علامہ ابن عابدین الشامی لکھتے ہیں:

" **ونصبه اي الامام ...... اهم الواجب اي من اهمها التوقف کثیر من الواجبات الشرعیة علیه .**" [۷۹]

(٨) علامہ عبدالشکور السالمی لکھتے ہیں:

" **ان الخلافه ثابته والاماره قائمه مشروعة واجبة علی الناس ان یرون علی انفسهم اماماً بدلیل الکتاب والسنه والاجماع.**" [۸۰]

''خلافت ثابت اور امارت قائم ومشروع ہے لوگوں پر واجب (فرض کفایہ ہے کہ ان پر ایک امام (مقرر) ہو۔ (وجوب کے) دلائل کتاب، سنت اور اجماع سے ملتے ہیں۔''

(۹) امام نووی الشافعی لکھتے ہیں:

لا بـد للأمة من امام يقيم الدين ويصر السنة وينتصف للمظلومين ويتوفى الحقوق ويضعها مواضعها ."(۸۱)

"امت کے لیے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو دین کو قائم کرے، سنت کی نصرف کر کے (قائم کر کے) مظلوموں کو انصاف دلائے اور حقوق لے کر ان کے مستحقین کو دے۔"

(۱۰) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

" واجـب بـالكفايه است بر مسلمين الى يوم القيامه نصب خليفه مستجمع شروط ."(۸۲)

"مسلمانوں پر قیامت تک جامع شرائط خلافت، خلیفہ کا تقرر واجب (فرض کفایہ) ہے۔"

(۱۱) امیر المؤمنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ اپنے ایک خط میں آیت اولی الامر اور احادیثِ امامت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"چونکہ اقامتِ جہاد اور ازالۂ کفر و فساد اس زمانے میں کہ اہلِ کفر و طغیان کی شورش کا زمانہ ہے، عام مسلمانوں کے ذمہ واجب و مؤکد ہو گیا ہے۔ پس امام کا مقرر کرنا بھی ان پر واجب مؤکد ہے۔"(۸۳)

قیاس (عقلی دلائل)

اقامتِ خلافت کی فرضیت جس طرح نقل سے ثابت ہے اسی طرح قیاس (عقل) سے بھی ثابت ہے۔

(۱) علماء اصولیین کے ہاں شرعی قاعدہ کلیہ ہے کہ " **مقدمة الواجب واجبة** " یعنی فرض کفایہ کا حصول جس چیز پر موقوف ہو وہ چیز بھی فرض کفایہ ہوتی ہے۔ چونکہ امت کے دینی و دنیاوی اموت کا نظم و نسق کرنا فرض ہے اور یہ خلافت کے قیام اور خلیفہ کے تقرر پر موقوف ہے اور اس کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے اس لیے خلافت کا قیام اور خلیفہ کا تقرر بھی فرض ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"مطلق ایجاب خلیفہ ائیؔ خلیفۃٍ کان کفایت نمے کند زیرا کہ برائے امر قوت ہر نفسے

مساعد نیست مستحق با غیر مستحق مشتبہ است وقرعۂ اختیار برائے کسے زدن کہ برائے آن موفق باشد وآن امر بروئے میسر گردد از علوم امتیان بیرون است ومقدمۃ الواجب واجبۃٌ۔''(۸۴)

''مطلقاً خلیفہ مقرر کر دینا کہ کسی کو بھی کر دیا جائے کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ حکمرانی کی صلاحیت ہر آدمی میں نہیں ہوتی، مستحق غیر مستحق کے ساتھ ملے جلے ہیں اور قرعہ اختیار کسی ایسے شخص کے نام پر متعین کر دینا جو اس کے لیے (اللہ کی طرف سے) توفیق یافتہ ہو اور یہ (اہم کام) اس پر آسان ہو، امتیوں کے علوم سے باہر ہے اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔''

بہت سے احکامِ الٰہی ہیں جن کا نفاذ فردِ واحد نہیں کرسکتا ہے بلکہ اس کے لیے طاقت وحکومت کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی یہ احکام ریاست سے متعلق اور حاکم وخلیفہ کے وجود پر موقوف ہیں کہ وہی ریاستی انتظامیہ اور حکومتی ذرائع سے ان احکام کو باقاعدہ ایک نظام کی شکل میں نافذ کرسکتا ہے، کیونکہ ریاست ہی عدالتی نظام کو چلاتی ہے اور عدالت انہی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہے جو ریاست کی طرف سے منظور شدہ ہیں، پھر قانون نافذ کرنے والے ادارے انہی فیصلوں پر عمل درآمد کراتے ہیں۔ جب ملک میں خلافت کی بجائے لادینی نظام ہو اور عدالتی نظام کی بنیاد کفریہ قوانین پر ہو تو مذکورہ احکامِ الٰہی پر عمل درآمد کیونکر ہوسکتا ہے۔ الغرض جب تک نظامِ خلافت کا احیاء اور خلیفہ کا تقرر نہیں ہوتا تب تک ان احکام پر عمل درآمد نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا احکام کی فرضیت سے خلافت کے احیاء اور خلیفہ کے تقرر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

(۲) اللہ پاک انسانوں کی اصلاح کے لیے انبیاء کو مبعوث فرماتے رہے جو وحی الٰہی پر مبنی نظامِ حیات قائم فرماتے تھے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے بھی دعوت وجہاد کے ذریعے اسلامی نظام کو عملاً نافذ کیا۔ خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد اس نظام کے احیاء کی ذمہ داری آپ ﷺ کی امت پر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی انبیاء کی جانشینی پر بحث کرتے ہوئے خلیفہ کی ضرورت اس طرح بیان کرتے ہیں:

'' وَتحقِیق ذالکَ اَن المدبرَ الحقَ لا یدَع امرَ الناسِ مھملاً سدی بل له لطف ازلی بھم و ارادۃ لاقامه النظام الخیر و لذلک بعث الانبیاء و لما انقرض عھد الانبیاء اقتضی ذلک اللطف ان یتحفظ علمھم و رشدھم فی الناس بواسطۃ رجل من امتھم.''(۸۵)

''یعنی تحقیق اس (خلیفہ کی ضرورت) کی یہ ہے کہ مدبر حق (باری تعالیٰ) لوگوں کے معاملہ کو بے کار اور لغو نہیں چھوڑتے بلکہ اس (اللہ تعالیٰ) کی ان کے ساتھ ازلی لطف ومہربانی ہے اور نظام خیر کے قیام کا ارادہ ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا ہے۔ جب انبیاء کا زمانہ ختم ہو گیا تو باری تعالیٰ کے لطف ومہربانی کا تقاضا یہ ہے کہ ان (انبیاء) کا علم اور تعلیمات لوگوں میں سے ایک آدمی (حاکم وخلیفہ جو ان کا جانشین ہو) کے ذریعے محفوظ رہیں۔''

(۳) اگر حاکم وخلیفہ نہ ہو تو فساد فی الارض کا ظہور ہو، امن وامان معدوم ہو جائے حالانکہ ضرر ونقصان کو دفع کرنا اور ضروریاتِ خمسہ (دین، جان، مال، عقل، عزت) کی حفاظت کرنا مقاصدِ شریعت میں داخل ہے اور یہ مقاصد حاکم وخلیفہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔ علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

'' ان فی نصب الامام استجلاب منافع لا تحصٰی و استدفاع مضار لا یخفی و کل ما هو کذلک فهو واجب .''(۸۶)

''امام کے تقرر میں بے شمار فوائد کا حصول اور نقصانات سے بچاؤ ہے جو کہ مخفی نہیں ہے اور جو چیز اس طرح (اہمیت کی حامل) ہو تو وہ واجب ہے۔''

حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں:

ان الجماعة حبل الله فاعتصموا — بعروته الوثقیٰ لمن دانا
کم یدفع الله بالسلطان مظلمة — فی دیننا رحمة منه و دنیا نا
لولا الخلیفة لم تأمن لنا سبل — وکان اضعفنا نهباً لأقوانا

''جماعت اللہ کی رسی ہے جو اس کے قریب ہے اسے مضبوطی سے پکڑے۔ اللہ تعالیٰ سلطان وبادشاہ کے ذریعہ بہت سے ظلمات کو ختم کر دیتے ہیں اور وہ ہمارے دین اور دنیا کے لیے اللہ کی رحمت ہے۔ اگر خلفیہ نہ ہو تو راستے محفوظ نہ رہیں اور ہمارے کمزور لوگ طاقتوروں کے ہاتھوں لوٹ لیے جائیں۔''(۸۷)

لہٰذا فتنہ وفساد، لاقانونیت سے عوام کو بچانے اور امن وامان کے قیام کے لیے امام وخلیفہ کا تقرر ضروری ہے۔ امام ابوحامد الغزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' اِن الدنیا والا من علی الا نفس والا موال لا ینتظم الا بسلطان

مطاع، فتشهد له مشاهدة أوقات الفتن بموت السلاطين والائمة، وان ذلک لودام ولم يتدارک بنصب سلطان آخر مطاع دام الهرج وعم السيف وشمل القحط وهلکت المواشيی وتعطلت الصناعت، وکان کل من غلب سلب، ولم يتفرغ احد للعبادة والعلم ان بقی حيا، والا کثرون يهلکون تحت ظلال السيوف، ولهذا قيل: الدين والسلطان توامان، لهٰذاقيل الدين اسّ والسلطان حارسٌ، وما لا اسٌ له فمهدوم . وما لا حارس له فضائع ...... وهذا داء لا علاج له الا بسلطان قاهر مطاع يجمع شتات الاراء، فبان ان السلطان ضروری فی نظام الدين ونظام الدنيا، ونظام الدنيا ضروری فی نظام الدين، ونظام الدين ضروری فی الفوز بسعادةالاخرة، وهو مقصود الانبياء قطعًا، فکان وجوب الامام من ضروريات الشرع الذی لا سبيل الی ترکه فاعلم ذٰلک .''(۸۸)

''دنیا اور جان و مال کے تحفظ کا نظم ایسے حکمران کے وجود سے قائم ہوتا ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہو۔اس بات کی شہادت بادشاہوں اور آئمہ کی وفات کے وقت پیدا ہونے والے فتنوں کے مشاہدات دیتے ہیں۔اگر یہ صورتِ حال (بغیر حکمران کے) ہمیشہ برقرار رہے اور ایک دوسرے بادشاہ کے تقرر کے ذریعے اس کا تدارک نہ کیا جائے تو قتل و غارت عام ہو جائے، قحط پڑے، چوپائے ہلاک ہونے لگیں، صنعت (کا شعبہ) تعطل کا شکار ہو جائے، جسے غلبہ حاصل ہو وہ لوٹ مار کرے، عبادت کے لیے کسی کو فراغت نہ ملے، علم باقی نہ رہے اور لوگوں کی اکثریت تہ تیغ ہو جائے۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ دین اور بادشاہت (حکومت) ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ دین بنیاد ہے اور بادشاہ اس کا محافظ ہے۔جس چیز کی بنیاد نہ ہو تو وہ منہدم ہو جاتی ہے اور جس چیز کا کوئی محافظ نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے...... یہ (اجتماعی امور کا نظم و نسق نہ ہونا) ایسی بیماری ہے کہ جس کا علاج سخت گیر بادشاہ کے بغیر ممکن نہیں، جس کی اطاعت کی جاتی ہو، وہ متفرق آراء کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے۔پس (مذکورہ تفصیل سے) یہ بات واضح ہوگئی کہ دین اور دنیا کے نظام کے لیے بادشاہ کا ہونا لازم ہے۔دنیوی نظام دینی نظام کے لیے ضروری ہے اور دینی نظام

اخروی سعادت کے لیے ضروری ہے اور یہ بات قطعی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی مقصد ہے۔ پس امام کا وجود شرعی ضروریات میں سے ہے جسے ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

(٤) حاکم وخلیفہ کا تقرر انسانی فطرت ہے۔انسان اجتماعیت پسند ہے۔ وہ انفرادی طور پر اور دوسرے انسانوں سے بے نیاز ہو کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسانی اجتماع میں حقوق اور مفادات و مصالح کا ٹکراؤ ایک فطری امر ہے اس تنازع وٹکراؤ کو ختم کرنے کے لیے ایک منصف و حاکم کا ہونا ضروری ہے اور یہ فطرت کے عین مطابق ہے۔امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" فان بنی آدم لاتتم مصلحتهم الا بالاجتماع لحاجة بعضهم الی بعض ولابدّ لهم عندالاجتماع من رائس ."[٨٩]

"یعنی انسانیت کے مصالح اجتماع (اجتماعی نظام) کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے اس لیے کہ بعض بعض کے محتاج ہیں اور اجتماع میں ان کے لیے ایک رئیس (حاکم) کا ہونا ضروری ہے۔"

اسی طرح دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" الانسان مدنی بالطبع ...... فجمیع بنی آدم لابدّ لهم من طاعة آمرٍ وناهٍ فمن لم یکن من اهل الکتب الالهیة ولامن اهل دین فانهم یطیعون ملوکهم فیما یرون انه یعود بمصالح دنیا هم مصیبین تارةً ومخطئین اخری ."[٩٠]

"انسان طبعاً شہریت پسند ہے۔ پس تمام انسانیت کے لیے امر اور نہی کرنے والے کا ہونا لازم ہے۔ جو لوگ اہل کتاب نہیں اور بے دین ہیں وہ بھی دنیاوی امور میں اپنے بادشاہوں کی اطاعت کرتے ہیں چاہے وہ بادشاہ (ریاستی) امور کو غلط انجام دیں یا صحیح۔"

امام راغب الاصفہانی "الامر" کی تعریف میں لکھتے ہیں:

" قیل امر القوم کثروا وذلک لان القوم اذا کثروا صاروا ذا امیر من حیث انهم لا بد لهم من سائس یسوسهم ولذلک قال الشاعر : "لا یصلح الناس فوضی لا سراة لهم ."[٩١]

سب سے بہتر دلیل یہ ہے کہ آج امت مسلمہ جس طرح زندگی گزار رہی ہے کہ خلافت اسلامیہ

کے انہدام کے بعد پوری دنیا میں اسلامی قانون معطل، نظام جہاد درہم برہم، مرکز کا فقدان، اسلامی دنیا چھوٹے چھوٹے مما لک میں منقسم، اقوام کفر کا فکری، سیاسی، عسکری اور اقتصادی غلبہ اور بے بس و مجبور مسلمان دنیا کے ہر کونے میں مغلوب و مقہور، کیا ان مسائل کا کوئی حل ہے؟ جی ہاں! اس کا حل چودہ صدیاں قبل بتا دیا گیا تھا اور خاتم الانبیاءﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے مینارۂ نور ہے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان رجوع الی اللہ کرتے ہوئے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلامی نظام حیات کے مطابق ڈھالیں اور خلافت کے قیام کے لیے انتہائی جدوجہد کریں۔ امتِ مسلمہ پر خلافت کا قیام سب سے بڑا فریضہ ہے جب تک اس فریضہ کو ادا نہیں کیا جاتا تب تک نہ تو اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی سنور سکتی ہے اور نہ انہیں دنیوی و اخری سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔

بحثِ ثانی

فرضیتِ خلافت سے مراد

دوسری بحث یہ ہے کہ فرضیت خلافت سے کون سا فرض مراد ہے؟ فرض عین یا فرض کفایہ۔ جواب، فقہاء کے نزدیک یہ ابتدائی طور پر فرضِ کفایہ ہے لیکن اگر اسے مقررہ وقت میں ادا نہ کیا جائے تو فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ جیسے جہاد اگر کچھ لوگ اس کو ادا کر دیں تو باقی سے ساقط ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی بھی اس کو ادا نہیں کرتا تو تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔ قاضی ابویعلیٰؒ لکھتے ہیں:

" وهی فرض علىٰ الكفاية ."(۹۲)

''یہ (خلافت کا قیام) فرض کفایہ ہے۔''

امام الماوردیؒ لکھتے ہیں:

" فاذا ثبت وجوبها ففرضها على الكفاية كا لجهاد وطلب العلم ."(۹۳)

''جب امامت کا وجوب ثابت ہو چکا تو یہ فرضِ کفایہ ہے جہاد اور طلبِ علم کی طرح۔''

امام نووی لکھتے ہیں:

" تولى الامامة فرض كفاية ."(۹۴)

''امامت کی ذمہ داری سنبھالنا فرضِ کفایہ ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

" واجب بالکفایہ است بر مسلمین الیٰ یوم القیامہ نصب خلیفہ مستجمع شروط بچند وجوہ۔"(۹۵)

''مسلمانوں پر جامع الشروط خلیفہ کا تقرر قیامت تک فرض کفایہ ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔''

علماء اصول کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ فرض کفایہ مقرر مدت میں ادا نہ کیا جائے تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے خلافت کا قیام ابتداً فرض کفایہ ہے، لیکن اگر مقررہ مدت (تین دن) کے اندر کچھ لوگ (جو اس کے مکلّف ہیں) اسے ادا نہ کریں گے تو فرض عین ہو جائے گا۔ جیسے جہاد ابتداً فرض کفایہ ہے، لیکن مقررہ مدت میں کچھ لوگ (جو اس کے مکلّف ہیں) اسے ادا نہ کریں تو فرض عین ہو جاتا ہے اور جب تک اسے ادا نہ کیا جائے سب لوگ گناہگار رہوتے ہیں۔ نماز جنازہ فرضِ کفایہ ہے، لیکن مقررہ مدت میں کچھ لوگ

اسے ادا نہ کریں تو فرض عین ہو جاتا ہے اور تمام لوگ گناہگار ہوتے ہیں۔ امام الحرمین لکھتے ہیں:

" ولو فرض تعطيل فرض من فروض الكفايات لعم المأثم على الكافة على اختلاف الرتب و الدرجات ...... ثم مايقضى عليه بانه من فروض الكفايات قديتعين على بعض الناس فى بعض الاوقات فان من مات رفيقه فى طريقه ولم يحضر موتهُ غيره تعين عليه القيام بغسله ودفنه وتكفينه ."(٩٦)

''اگر بالفرض فروضِ کفایہ میں سے کوئی فرضِ کفایہ معطل ہو جائے تو تمام لوگ حسب مراتب گناہگار ہوں گے......فروض کفایہ بعض اوقات، بعض لوگوں پر فرض عین ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ جس شخص کا شریک سفر راستے میں فوت ہو جائے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تو اس پر اس کے غسل، تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے۔''

بیسویں صدی عیسوی کے پہلے ربع میں خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد سے آج تک نظامِ خلافت معطل ہے اور خلیفہ کا تقرر نہیں ہو سکا ہے۔ مذکورہ دلائل کی روشنی میں نظامِ خلافت کا احیاء اور خلیفہ کا تقرر اس وقت سے آج تک فرضِ عین ہے جس کا جلد از جلد ادا کرنا تمام مسلمانوں کے ذمہ باقی ہے۔

بحثِ ثالث

فرضیتِ خلافت کی میعاد

تیسری بحث فرضیتِ خلافت کی ادائیگی کی میعاد سے متعلق ہے۔یعنی کتنے وقت میں خلیفہ کا تقرر کیا جا سکتا ہے؟اس کے متعلق نظامِ خلافت کا یہ اصول ہے کہ زیادہ سے زیادہ تین دن کے اندر خلیفہ کا تقرر ضروری ہے۔حضرت الفاروقؓ نے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ بنائی کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر لیا جائے اور انہیں تین دن کے اندر اندر خلیفہ کے انتخاب کا حکم دیا تھا۔علامہ طبری حضرت الفاروق کا قول نقل کرتے ہیں:

" **فاذا متّ فتشاور وا ثلاثة ايّام ولا ياتينّ اليوم الرابع الا وعليكم امير منكم .**"(۹۷)

''جب میں فوت ہو جاؤں تو تین دن تک مشورہ کرواور اور چوتھا دن نہ آنے پائے کہ تمہارا ایک امیر مقرر ہو۔''

" **وطلحة شريككم فى الأمر فان قدم فى الايام الثلاثة فاحضروه امركم وان مضت الايام الثلاثة قبل قدومه فامضوا امركم .**"(۹۸)

''طلحہ (جو اس وقت موجود نہ تھے) تمہارے معاملے میں شریک ہیں، اگر تین دن کے اندر آ جائیں تو انہیں بھی شریک کر لینا اور اگر ان کے آنے سے پہلے تین دن گزر جائیں تو اس معاملے (خلیفہ کے انتخاب) کو کر گزرنا۔''

حضرت عمرؓ کے حکم پر اس طرح عمل کیا گیا،امام بخاری روایت کرتے ہیں:

" **فلما ولوا عبد الرحمن امرهم فمال الناس على عبد الرحمن حتى ما ارى احدا من الناس يتبع اولئک الرهط ولا يطاء عقبه ومال الناس عبدالرحمن يشاورونه تلک الليالى حتى اذا كانت الليلة التى اصبحنا منها فبايعنا عثمان قال المسور طرقنى عبد الرحمن بعد هجع من الليل فضرب الباب حتى استيقظت فقال اراک نائما فوالله ما اكتحلت هذه الثلث بكثير نوم .**"(۹۹)

''جب عبدالرحمٰن بن عوف ان (چھ حضرات) کے معاملے کے ذمہ دار ہوئے تو لوگوں

نے عبدالرحمٰن کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ میں نے کسی کو ان لوگوں کا پیچھا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ عبدالرحمٰن نے لوگوں سے ان تینوں راتوں میں مشورہ کیا حتیٰ کہ جس صبح ہم نے حضرت عثمان سے بیعت کی اسی رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعد میرا دروازہ کھٹکھٹایا تو میں بیدار ہوا تو انہوں نے کہا کہ آپ سو رہے ہیں اللہ کی قسم! میں ان تینوں راتوں میں زیادہ نہیں سو سکا ہوں۔''

امام ابن حزم الظاہری لکھتے ہیں:

" ولا یجوز التردد بعد موت الامام فی اختیار الامام اکثر من ثلاث ." (۱۰۰)

''امام (خلیفہ) کی وفات کے بعد تین دن سے زیادہ (تذبذب وتاخیر) جائز نہیں ہے۔''

قاضی ابویعلی تو یہاں تک لکھتے ہیں:

" فلاَ یَحِل لاحدِ یومن باِلله والیوم الآخر ان یبیت ولایراہ اماماَ براَ کان او فاجراَ ." (۱۰۱)

''جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ رات بغیر امام کے گزارے چاہے وہ نیک ہو یا بد۔''

خلافتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد آج تک نظامِ خلافت کا قیام ہوا اور نہ خلیفہ کا تقرر ہوا ہے، لہٰذا تب سے آج تک امتِ مسلمہ پر یہ فرض عین باقی ہے اور ایسے ہی فرض ہے جیسے نماز اور روزہ۔

بحثِ رابع

فرضیتِ خلافت کے مکلّف

چوتھی بحث فرضیتِ خلافت کے مکلّفین سے متعلق ہے یعنی اس کی ادائیگی کن لوگوں پر فرض ہے اس فرض کے مکلّف دو گروہ ہیں۔

۱۔ اہل الحل والعقد (شوریٰ)

۲۔ اہل الخلافۃ (یعنی وہ لوگ جو خلیفہ بننے کی اہلیت رکھتے ہیں)۔

شوریٰ پر لازم ہے کہ جیسے ہی خلیفہ فوت یا معزول ہو تین دن کے اندر خلیفہ کا انتخاب کر لے۔ اسی طرح خلافت کی اہلیت رکھنے والے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اہل لوگوں میں سے ایک فرد کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ قاضی ابویعلیٰ لکھتے ہیں:

”وھی فرض علی الکفایة مخاطب بھا طائفتان من الناس احد ھما اھل الاجتھاد حتی یختاروا والثانیة من یوجد فیه شرائط الامامة حتی ینتصب احد ھم للامامة .“ (۱۰۲)

”امامت فرضِ کفایہ ہے۔ اس کے مخاطب دو گروہوں ہیں۔ پہلا اصحاب الرأی (شوریٰ) یہاں تک وہ منتخب کر لیں۔ دوسرے وہ لوگ جن میں امامت کی شرائط پائی جائیں یہاں تک وہ ایک آدمی کو امامت کے لیے مقرر کریں۔“

فرضیت کے مخاطب دو گروہ ہیں یعنی باقی لوگوں کی بنسبت ان پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے اگر مذکورہ دو گروہ اس فرض کو ادا نہیں کرتے تو سب لوگ گناہگار ہوں گے اور سب لوگ اس کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔ فرض کفایہ ہونے کے یہی معنی ہیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

عصرِ حاضر میں فرضیتِ خلافت کے مکلّف عموماً تمام مسلمان اور خصوصاً علماء کرام ہیں کیونکہ نظام خلافت کو علماء ہی زیادہ جاننے والے اور ختم الرسل ﷺ کے وارث ہیں۔ خاتم الانبیاء کے ان ورثاء پر لازم ہے کہ وہ مقصد رسالت ”اظہار دین“ کے حصول اور اسلامی قوانین واحکام کے نفاذ کے لیے اسلامی نظامِ حکومت کو قائم کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کریں۔

حوالہ جات: فرضیتِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
١۔	غیاث الامم فی التیا ث الظلم(المعروف غیاثی)	٢٤
٢۔	الاحکام السلطانیه لابی یعلی	٣
٣۔	الجامع لاحکام القرآن	٢٥١/١
٤۔	شرح النووی للصیحح المسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامر	
٥۔	شرح المقاصد	٢٣٥/٥
٦۔	الفصل	١٤٩/٤
٧۔	مجموعه فتاوٰی لابن تیمیہؒ	٣٩٠/٢٨
٨۔	روح المعانی	٢٢٣/٤
٩۔	الجامع الاحکام القرآن	٢٢٢/٥
١٠۔	شرح العقائد النسفیة صـ ١٥٣ ـ شامی	٢٨٠/٢
١١۔	زادالمسیر	٢٨٤/٣
١٢۔	معالم التنزیل	٢٨٢/٢
١٣۔	روح المعانی	٢٩٧/١٠
١٤۔	التفسیر الکبیر	٤١٢/٨
١٥۔	ایضاً	٤١٣/٨
١٦۔	ازالة الخفاء	٩٤/١
١٧۔	ازالة الخفاء	١٠١/١
١٨۔	زادالمسیر	٣٣٨/١
١٩۔	معالم التنزیل	١٠٣/٢
٢٠۔	تحفۂ خلافت (تفسیر آیاتِ قرآنی)	٥٢٠

۲۱۔ ازالۃ الخفاء ۲۶/۲

۲۲۔ ازالۃ الخفاء ۴۲۷/۱۔۴۲۸

۲۳۔ ازالۃ الخفاء ۳/۱

۲۴۔ ازالۃ الخفاء ۳۸۶/۱

۲۵۔ ازالۃ الخفاء ۲۰/۱

۲۶۔ احکام القرآن للجصاص ۱۱۵/۳

۲۷۔ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ششم ۵۴۲/۱

۲۸۔ التفسیر الکبیر ۳۸۶/۹

۲۹۔ غیاثی ۱۸۲

۳۰۔ اصول الدین ۲۷۲

۳۱۔ شرح المقاصد ۵۳۶/۵۔۵۳۷

۳۲۔ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ششم ۵۴۲/۱

۳۳۔ ازالۃ الخفاء ۲۵/۲

۳۴۔ مجموعہ فتاوٰی لابن تیمیہؒ ۳۹۰/۲۸

۳۵۔ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ششم ۴۰۵/۱

۳۶۔ صحیح المسلم کتاب الامارۃ باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلفاء

۳۷۔ کتاب السنۃ ۵۰۳/۲

۳۸۔ صحیح المسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین

۳۹۔ شرح النووی للصیحح المسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین

۴۰۔ سنن ابی داود کتاب الجھاد باب ۸۷

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ السیاسۃ الشرعیہ ۱۶۱

۴۳۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ کتاب السنة ۵۰۲/۲

۴۶۔ صحیح المسلم کتاب الامارة

۴۷۔ کتاب السنة ۵۰۲/۲

۴۸۔ صحیح المسلم کتاب الامارة

۴۹۔ شرح النووی للصیحح المسلم کتاب الامارة

۵۰۔ صحیح البخاری کتاب الجهاد

۵۱۔ صحیح البخاری کتاب الجهاد

۵۲۔ صحیح البخاری کتاب الجهاد

۵۳۔ الاعتصام بحواله الامامة العظمی ۵۲

۵۴۔ مکتوبات نبویﷺ ۱۵۴

۵۵۔ ازالةالخفاء ۲۸۲/۲

۵۶۔ ازالةالخفاء ۲/۲

۵۷۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب الحاکم یحکم بالقتل

۵۸۔ ازالةالخفاء ۷/۱

۵۹۔ الصواعق المحرقة ۷

۶۰۔ مواقف ...... الرابع بحواله اسلام کاسیاسی نظام

۶۱۔ ازالة الخفاء ۱۳۶/۴

۶۲۔ منهاج السنة ۱۴۶/۱

۶۳۔ ازالة الخفاء ۳۹۶/۱

۶۴۔ الصواعق المحرقة ۷

۶۵۔ الجامع لاحکام القرآن ۲۵۱/۱

۶۶۔ شرح الفقه الاکبر ۱۴۶

۶۷۔ غیاثی

۶۸۔ الفصل ۸۷/۴

۶۹۔ الاحکام السلطانیه للماوردی ۵

٧٠۔ شرح المقاصد ٢٣٥/٥
٧١۔ ایضاً
٧٢۔ الجامع لاحكام القرآن ٢٥٢/١
٧٣۔ السیاسة الشرعیة ١٦١
٧٤۔ الاحكام السلطانیه لابی یعلی ٣
٧٥۔ الاحكام السلطانیه لابی یعلی ٣
٧٦۔ اصول ا لد ین ٢٧١
٧٧۔ المحلی لابن حزم ٣٥/١
٧٨۔ بدائع الصنائع ٢/٧
٧٩۔ ردالمحتار ٢٧٨/٢
٨٠۔ التمهید فی التو حید ١٧٢
٨١۔ روضة الطالبین ٣٦٩/٨
٨٢۔ ازالة الخفاء ١٧/١
٨٣۔ تاریخ دعوت وعزیمت حصه ششم ٥٤٨
٨٤۔ ازالة الخفاء ٢٢٩۔٢٢٨/١
٨٥۔ التفهیمات الالهیه ٢٣٩/١
٨٦۔ الامامة العظمی ٦١
٨٧۔ الامامة العظمی ٦١
٨٨۔ مجموعه فتاویٰ لابن تیمیہؒ ٣٩٥/٣
٨٩۔ مجموعه فتاویٰ لابن تیمیہؒ ٣٩٤/٣
٩٠۔ المفردات لغریب القرآن
٩١۔ الاحكام السلطانیه لابی یعلی ٣
٩٢۔ الاحكام السلطانیه للماوردی ٦
٩٣۔ روضة الطالبین بحواله الامامة العظمی ٤٣/١٥
٩٤۔ ازالة الخفاء ١٧/١

٩٥۔ غیاثی ٣٥٩

٩٦۔ الصحیح البخاری کتاب

٩٧۔ المفردات للراغب الاصفهانی

٩٨۔ تاریخ الطبری بحوالۃ الامامۃ العظمی ٣/٣٩٣

٩٩۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس

١٠٠۔ المحلی لابن حزم ١/٣٥

١٠١۔ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ٧

١٠٢۔ الاحکام السلطانیہ لابی یعلی ٣

بابِ خامس

شرائطِ خلافت

شریعت نے خلیفہ کے تقرر کو فرض قرار دینے کے ساتھ خلیفہ کے لیے کچھ شرائط بھی مقرر کر دی ہیں جن میں واضح کیا گیا ہے کہ منصب خلافت کے لیے کن صلاحیتوں اور اوصاف کا مالک شخص اہل ہو سکتا ہے۔ شریعت نے خلیفہ کے تقرر سے متعلق دو صورتیں اختیار کی ہیں:

پہلی صورت:

صحیح نظام شرعی قائم ہو اور اہل حل وعقد کو خلیفہ کے تقرر کا اختیار حاصل ہو اس صورت میں شریعت نے اس عظیم منصب کے لیے اہلیت وصلاحیت کی وہ تمام شرائط کامل مرتبہ میں لازمی قرار دی ہیں جو اس مرکزی اور اہم ترین منصب کے لیے قدرتی طور پر ہونی چاہئیں۔

دوسری صورت:

خلیفہ کے انتخاب وتقرر کے بارے میں صحیح نظام شرعی قائم نہ ہو یعنی اہل حل وعقد (شوریٰ) کی رائے کو خلیفہ کے تقرر میں کوئی داخل نہ ہو اور محض تسلط وطاقت کی بناء پر کوئی خاندان یا کوئی طاقتور شخص تخت خلافت پر قابض ہو جائے۔ اس صورت میں شرائط خلافت کا حکم پہلی صورت کا نہیں ہے بلکہ اگر منصب خلافت پر قابض شخص میں تمام شرائط خلافت نہ پائی جائیں، لیکن اس کی حکومت جم جائے اور وہ کاروبار خلافت سرانجام دے سکتا ہے تو اسی کو خلیفہ تسلیم کرنا واجب ہے اور منصب خلافت سے متعلق اطاعت وامانت کے شرعی حقوق اسے حاصل ہو جاتے ہیں۔ علامہ قلقشندی لکھتے ہیں:

”فاذا مات الخليفة فتصدى للامامة من جمع شرائطها من غير عهد اليه من الخليفة المتقدم ولا بيعة من اهل الحل و العقد انعقدت امامة لينتظم شمل الامة وتتفق كلمتهم وان لم يكن جامعاً لشرائط الخلافة بان كان فاسقاً او جاهلاً فوجهان لاصحابنا الشافعية اصحهما انعقاد امامته ايضاً.“(۱)

”جب خلیفہ کی وفات ہو جائے اور منصبِ امامت ایسا آدمی سنبھال لے جو جامع شرائطِ خلافت ہے اور اسے پہلے خلیفہ نے ولی عہد بنایا ہے نہ اہل حل وعقد نے اس کی بیعت کی ہے تو اس کی امامت منعقد ہو جائے گی تاکہ امت کا اتحاد منظم اور ان کی اجتماعیت برقرار

رہے۔اگراس میں شرائطِ خلافت نہیں پائی جاتیں،اس طرح کہ فاسق یا جاہل ہے تو ہمارے شوافع کے نزدیک دوصورتیں ہیں،جن میں سے اصح یہ ہے کہ اس کی امامت بھی منعقد ہو جائے گی۔''

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''طریق چہارم استیلاء است چوں خلیفہ بمیر دوشخصے متصدی خلافت ......بغیر بیعت واستخلاف وہمہ را برخود جمع سازد بایتلاف قلوب یا بقہر ونصب قتال خلیفہ شود ولازم گردو برمردمان اتباع فرمان اودرآنچہ موافق شرع باشد۔''[۲]

''چوتھا طریقہ(انعقاد خلافت کا استیلاء (غلبہ) ہے کہ جب خلیفہ فوت ہو جائے اورکوئی شخص (اہل حل وعقد کی) بیعت کے بغیر اور (خلیفہ سابق کے) خلیفہ بنائے بغیر خلافت کو لے لے (قبضہ کرلے) اورسب لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ وجبر سے اپنے ساتھ ملالے(تو یہ شخص) خلیفہ ہوجائے گا اوراس کا جوفرمان (حکم) شریعت کے مواقف ہو گا اس کی اتباع سب لوگوں پرلازم ہوگی۔''

تسلط وغلبہ کی صورت میں دوآراء ہوسکتی ہیں:

ا۔ اگرغالب وقابض کی خلافت کوتسلیم کرلیا جائے تواس سے امت کی جمعیت،جان ومال کا امن،ممالک اسلامیہ کا تحفظ،احکام شرع کا اجراء اوراس طرح کے بے شمار مصالح وفوائد حاصل ہو جاتے ہیں کیونکہ بغیر کسی فتنہ وفساد کے اسلامی حکومت قائم ہوجاتی ہےاورمزید جنگ وجدال،خانہ جنگی، بدامنی اورانتشار کا سدباب ہوجاتا ہےاور پرامن طریقہ سے امورخلافت سرانجام پاتے ہیں،لیکن اس کے ساتھ غیرمستحق کی خلافت سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔

ب۔ اگرغالب کی خلافت تسلیم نہ کی جائے،اس پرخروج کی اجازت دی جائے اوراطاعت کا مستحق صرف اہل اورجامع شرائط خلافت ہی کوقرار دیا جائے تو پھردائمی جنگ وقتال،خانہ جنگی،ہمیشہ کی بدامنی،کبھی نہ ختم ہونے والی طوائف الملوکی،احکام شرع کا تعطل اورامت کی تباہی جیسی بے شمار ہلاکتوں اوربربادیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہےمگراس کے ساتھ یہ امکان بھی ہے کہ ان تباہیوں کے بعد کسی اہل اور جامع الشروط شخص کومسند خلافت پربٹھایا جاسکے۔پہلی صورت میں مصالح وفوائد کا حصول مگرمفاسد کا امکان ہے دوسری صورت میں مفاسد کا وقوع مگرمصالح کا امکان ہے۔شریعت نے مصالح کے وقوع وحصول کوان مصالح کے امکان پرترجیح دی اورپہلی صورت اختیار کی

اور دوسری صورت کا سدباب کر دیا ہے، کیونکہ شریعت کا اصول جلب منفعت اور دفع مفاسد ہے۔ (یعنی ہمیشہ فوائد حاصل کرنا اور نقصانات وخرابیوں کو دور کرنا اوران سے بچنا) اور جہاں منافع مصالح کے ساتھ مفاسد (نقصانات) جمع ہو جائیں تو اسی صورت کو اختیار کیا جاتا ہے جس میں منافع ومصالح زیادہ اور مفاسد ونقصانات کم ہوں۔ نااہل کا خلیفہ بن جانا اگرچہ برائی ہے، لیکن اس سے بڑی برائی یہ ہے کہ اسے خلیفہ تسلیم نہ کر کے ملک وملت کو تباہیوں کی طرف دھکیل دیا جائے۔ شریعت وامت اور ملک کا قیام و بقاء اوران کی حفاظت کلی مصلحت کا حکم رکھتی ہے جبکہ نااہل وغیر جامع الشروط کا خلیفہ بن جانا جزئی فساد ہے اس لیے اسلام نے کلی مصلحت کو جزئی فساد پر مقدم رکھا ہے

شرائطِ خلافت کی تیسری صورت

شرائطِ خلافت سے متعلق مندرجہ بالا دوصورتیں اس وقت تک تھیں جب تک دنیا کے کسی نہ کسی خطہ میں نظام خلافت موجود تھا اور خلیفہ کے تقرر میں دوصورتیں پیش آتی تھیں کہ یا تو اہل حل وعقد (شوریٰ) میں موجود کسی جامع الشروط کو خلیفہ مقرر کرتے یا کوئی شخص اہل حل وعقد کی مشاورت وبیعت اور خلیفہ کے استخلاف کے بغیر منصب خلافت پر قابض ہو جاتا اوراس کی خلافت کو تسلیم کر لیا جاتا تھا، لیکن بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں جب خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا تو تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ وہ لمحہ آیا کہ دنیا کے کسی خط میں بھی نظام خلافت کا وجود باقی نہ رہا۔ امت مسلمہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوئی، اس کا شیرازہ بکھر گیا اور مسلمانوں کا نظامِ جماعت درھم برھم ہو گیا۔ تب سے لے کر آج تک یہ حالت برقرار ہے۔ آج مسئلہ صرف خلیفہ کے تقرر کا ہی نہیں بلکہ نظام خلافت کے قیام کا ہے۔ اسلامی ممالک میں مختلف جماعتیں اس نظام کو قائم کرنے کے لیے کام کر رہی ہیں۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد یہ تیسری صورت پیدا ہوگئی ہے اس صورت میں شرائط خلیفہ کیا ہوں گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نظام خلافت موجود نہیں ہے اور مختلف ممالک میں مختلف جماعتیں اس کے قیام کے لیے کام کر رہی ہیں۔ جس خطہ میں جو جماعت نظام خلافت کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گی وہی جماعت خلیفہ کے تقرر کا استحقاق رکھتی ہے اوراس جماعت کی مجلس شوریٰ اہل حل وعقد کا حکم رکھتی ہے۔ یہ مجلس شوریٰ جس شخص کو منتخب کرے گی وہی خلیفہ بن جائے گا اور مجلس شوریٰ پر لازم ہو گا کہ وہ منصبِ خلافت کی مطلوبہ شرائط کا لحاظ کرے، لیکن تمام شرائط کامل درجے میں ملحوظ رکھنا لازمی نہیں ہے کیونکہ نظامِ خلافت سرے سے موجود ہی نہیں ہے جس میں ان کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

شرائط میں اتفاق واختلاف

اس بحث کا تعلق شرائط خلافت کی پہلی صورت کے ساتھ ہے کہ جب صحیح نظام شرعی قائم ہو اور اہل حل عقد کو تقرر خلیفہ کا اختیار حاصل ہو تو منصب خلافت کے لیے کون سی شرائط ہیں؟ دوسری صورت کہ ''کوئی شخص منصبِ خلافت پر قابض ہو جائے'' خارج از بحث ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''اما آنکہ قرشیت شرط خلافت اختیاریہ است ولیس الکلام فی الخلافۃ الضروریۃ۔''(۳)

''قریشی ہونا یہ اس خلافت کی شرط ہے جو اپنے اختیار سے قائم کی جائے (یعنی خلیفہ کا تقرر اہل حل وعقد کریں) ہماری گفتگو اس خلافت میں نہیں ہے جو بضرورت قائم ہوئی ہو (مثلاً کوئی شخص خود سے خلیفہ بن جائے)۔''

فقہاء کے درمیان شرائط کا اتفاق واختلاف پہلی صورت میں ہے کہ اہل حل وعقد جب خلیفہ منتخب کریں تو اس کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے؟ بعض کے نزدیک چودہ شرائط ہیں بعض کے نزدیک گیارہ اور بعض کے نزدیک چھ یا سات ہیں۔ ان میں سے کچھ شرائط ایسی ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے مثلاً مسلمان، مرد، عاقل، بالغ، آزاد، صحیح الاعضا (متکلم، سمیع، بصیر) عادل۔ کچھ شرائط پر اختلاف ہے مثلاً مجتہد، سیاستدان، قریشی۔ بعض فقہاء تمام شرائط کو ضروری قرار دیتے ہیں اور بعض صرف پہلی سات اتفاقی شرائط کو لازمی گردانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض شرائطِ انعقاد ہیں اور بعض شرائطِ فضیلت پہلی متفقہ سات شرائطِ انعقاد ہیں کیونکہ ان کے بغیر خلافت منعقد ہی نہ ہوگی۔ باقی شرائط فضیلت ہیں کہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ یہ صفات (اجتہاد، سیاست، قریشیت) بھی اس میں پائی جائیں، لیکن اگر ان صفات کا حامل شخص موجود نہیں یا اہل حل وعقد ایسے شخص کو خلیفہ منتخب کریں جس میں یہ صفات نہ پائی جائیں تو وہ بھی خلیفہ بن جائے گا۔

اس سے بھی محقق قول یہ ہے کہ فقہاء کے درمیان حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے اور ان کے اقوال میں تطبیق اس طرح ہے کہ کچھ شرائط فرض کا درجہ رکھتی ہیں جیسے اسلام وعقل۔ بعض وجوب کا درجہ رکھتی ہیں جن کے نہ ہونے سے خلافت میں نقص رہتا ہے اور اپنے اختیار سے ان سے اغماض اور چشم پوشی کرنا درست اور صحیح نہیں ہے جیسے حریت وعدالت۔ بعض وہ ہیں جو مکمل ومتمم ہیں یعنی جو فرض اور جوبی شرائط کی تکمیل وتحسین کرتی ہیں اور ان کے لیے بطور تتمہ وتکملہ ہیں جیسے اجتہاد وغیرہ۔(۴)

امام الحرمینؒ لکھتے ہیں:

" وكـان الـمقصود الاوضح الكفاية وما عداها حكم الاستكمال والتتمة لها ."[۵]

''واضح مقصود (امورِ ریاست کے سرانجام دینے میں) کافی ہونا ہے اور جو (شرائط) اس کے علاوہ ہیں وہ استکمال (مکمل و کامل کرنے) اور تتمہ کا حکم رکھتی ہیں۔''

اس رائے کی مزید تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ امام الحرمین اپنی کتاب " **غياث الامم فی التياث الظلم** " کے رکن اول کے چوتھے باب میں شرائط خلافت ذکر کرنے کے بعد رکن ثانی کے پہلے باب میں ان صفات کا ذکر کرتے ہیں جن کی عدم موجودگی کے باوجود خلافت منعقد ہو جاتی ہے۔ یہ صفات نسب (قریشیت)، اجتہاد اور عدل (تقویٰ) ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ تین شرائط (جن کو خود امام الحرمین شرائط خلافت میں شمار کر چکے ہیں) انعقادِ خلافت کی نہیں بلکہ شرائطِ فضیلت ہیں۔[۶]

شرائطِ خلافت میں اصل الاصول: از روئے قرآن

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مطالبہ پر طالوت کو ان کا حاکم و بادشاہ بنایا اور اس کو حکمران بنانے کی وجہ یہ پیش کی:

﴿ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ﴾ (البقرة : ۲۴۷)

''فرمایا کہ اللہ نے اسے (طالوت کو) تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں وافر حصہ عطا کیا ہے۔''

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"**فتضمنت بيان صفة الامام واحوال الامامة ...... وهذه الاية اصل فيها .**"[۷]

''آیت امام کی صفات اور امامت کے احوال کے بیان کو متضمن ہے......اور یہ آیت (شرائطِ خلافت) کے بارے میں اصول (قاعدہ کلیہ) کا درجہ رکھتی ہے۔''

امام ابوبکر الجصاص الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" **الأية تدل على ان الامامة ليست وراثة لا نكار الله تعالىٰ عليهم ما انكروه من التمليك عليهم من ليس من اهل النبوة ولا الملك وبين ان ذلك مستحق بالعلم والقوة لا بالنسب .**"[۸]

''آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امامت موروثی چیز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا رَد کیا ہے جو کہتے ہیں جو شخص نبی اور بادشاہ کے خاندان سے نہیں وہ امامت کا اہل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ علم اور قوت کے ساتھ اس کا استحقاق حاصل ہوتا ہے نہ کہ نسب کی بنا پر۔''

امام الطبری لکھتے ہیں:

﴿ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَه' مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلَيْمٌ ﴾ : يقول فلا تنكروا يامعشر الملأ من بني اسرائيل ان يبعث الله طالوت ملكاً عليكم وان لم يكن من اهل بيت الملك فان الملك ليس بميراث عن الاباءِ والا سلاف ولكنه بيد الله يعطيه من يشاء من خلقه فلا علىٰ ذٰلك .'' [9]

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے جماعتِ بنی اسرائیل! اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنایا ہے (اگرچہ وہ بادشاہ کے خاندان میں سے نہیں ہیں) تم اس کا انکار نہ کرو، اس لیے کہ بادشاہت آباؤ واجداد کی میراث نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جسے چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں پس تم اس پر نہ کرو۔''

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر سے درجِ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

١۔ یہ آیت شرائط خلافت کے بارے میں اصول کا درجہ رکھتی ہے۔
٢۔ خلافت وامامت موروثی چیز نہیں ہے۔
٣۔ منصب خلافت کا استحقاق علم وقوت کی بنا پر ہے یعنی علم وطاقت بنیادی شروط ہیں۔
٤۔ حسب ونسب کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

معیارِ قیادت از سنت

(١) '' اخرج الحاكم عن ابي اسحٰق قال سالت قثم بن العباس كيف ورث على رسول الله صلے الله عليه وسلم دونكم قال لان كان اولنا به لحوقاً واشدّنا به لزوقاً .'' [10]

''حاکم نے ابواسحٰق سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے قثم بن عباس سے پوچھا

کہ علیؓ کیوں رسول اللہ ﷺ کے وارث (یعنی جانشین) ہوئے اور آپ لوگ نہ ہوئے۔ قثم نے کہا (علی چچا کے بیٹے ہونے کی وجہ سے جانشین نہیں ہوئے بلکہ اس سبب سے) کہ وہ ہم سب سے پہلے رسول ﷺ سے مل گئے تھے اور ہم سب سے زیادہ آپ ﷺ کی معیت و صحبت میں رہتے تھے۔"

(۲) **"عن عمرؓ قال تمیم الداری ما السودد فیکم قال العقل قال صدقت سالت رسول ﷺ کما سالتک فقال لی کما قلتَ ثم قال سالت جبرئیل ما السودد فقال العقل."** (۱۱)

"عمرؓ نے فرمایا کہ انہوں نے فرمایا تمیم داری سے کہ تم میں سرداری (کا معیار) کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ عقل۔ عمرؓ نے کہا کہ تم نے سچ کہا۔ جیسا تم سے سوال کیا ویسا ہی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا تو آپ نے مجھے وہی جواب دیا تھا جو تم نے دیا پھر انہوں نے فرمایا کہ میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ سرداری (کا معیار) کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "عقل"۔"

امام الحرمین لکھتے ہیں:

"ومن تامل ماذکرنا فھم منه ان الصفات المشروطة فی الامام علی ماتقدم وصفھا وان کانت مرعیة فالغرض الاظھر منھا الکفایة والاستقلال بالامرفھذہ الخصلة ھی الاصل." (۱۲)

"جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے جو شخص اس میں غور وفکر کرے گا تو یہ بات سمجھ جائے گا کہ وہ صفات جو امام میں مشروط ہیں، جن کا ذکر ہو چکا ہے، اگرچہ ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے پس ان سے واضح غرض (امور ریاست) میں کافی اور مستقل ہونا (کسی کا محتاج نہ ہونا) ہے پس یہی خوبی اصل کا درجہ رکھتی ہے۔"

شرائط

پہلی شرط: اسلام

پہلی متفقہ شرط یہ ہے کہ خلیفہ مسلمان ہو۔ کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں کسی کافر کو حکمران بنانے اور اسے اقتدار سپرد کرنے کی واضح ممانعت کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ کی حاکمیت اور رسول اللہ ﷺ کی نیابت اور شریعت کی بالادستی خلافت کے بنیادی اصول ہیں۔ کافر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ خاتم النبین ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے۔اسی طرح قوانین شریعت کو بھی بطور قانون ریاست کے تسلیم نہیں کرتا ہے، لہٰذا وہ منصبِ خلافت کا ہرگز اہل نہیں ہے۔
علامہ قلقشدیؒ لکھتے ہیں:

"فلا تنعقد امامة الكافر على اي انواع الكفر اصلياً كان او مرتداً لان المقصود من الامام مراعاة امور المسلمين والقيام بنصرة الدين ومن لا يكون مسلما لا يراعى مصلحة الاسلام والمسلمين ." (۱۳)

"کافر کی امامت منعقد نہ ہوگی چاہے کفر کی کوئی بھی قسم ہو، کفر اصلی ہو یا مرتد ہو گیا ہو اس لیے کہ امام کا مقصود مسلمانوں کے (اجتماعی) امور کی دیکھ بھال اور دین کی نصرت انجام دینا ہے، غیر مسلم اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا لحاظ نہیں کرسکتا۔"

دلائل

کفار اور منافقین کی اطاعت کرنے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾

"اے نبی ﷺ! سے ڈرتے رہیے اور کفار و منافقین کا کہنا نہ مانئے۔اللہ صاحب علم وحکمت ہے۔"

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اَنَّ الآية نَزَلَتْ فی نقْضِ العهدو الْموادَعَةِ ...... ودلّ بقوله ﴿ اِنَّ اللّٰه كَانَ عَليماً حَكيماً ﴾ عَلیٰ اَنّهُ كانَ يَميلُ اليهم استدعاءً لهم الى الاسلام اى لو علم الله عَزّوجلّ اَنّ مَيْلَک اليهم فِيهِ مِنفعةٌ لَمَا نَهاکَ عَنهُ لانّه حكيمٌ ثُمَّ قِيْلَ الخطابُ لهُ ولأمتهِ ." (۱۴)

"یہ آیت (کفار سے) معاہدہ اور صلح ختم کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا قول ﴿ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ ﷺ کفار کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے ان کی طرف میلان رکھتے تھے۔یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپؐ کے

میلان میں کوئی نفع (فائدہ) دیکھتے تو آپ کو اس سے نہ روکتے، اس لیے کہ وہ صاحبِ حکمت ہے۔ بعض کے نزدیک خطاب آپؐ اور امت دونوں کو ہے یعنی اگر آپؐ کے میلان میں کوئی فائدہ ہوتا کہ وہ کفار اسلام قبول کر لیں گے، تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہ روکتے۔''

معلوم ہوا کہ ان کی طرف مائل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لیے ان کفار کی اطاعت نہ کی جائے۔ خطاب آپؐ کو بھی ہے اور اس کے ساتھ تا قیامت آنے والی امت کو بھی ہے کہ وہ کفار و منافقین کی بات ہرگز نہ مانیں اور ان کے ساتھ معاہدہ و صلح نہ کریں (جو معاہدہ یا صلح خلافِ شریعت ہو) چہ جائیکہ ان کو اپنا حکمران بنائیں۔ کافروں کی باتیں اور ان کی آراء قبول کرنے سے بھی منع کر دیا گیا ہے تو ان کو اپنا حاکم کیسا بنایا جا سکتا ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴾

(النساء : ۱۴۱)

''اللہ تعالیٰ کافروں کو مؤمنین کے مقابلہ میں برتری کی ہرگز کوئی راہ نہ دے گا۔''

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" انّ اللّٰہ سُبحانَهُ لا یَجعلُ للکافِرینَ عَلَى المؤمِنینَ سَبیلاً شَرعاً فِانَ وُجدَ فبخلافِ الشَّرع ."[۱۵]

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے کافروں کے لیے مؤمنوں کے اوپر شرعی طور پر کوئی برتری نہیں دی۔ اگر ایسا (وقوعِ پذیر) ہو تو وہ خلافِ شریعت ہے۔''

امام نوویؒ کافر کی امامت کے انعقاد سے متعلق لکھتے ہیں:

" الامامة لا تنعقد لکافر ."[۱۶]

''کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی۔''

اہم سوال اور اس کا جواب

سوال یہ ہے کہ موجودہ دور میں عالمی ادارے (مثلاً اقوامِ متحدہ اور اس کے ذیلی ادارے جن کو عالمگیر حکومت کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ادارے ترقی پذیر (مسلم وغیرہ مسلم) ممالک پر عملاً حکومت کر رہے ہیں۔ ان کے سربراہ اور انتظامیہ کفار ہیں جو کہ اسلامی ممالک میں خلافِ اسلام پالیسیاں نافذ کرتے رہتے ہیں۔ کیا ان کی سربراہی واقتدار تسلیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا خلافت ان کی ماتحتی قبول کر سکتی ہے اور ان کے قوانین کی پابند ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: بالکل واضح ہے (جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے) کہ کافر کا اقتدار واختیار، خواہ کسی نوعیت اور درجے کا ہو، اعلیٰ یا ادنیٰ، بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی بھی صورت میں قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہیں۔ اللہ کا پسندیدہ دین اسلام خودمختار وآزاد ہے جو کسی دوسرے نظام کا اقتدار اور اس کی ماتحتی ہرگز قبول نہیں کرسکتا۔ رفعت وبلندی اسلام کا حق ہے جو اللہ نے اسے عطا کیا ہے:

﴿ وَلاَ تَهِنُوْا وَلاَ تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ﴾
[آل عمران : ۱۳۹]

''اور تم کم ہمت نہ بنو اور غمگین نہ ہو حالانکہ تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم کامل مومن ہو۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے لیے بھیجا ہے، لہٰذا وہ کسی کا مغلوب نہیں ہوسکتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الاسلام يعلو لا يعلىٰ عليه .(۱۷)

''دین اسلام کو رفعت و بلندی حاصل ہے، اس پر (کسی دین کو) رفعت حاصل نہیں ہے۔''

دوسری شرط: مرد

دوسری شرط یہ ہے کہ خلیفہ مرد ہو۔ عورت منصب خلافت کی اہل نہیں ہے کیونکہ امور ریاست کی انجام دہی کے لیے مطلوبہ صفات مرد میں بنسبت عورت کے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ عورت فطرتاً علم، عقل اور جسمانی طور پر کمزور واقع ہوئی ہے اس لیے اسلام نے اس کی طاقت کے مطابق اس پر ذمہ داریاں عائد کی ہیں اور امور ریاست کے انتظام کا بہت بڑا بوجھ اس پر نہیں ڈالا ہے۔ علامہ قلقشندی لکھتے ہیں:

" الاوّل الذكورة فلا تنعقد امامة المرأة ."(۱۸)

''پہلی شرط مرد ہونا ہے، عورت کی امامت منعقد نہیں ہوتی۔''

دلائل ازروئے قرآن

ا اللہ نے مرد کو عورت پر حاکم ونگران مقرر کیا ہے۔

﴿ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَّبِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ﴾ (النساء : ۳۴)

’’مرد عورتوں پر کارفرما و حکمران ہیں اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بعض کو بعض پر بزرگی اور برتری عطا فرمائی ہے اور نیز اس بنا پر کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔‘‘

امام طبری لکھتے ہیں:

’’ یعنی امراء علیها ان تطیعه فیما امرها الله به من طاعته.‘‘[۱۹]

’’یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں کہ اللہ نے ان (عورتوں) کو جن امور میں مرد کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس کی فرمانبرداری کریں۔‘‘

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’ ای لان الرجال افضل من النساء والرجال خیر من المرأة ولهذا کانت النبوة مختصة بالرجال و کذلک الملک الاعظم.‘‘[۲۰]

’’یعنی اس لیے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں اور مرد عورت سے بہتر ہے، اس لیے نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح بادشاہت بھی (مردوں کے ساتھ خاص ہے)۔‘‘

ابواللیث سمرقندیؒ لکھتے ہیں:

’’ ان الرجال لهم فضیلة فی زیادة العقل والتدبیر فجعل لهم حق القیام علیهم بما لهم من زیادة عقل لیس ذلک للنساء.‘‘[۲۱]

’’مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے عقل اور تدبیر (حسن انتظام) ان میں زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر نگرانی کا حق دیا گیا ہے، کیونکہ انہیں عورتوں کی بنسبت زیادہ عقل حاصل ہے۔‘‘

ب۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام مرد بھیجے ہیں کسی عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا گیا ہے۔

﴿ وَمَا أَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ إِلَّا رِجَالاً نُّوۡحِیۡ إِلَیۡهِمۡ مِنۡ أَهۡلِ الۡقُرٰی ﴾
(یوسف : ۱۰۹)

’’اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستیوں کے رہنے والوں میں سے جس قدر پیغمبر بھیجے وہ سب مرد ہی ہوتے تھے۔‘‘

امام ابن جوزی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"وقال الحسن لم يبعث الله نبياً من اهل البادية ولا من الجن ولا من النساء ."[22]

""حسن کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی دیہاتی، جن اور عورتوں میں سے نبی مبعوث نہیں کیا۔"

از روئے سنت

ا۔ رسول اللہ ﷺ نے عورت کی سربراہی کو "حکمرانی" اقوام کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لن يفلح قوم ولو امرهم امرأة ."[23]

""جس قوم نے عورت کو اپنا حکمران بنایا وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی۔"

ب۔ رسول ﷺ نے اپنے آخری ایام مبارکہ میں نماز کی امامت کے لیے حضرت ابوبکر الصدیق کو مقرر فرمایا جو کہ امامت صغریٰ ہے اور کسی عورت کو مقرر نہیں کیا۔ آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ نے امامت صغریٰ پر امامت کبریٰ (خلافت) کو قیاس کرتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ پس عورت اگر امامت صغریٰ کی اہل نہیں ہے تو امامت کبریٰ (خلافت) کی بطریق اولیٰ اہل نہ ہوگی۔

ج۔ رسول ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں جو امراء اور والی مقرر فرمائے وہ تمام مرد تھے آپ نے کسی عورت کا تقرر نہیں فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی بار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل، ابوموسیٰ الاشعری، علی بن ابی طالب اور دیگر کئی صحابہ کرامؓ کو امیر اور والی بنایا۔"[24]

خلفائے راشدین کا طرزِ عمل

خلیفہ اوّل حضرت الصدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو ولی عہد بنایا اور حضرت عمرؓ نے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ بنائی اور اس میں کسی عورت کو شامل نہیں کیا۔

اجماع

ا۔ تمام آئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ خلیفہ مرد ہو۔ عورت خلافت کی اہلیت نہیں رکھتی ہے۔ جیسا کہ ہم شرح الفقہ الاکبر کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

ب۔ عورت عقل و دین میں ناقص (کمزور) ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ الدھلویؒ اس شرط پر

تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زیرا کہ امراۃ ناقص العقل والدین است و در جنگ و پیکار بیکار و قابل حضور محافل و مجالس نے پس از وے کارہائے مطلوب نہ برآید۔''(۲۵)

''اس لئے کہ عورت عقل و دین میں ناقص (کمزور) ہوتی ہے اور میدانِ جنگ کے لیے بیکار ہوتی ہے اور محفلوں و مجالس میں جانے کے قابل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے خلافت کے کام پورے نہیں ہو سکتے۔''

فقہی احکام کے لحاظ سے دیکھا جائے تو درجِ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(۱) شہادت (گواہی) میں دو عورتیں ایک مرد کی قائم مقام ہوتی ہیں۔

(۲) میراث میں عورت کو مرد کا نصف ملتا ہے۔

(۳) جمعہ، عیدین، اذان، خطبہ، جماعت وغیرہ اس پر واجب نہیں ہیں۔

(٤) نکاح کی ملکیت اور طلاق کا اختیار عورت کو حاصل نہیں ہے۔

عقلی دلائل

ا۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عقل، علم، حلم، فہم، قوت نظریہ، قوت عملیہ، قوت جسمانیہ جیسی صفات عورتوں کی بنسبت زیادہ عطا کی ہیں۔

ب۔ جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور ظاہر ہے کہ کمزور و ناتواں کو طاقتور اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کر سکتا ہے۔

ج۔ امور ریاست کا انتظام اور ریاست و حکومت کی بقاء کے اقدامات مرد ہی بہتر طریقے پر سرانجام دے سکتے ہیں۔

د۔ تمام خلفائے اسلام مرد تھے اور ہر دور میں مرد ہی والی اور امراء بنائے گئے اور کسی عورت کو ریاستی امور سپرد نہیں کیے گئے۔

س۔ تمام ادیان و اقوام کا اس پر اتفاق ہے کہ حکمرانی کا اہل مرد ہے اور عورت اس عظیم منصب کی اہلیت نہیں رکھتی ہے۔

تیسری اور چوتھی شرط: عاقل و بالغ

تیسری اور چوتھی شرط یہ ہے کہ خلیفہ عاقل و بالغ ہو۔ فاتر العقل، پاگل اور نابالغ بچہ حکمرانی جیسی اہم ذمہ داری کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ مجنون و نابالغ بچہ اپنے ذاتی امور کو سرانجام نہیں دے سکتا ہے تو

پوری امت کے اجتماعی امور کا اہل کس طرح ہو سکتا ہے؟

دلائل از روئے قرآن

۱۔ مجنون بالغ و نابالغ بچے اپنے ذاتی معاملات میں تصرف کرنے سے شرعاً روک دیے گئے ہیں:

﴿ وَلاَ تُؤْتُوا السُّفَهَاء أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَمًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلاً مَعْرُوفًا ﴾

(النساء : ۵)

''اور سرپرستو! تم اپنے وہ مال جن مالوں کو اللہ تعالیٰ نے تم سب لوگوں کے گزارے کا سبب بنایا ہے بے وقوف اور ناسمجھ یتیموں کے سپرد نہ کرو۔ البتہ ان مالوں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور انہیں قولِ معروف کہتے رہو۔''

مندرجہ بالا آیت نقل کرنے کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ لکھتے ہیں:

''چوں بر مال خود قادر نباشد بر اموال و رقاب مسلمین البتہ تسلط ایشاں صحیح نباشد۔''(۲۶)

''جب یہ لوگ اپنے مال پر (تصرف کی) قدرت نہیں رکھتے تو مسلمانوں کے جان و مال پر بدرجہ اولیٰ ان کا تسلط صحیح نہ ہوگا۔''

۲۔ بے وقوف، کمزور (بچہ) اور جاہل معاملات خود سے نہیں کرتے بلکہ ان کا ولی ان کی طرف سے یہ امور سرانجام دیتا ہے۔

﴿ فَإِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا أَوْ ضَعِيْفًا أَوْلاَ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّه' بِالْعَدْلِ ﴾(البقرة : ۲۸۲)

''پھر اگر وہ مدیون (مقروض) کم عقل یا کمزور ہو یا دستاویز بتانے اور لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس مدیون کا مختار کار انصاف کے ساتھ لکھوا دے۔''

دلائل از روئے سنت

۱۔ فاتر العقل کو تجارت سے منع کر دیا گیا ہے۔ امام ابوداؤد انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں:

'' ان رجلا علی عهد رسول ﷺ كان يبتاع وفي عقدته ضعف

فاتی اھلہ نبی اللہ ﷺ فقالو یا نبی اللہ احجر علیٰ فلان فانہ یبتاع وفی عقدتہ ضعفٌ فدعاہ النبی ﷺ فنھاہ عن البیع."(۲۷)

''ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خرید وفروخت کیا کرتا تھا اس کی خرید وفروخت میں کمزوری تھی (یعنی زیادہ سمجھ بوجھ نہ تھی) اس کے گھر والے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ فلاں پر پابندی عائد کر دیجیے کیونکہ وہ خرید وفروخت کرتا ہے اور اس کے عقد بیع میں کمزوری ہے۔ آپ ﷺ نے اسے بلوایا اور اسے خرید وفروخت سے منع کر دیا۔''

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی بیعت نہیں لی ہے، امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن ھشام وکان قد ادرک النبی ﷺ وذھبت بہ امہ زینب بنت حمیدالی رسول اللہ ﷺ فقالت یا رسول اللہ بایعہ فقال رسول اللہ ﷺ ھو صغیر فمسح راسہ ودعا لہ."(۲۸)

''عبد اللہ بن ہشام (جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا) سے روایت ہے کہ ان کی والدہ زینب بنت حمید انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اسے بیعت کر لیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بچہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے دعا فرمائی۔''

۳۔ شریعت نے تین اشخاص کو مواخذہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جبکہ منصب خلافت (خلیفہ) قابل احتساب ومواخذہ ہے۔

" عن علی بن ابی طالب ان رسول ﷺ قال : رفع القلم عن الصبی حتی یبلغ وعن النائم حتیٰ یستیقظ وعن المعتوہ حتی یبرأ."(۲۹)

''حضرت علی ابن ابی طالب سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بچے سے قلم اٹھالیا گیا (مکلّف نہیں ہے) یہاں تک بالغ ہو جائے۔ نیند کرنے والا (مکلّف نہیں ہے) یہاں تک کہ بیدار ہو جائے اور پاگل (مکلّف نہیں ہے) یہاں تک کہ شفایاب ہو جائے۔''

٤۔ مجنون اور نابالغ بچہ عقل، علم، قوتِ عمل اور جسم میں کمزور ہوتے ہیں جبکہ امور ریاست کی

انجام دہی کے لیے اعلیٰ درجے کی ذہانت، علم میں پختگی اور مضبوط قوائے عملی وجسمانی ناگزیر ہیں پس ناقص صفات کا حامل شخص امامت وخلافت جیسی اہم ذمہ داری کا متحمل نہیں ہوسکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ الدہلویؒ لکھتے ہیں:

''وازاں جملہ آن ست کہ عاقل و بالغ باشد زیرا کہ مجنون وسفیر وصبی مجورند از تصرفات جزئیہ خویش۔''(۳۰)

''منصبِ خلافت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ خلیفہ عاقل، بالغ ہو کیونکہ مجنون، بیوقوف اور نابالغ بچے اپنے (ذاتی) معاملات میں تصرف کرنے سے شرعی طور پر روک دیے گئے ہیں۔''

۵۔ مجنون و نابالغ بچہ خود دوسروں کے ماتحت اور نگرانی میں ہوتا ہے۔ ذاتی طور پر ماتحت رہنے والا شخص پوری امت کا حاکم ونگران کیونکر بن سکتا ہے۔

٦۔ شریعت نے مجنون اور بچے کو ذاتی وانفرادی طور پر مکلّف نہیں بنایا ہے تو اسے پوری امت کے اجتماعی معاملات کا مکلّف کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟

تاریخ

۱۔ بیشتر اقوام اور ملتیں اس بات پر متفق ہیں کہ مجنون و بچہ منصبِ حکومت کا اہل نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ ریاستی امور کی انجام دہی سے قاصر ہیں اور نظامِ حکومت کی بھاری ذمہ داری کو وہ نہیں سنبھال سکتے۔

۲۔ ریاستوں کی تاریخ سے ثابت ہے کہ مجنون و بچہ کو حکمران نہیں بنایا جاتا ہے اور بنانے کی صورت میں ریاستیں بربادی کا شکار ہوئی ہیں۔

پانچویں شرط: متکلم، سمیع وبصیر

پانچویں شرط ہے کہ خلیفہ متکلم، سمیع، بصیر (بولنے، سننے اور دیکھنے کی صفات کے ساتھ موصوف) ہو۔ گونگا، بہرا اور اندھا منصبِ خلافت کا اہل نہیں ہے۔ گونگا، بہرا اور اندھا اپنے ذاتی امور بھی انجام نہیں دے سکتے ہیں تو پوری امت کے اجتماعی امور سے کیونکر عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔

دلائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کفار سے بسبب ان کے کفر کے، نورِ قلب ونظر چھین لیا اور ان کو گمراہی کی تاریکیوں میں دھکیل دیا گیا ہے اور ان کے کفر وشرک اور گمراہی کو اندھے بہرے اور گونگے پن سے تشبیہ

دی ہے۔

﴿ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴾ (البقرة : ۱۷.۱۸)

''اللہ نے ان کی روشنی زائل کر دی اور ان کو سخت اندھیروں میں اس طرح چھوڑ دیا کہ وہ کچھ نہیں دیکھتے وہ بہرے گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ واپس نہیں ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے کفار اور مسلمانوں کا موازنہ اس طرح کیا ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا أَوْلِیٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ إِلَى الظُّلُمٰتِ أُوْلٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

(البقرة : ۲۵۷)

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو اہل ایمان ہیں ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ منکر ہیں ان کے دوست شیاطین ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں یہ سب لوگ اہل دوزخ ہیں اور وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گونگا، بہرا، اندھا ہونا گمراہی کی علامت ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک عموماً اپنے برگزیدہ بندوں کو ظاہری و باطنی عیوب سے محفوظ رکھتے اور انہیں بصیرت کے ساتھ بصارت بھی عنایت کرتے ہیں اسی طرح انہیں کلام وسماع یعنی بولنے اور سننے کی صفات بھی عطا کرتے ہیں، لہٰذا پوری امت پر حاکمیت کا اہم منصب خلافت وامامت بھی ان عیوب ظاہری سے پاک ہوتا کہ عوام اس کی امامت پر معترض نہ ہوں۔

۲۔ حضرت الصدیقؓ کو اہل الحل والعقد (صحابہ کرامؓ) نے منتخب کیا، حضرت الصدیق نے حضرت عمرؓ کو ولی عہد بنایا اور حضرت عمرؓ نے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ بنائی یہ تمام حضرات متکلم وسمیع و بصیر تھے۔

۳۔ امام الحرمین لکھتے ہیں:

'' فامّا البصر فلا خلاف فی اشتراطه لان فقده مانع الانتهاض فی الملمات والحقوق ...... الاعمٰی لیس له استقلال بما یحصل من

الاشغال فكيف يتاتى منه تطوق عظائم الاعمال؟ ...... فالاصم الاصلم الذى عسر جداًسماعه لايصلح لهذا المنصب العظيم ...... ومما يلتحق بما ذكرناه نطق اللسان فالاخرس لايصلح لهذا الشان .''[31]

''بصارت (دیکھنے کی صلاحیت) کے شرط ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا فقدان اور حقوق کی انجام دہی میں رکاوٹ ہے۔ نابینا اپنے معاملات کو بذاتِ خود انجام نہیں دے سکتا ہے تو وہ (ریاست کے) بڑے بڑے امور کو کیسے انجام دے سکتا ہے۔ بہرا اور کان کٹا جس کا سننا بہت مشکل ہو، اس عظیم منصب کا اہل نہیں ہے۔ انہی شرائط میں تکلم (بولنا) بھی شامل ہے کیونکہ گونگا اس منصب کا اہل نہیں ہے۔''

٤۔ حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

''ازاں جملہ آنست کہ متکلم وسمیع بصیر باشد زیرا کہ لازم است بر خلیفہ حکم کردن بوجھے کہ در مقصد اور اشتباہ واقع نشود و معرفت مدعی و مدعیٰ علیہ و مقر و مقر لہ و شاہد و مشہود'' واستماع کلام این جماعہ، واجب است بروے تولیت قضاۃ امصار و نصب عمال وامر کردن مرجیوش را بآنچہ در جہاد پیش آید وایں ہمہ بدون سلامت اعضاء متحقق نباشد و مقدمہ واجب واجب است۔''[32]

''منجملہ شروط خلافت کے یہ ہے کہ خلیفہ متکلم، سمیع اور بصیر ہو۔ کیونکہ خلیفہ پر لازم ہے کہ ایسا صاف حکم دے کہ اس کا مقصد سمجھنے میں اشتباہ نہ ہو۔ نیز ضروری ہے کہ مدعی و مدعیٰ علیہ مقر و مقر لہ اور شاہد و مشہود علیہ کو پہچانے اور ان کے بیان کو سنے۔ اسی طرح اس پر شہروں میں قاضیوں اور حکام (نائبین) کا تقرر اور افواج کو میدان جنگ (جہاد) میں رہنمائی کرنا لازم ہے اور یہ تمام امور اعضاء مذکورہ کی سلامتی کے بغیر انجام نہیں پاتے۔ (مذکور ہو چکا ہے) کہ فرض کفایہ جس چیز پر موقوف ہو وہ چیز بھی فرض کفایہ ہوتی ہے۔''

فقہی احکام کے لحاظ سے درجِ ذیل امور ملاحظہ ہوں:

١۔ اگر اندھا، گونگا، بہرا قاضی نہیں بن سکتا ہے جیسا کہ آئمہ کا متفقہ اصول ہے تو خلافت جو اس سے بڑا منصب ہے، اس کا بطریق اولیٰ اہل نہ ہوگا۔

٢۔ خطبہ جمعہ وعیدین وخطبہ یوم عرفہ خلیفۃ المسلمین بذات خود دیتا ہے۔ (عذر کی بنا پر نائب بھی دے سکتا ہے) اسی طرح مجالس حکومت (مجلس شوریٰ ومجلس عمومی وغیرہ) اور عوام سے

خطاب یا کوئی حکم نامہ سنانا لازمی امور ہیں جن کے لیے متکلم ہونا ناگزیر ہے۔

۳۔ اس کے علاوہ یہ کہ اندھا، گونگا اور بہرا اگر اپنے انفرادی امور کو بذات خود انجام نہیں دے سکتا ہے تو اجتماعی امور کو کیونکر سر انجام دے سکتا ہے۔

٤۔ دوسروں کا محتاج پوری امت کی نگہبانی کا متحمل نہیں ہوسکتا ہے۔

چھٹی شرط: حر(آزاد)

چھٹی شرط یہ ہے کہ خلیفہ آزاد (شہری) ہو۔ کسی غلام کو خلیفہ نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ عصر حاضر میں غلامی کی روایت ختم ہوچکی ہے، لیکن آزاد شہریت کی شرط کی پابندی لازمی امر ہے۔

دلائل

ا . ﴿ وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ ﴾

(البقرة : ۲۸۲)

''اور تم اپنے مردوں میں سے دو شاہدوں کو گواہ کرلیا کرو۔''

امام ابواللیث سمرقندی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" یعنی من اهل دینکم من الاحرار البالغین ."(۳۳)

''یعنی تم اپنے اہل دین میں سے آزاد اور بالغ (مردوں کو گواہ بناؤ)''

۲۔ آئمہ کا اجماع ہے کہ غلام کی شہادت جائز نہیں ہے۔ امام قرطبی لکھتے ہیں:

" وقال مالک وابو حنيفة والشافعی وجمهور العلماء لاتجوز شهادة العبد ."(۳۴)

''امام مالک، امام ابوحنیفہ، شافعی اور جمہور علماء کا کہنا ہے کہ غلام کی شہادت جائز نہیں ہے۔''

جب غلام کی شہادت مقبول نہیں ہے تو اسے منصب خلافت بھی سپرد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ غلام قاضی نہیں بن سکتا ہے اور اس کا اہل نہیں ہے تو منصب خلافت کا بطریق اولیٰ اہل نہ ہوگا۔

٤۔ غلام پر آقا کی طرف سے معاملات انجام دینے پر پابندی ہوتی ہے۔ علامہ قلقشندیؒ لکھتے ہیں:

" فلا تنعقد امامة من فيه رق فی الجملة سواء القن والمبعض

والمكاتب والمدبر والمعلق عتقه بصفة لان الرقيض محجور للسد فامورهُ تصدرُ عن رائی غيره فكيف يصلح لولاية امور الامة؟ ''[۳۵]

''فی الجملہ غلام کی امامت منعقد نہیں ہوتی ہے چاہے کامل غلام ہو یا جزوی، مکاتب ہو یا مدبر یا اس کی آزادی کسی صفت کے ساتھ معلق ہو، اس لیے کہ غلام پر آقا کی طرف سے (معاملات کرنے پر) رکاوٹ ہوتی ہو۔اس کے امور دوسرے (آقا) کی رائے سے انجام پاتے ہیں پس وہ امت کے امور کی ولایت کا کس طرح اہل ہوسکتا ہے؟''

۵۔ غلام اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہوتا ہے۔اس سے ریاستی امور کی انجام دہی نہیں ہوسکتی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

'' ازاں جمله آسنت كه حرباشد زيراكه عبدقابل شهادت درخصومات نيسب وبنظر مردم حقير و مهمان و واجب است بروے مشغول بودن بخدمت سيد خود .''[۳۶]

''(منصبِ خلافت کی) ایک شرط یہ ہے کہ (خلیفہ) آزاد ہو (نہ کہ غلام) کیونکہ غلام مقدمات میں گواہی دینے کے قابل نہیں ہے اور تمام لوگوں کی نظر میں حقیر و ذلیل ہوتا ہے اور اس پر اپنے آقا کی خدمت میں مشغول رہنا واجب ہے۔

٦۔ غلام اپنے آقا کا محکوم ہوتا ہے۔محکوم پوری امت پر حاکمیت کا اہل نہیں ہوتا ہے۔

سوال اور اس کا جواب:

سوال یہ ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ صاحبِ حکم کا حکم سنو اور اطاعت کرو اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو حکمران بنایا جا سکتا ہے جبکہ خلیفہ کے لیے آزاد ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حبشی غلام سے مراد حقیقی غلام نہیں ہے بلکہ وہ آدمی جو پہلے غلام تھا، پھر آزاد کر دیا گیا جیسا کہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

'' يَحتَملُ يسمیٰ عَبُداً باعتبار مَاكَانَ قَبُلَ العِتقِ .''[۳۷]

''یہ احتمال ہے کہ اسے غلام اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ پہلے غلام تھا۔''

مندرجہ بالا ارشادِ نبوی کا مقصد یہ ہے کہ حکمران کی اطاعت فرض ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ چاہے وہ آزاد ہو یا نو آزاد۔اس میں اطاعتِ امیر کے بارے میں مبالغہ ہے۔اس کے علاوہ غلام آزاد ہونے کے بعد عام مسلمان شہری کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور وہ منصبِ خلافت کا اتنا ہی اہل ہے جتنا کہ کوئی

دوسرا مسلمان۔

عصرِ حاضر میں غلامی کی جدید شکل

موجودہ زمانے میں غلامی کی قدیم صورت کی جگہ جدید شکل نے لے لی ہے۔اس طرح کہ بظاہر جسمانی غلامی تو موجود نہیں لیکن فکری ونظریاتی، سیاسی، عسکری اور اقتصادی غلامی کا دور دورہ ہے۔ بیشتر ترقی پذیر ممالک مذکورہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مغرب وامریکہ کے سامنے بے دست و پا اور بے حس و بے حرکت ہیں۔ پھر مسلم ممالک کے حکمرانوں اور مقتدر طبقے کے غلامانہ افکار ونظریات اور اعمال واقدامات تو مسلمان عوام پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ یہ بے دام غلام امریکہ و یورپ کے کون سے حکم کی تعمیل نہیں کرتے اور ان کی کون سے خدمت بجا نہیں لاتے؟ بلکہ اس فدویانہ طرزِ عمل میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور اپنے اخلاص کا ثبوت پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ کیا یہ بندگانِ سیم و زر مسندِ اقتدار پر براجمان ہونے کے اہل ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہر گز نہیں۔ جن کا قبلہ کعبۃ اللہ کی بجائے واشنگٹن ہو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ کبھی نہیں ہو سکتے۔ جن کا مقصدِ زندگی چند ڈالروں کے بدلے میں اسلام اور دینی طبقے کو ختم کرنا ہو وہ منصبِ خلافت کے اہل کیونکر ہو سکتے ہیں۔ جن کا مطمحِ نظر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا اور اسے طول دینا ہو چاہے اس کے لیے انہیں اپنا ملک ہی کیوں نہ داؤ پر لگانا پڑے، وہ مسلمان عوام اور اسلامی ریاست پر حکمرانی اور اقتدار کے قطعاً اہل نہیں ہیں بلکہ اس وقت ان کو ایوانِ اقتدار سے نکال باہر کرنا اور اسلامی نظام کا نفاذ تمام مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے، جس کی ادائیگی ان پر لازم ہے۔

ساتویں شرط: عادل

ساتویں شرط یہ ہے کہ خلیفہ عادل ہو یعنی کبائر سے بچنے والا اور صغائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو۔ فاسق منصبِ خلافت کا اہل نہیں ہے۔

دلائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فاسق کو منصب خلافت کے لیے نا اہل قرار دیا ہے۔

﴿ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴾ (البقرۃ)

''میں نے تمہیں لوگوں کا پیشوا بنایا ہے، عرض کیا اور میری اولاد کو بھی۔ فرمایا کہ ظالموں

کے لیے میرا کوئی عہد نہیں۔"

ابوبکر الجصاص الحنفی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

" فَلَا یَجُوزُ الظَالِمُ نبیاًوَلَا خَلِیفَۃُ لِبَنی وَلَا قَاضِیاً وَلَا منُ یَّلْزِمُ النّاسُ قبولُ قَوْلِہٖ فی امور الدین من مفتٍ اوشاھد اومخبر عن النبی ﷺ خبراً فقد افادت الایۃ ان شرط جمیع من کان فی محل الأ تمام بہٖ فی امر الدین العدالۃ والصلاح ."[۳۸]

"یہ جائز نہیں کہ ظالم، نبی یا نبی کا خلیفہ یا قاضی ہو اور نہ یہ کہ وہ ایسے مرتبہ پر ہو کہ لوگوں کو امور دین (دینی معاملات) میں اس کی بات قبول کرنا لازمی ہو جیسے مفتی، گواہ یا راوی۔ اس آیت سے یہ فائدہ معلوم ہوا کہ ہر وہ منصب جس میں دینی معاملہ میں کسی شخص کی اقتداء کی جائے، اس کی شرط عدالت (عادل ہونا) اور صلاح (نیک ہونا) ہے۔"

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

" فثبت بدلالۃ ھٰذہ الایۃ بطلانُ امامۃ الفاسق وانہ لا یکون خلیفۃً ."[۳۹]

"اس آیت سے دلالۃً ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کی امامت باطل ہے اور یہ کہ وہ خلیفہ نہیں بن سکتا ہے۔"

۲۔ اللہ تعالیٰ نے عادل لوگوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے۔

﴿ فَإِنْ لَمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّھَدَاءِ ﴾ (البقرۃ : ۲۸۲)

"اگر دو مرد نہ ہوں تو تمہارے پسندیدہ لوگوں میں سے ایک مرد ایک دو عورتیں ہو۔"

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" مرضی بودن مفسّر است بعدالت ومروت ."[۴۰]

"گواہ کے پسندیدہ ہونے کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ عادل اور صاحب مروت ہو۔"

جب گواہ کے لیے عادل ہونا شرط ہے تو امامت جو کہ عظیم منصب ہے اس کے لیے عادل ہونا بطریق اولیٰ شرط ہوگا۔ اسی طرح قاضی اور راوی حدیث کے لیے عادل ہونا شرط ہے، تو خلیفہ کے لیے عادل ہونا بطریق اولیٰ شرط ہوگا۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"وازاں جملہ آنست کہ عدل باشد یعنی مجتنب از کبائر غیر مصر بر صغائر۔"[۴۱]

''جملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ خلیفہ عادل ہو یعنی کبائر سے بچنے والا اور صغائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو۔''

امام ابوشتابی الأبی، امام الآمدی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

'' الرابع ان یکون عدلاً ثقة ورعاً حتیٰ یوثق بما یصدر عنه.''(۴۲)

''چوتھی شرط یہ ہے کہ (خلیفہ) عادل ثقہ اور متقی ہو، تاکہ اس سے صادر ہونے والے امور کا اعتماد کیا جاسکے۔''

۳۔ امام قرطبی لکھتے ہیں:

'' الحادی عشر ان یکون عدلاً لانه لا خلاف بین الامة انه لایجوز ان تعقد الامامة لفاسق .''(۴۳)

''خلیفہ کے لیے گیارہویں شرط یہ ہے کہ وہ عدل (عادل) ہو، اس لیے کہ امت میں اس پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ فاسق کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔''

٤۔ جو شخص نفسانی خواہشات پر کنٹرول نہیں کرسکتا ہے اور اپنی ذات میں عادل نہیں تو پوری امت کے اجتماعی امور میں وہ تقویٰ و طہارت اور عدل و انصاف سے کیسے کام لے گا؟ لہٰذا منصبِ خلافت اس کے سپرد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ امام الحرمینؒ عدل کی شرط پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' فاما التقویٰ والورعَ فلا بدّ مِنهُمَا اذا لایوثق بفاسقٍ فی الشهادة علیٰ فلسٍ فکیف یولی امور المسلمین کافة والأب الفاسق مع فرط حدَبه واشفاقهٖ علیٰ ولَده لا یعتمدُ فی مال ولده فکیف یؤتمن فی الامامة العظمیٰ فاسقٌ لایتقی الله ومن لم یقاوم عقلُه هَواهُ ونفسَهُ الامارة بالسوءِ ولَمُ ینتهض رأیهُ بسیاسَةِ نفسِهِ فانّی یَصُلحُ لسیاسةَ خطِة الاسُلام .''(۴۴)

''تقویٰ اور زہد یہ دونوں ضروری ہیں، اس لیے کہ فاسق کو تمام مسلمان کے امور اس کے سپرد کیسے کیے جاسکتے ہیں؟ اور فاسق باوجود یہ کہ اسے اپنی اولاد پر انتہائی شفقت ہوتی ہے، اپنی اولاد کے مال کے تصرف میں معتمد نہیں ہے تو فاسق کو جو اللہ سے نہیں ڈرتا ہے، امامت کا امین کیسے بنایا جاسکتا ہے اور جس شخص کی عقل نفسانی خواہشات اور نفس امارہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور جس کی رائے اپنے ذاتی امور کے نظم و نسق نہیں کرسکتی وہ خطہ اسلام کی

سیاست کا کیسے اہل ہوسکتا ہے؟''

عادل سے مراد جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ لکھتے ہیں:

''وازاں جملہ آنست کہ عدل باشند یعنی مجتنب از کبائر غیر مصر بر صغائر۔''(۴۵)

''(منصبِ خلافت کے لیے) منجملہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ (خلیفہ) عادل ہو یعنی کبائر سے بچنے والا اور صغائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو۔''

عادل سے مراد کبیرہ گناہوں سے بچنے والا اور صغائر پر اصرار نہ کرنے والا ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ کی عبارت سے واضح ہوگیا۔ خلیفہ کے لیے رتبہ ولایت شرط نہیں ہے جیسا کہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

''مراتب ولایت کا ثبوت سرے سے امام کی شرائط میں سے نہیں ہے۔'' (۴۶)

آٹھویں شرط: صاحب الرأی

آٹھویں شرط یہ ہے کہ خلیفہ حکمرانی کی اہلیت رکھتا ہو اور حاکمانہ فطرت کا مالک ہو، انتظامی امور میں مہارت رکھتا ہو۔ داخلہ وخارجہ امور سے کما حقہ واقف ہوتا کہ امور ریاست کو بہتر طور پر سرانجام دے سکے۔ علامہ قلقشندیؒ لکھتے ہیں:

" فلا تنقعد امامة ضعيف الرأى لان الحوادث التى تكون فى دار الاسلام ترفع اليه ولا يتبين له طريق المصلحة الا إذا كان ذا رائ صحيح وتدبير سائغ .(۴۷)

''کمزور رائے رکھنے والے کی امامت منعقد نہ ہوگی کیونکہ دارالاسلام میں پیش آنے والے معاملات اس کو پیش کیے جائیں گے اور درست رائے رکھنے والے اور اچھی تدبیر کرنے کے اہل کے علاوہ کے لیے ان میں صحیح راستہ واضح نہ ہوگا۔''

امام الحرمین لکھتے ہیں:

" فاما الصفة الثالثةُ التى ضمنا ضمها الى الفضائل المكتَبة فهى ضم توقدالرأى فى عظائم المور والنظر فى مغبات العواقب وهذهٖ الصفة ينتجها نحيزة العقل ويهزبها التدرب فى طريق التجارب ."(۴۸)

''تیسری صفت جو فضائل مکتبہ (کسبی صفات) کے ضمن میں آتی ہے۔ وہ بڑے بڑے

امور میں روشن رائے اور مستقبل کے بارے میں دوراندیشی ہے اور یہ صفتِ عقل کا نتیجہ ہے اور تجربات کی مشق اسے مہذب بنادیتی ہے۔''

امام قرطبی شرائط خلافت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' **الثالث ان یکون ذاخبرۃ رائی حصیف بامر الحرب وتدبیر الجیوش وسد الثغور وحمایة البیضة وردع الامة والانتقام من الظالم ولاخذ للمظلوم .''** (۴۹)

'' تیسری شرط یہ ہے کہ (خلیفہ) باخبر ہو اور عسکری امور، افواج کا نظم وضبط، سرحدات کی نگرانی، مرکز (اسلام) کی حفاظت، امت سے (دشمن) کو دور رکھنے، ظالم سے انتقام اور مظلوم کے لیے اس سے مواخذہ کرنے میں پختہ رائے رکھتا ہو۔''

ملاعلی القاری شرح الفقہ الاکبر میں اختلافی شرائط بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

'' **ویشترط ان یکون من اھل الولایة المطلقة الکاملة بان یکون مسلما حراً ذکراً عاقلا بالغاً سائساً بقوة رَأیهٖ ورویته ومعونَة بأُسِهٖ وَشوُکَتِهٖ قَادراً بعلُمِهٖ وَعَدَلَتِه وکِفَایَتِه وشجَاعَتِه عَلیٰ تنفیذ الاَحکامِ وحفُظِ حُدُودِ الاسلام اوانصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم .''** (۵۰)

'' (امام کے لیے) شرط یہ ہے کہ ولایت مطلقہ کاملہ کا اہل ہو، اس طرح کہ مسلمان آزاد، مرد، عاقل، بالغ ہو۔ اپنی رائے اور فکر کی مضبوطی اور قوت وشوکت کی مدد سے منتظم ہو۔ اپنے علم، عدل، کفایت اور شجاعت سے احکام کے نفاذ، اسلام کی سرحدوں کی حفاظت اور مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانے پر قادر ہو۔''

نویں شرط: شجاع

نویں شرط یہ ہے کہ خلیفہ شجاع یعنی بہادر و دلیر ہو۔ کسی بزدل کو مسندِ خلافت پر نہیں بٹھایا جاسکتا ہے۔ مسلمان فطری طور پر بہادر و دلیر ہوتے ہیں تو خلیفہ کو بہت زیادہ بہادر و نڈر ہونا چاہیے۔

۱۔ ﴿ **وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ** ﴾(البقرۃ : ۲۴۷)

''اور علم اور جسم میں ان کو زیادتی دی ہے۔''

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" اي وهو مع هذا اعلم منكم وأنبل واشكل منكم واشد قوة وصبراً في الحرب ومعرفة فيها ."[۵۱]

"یعنی وہ اس کے باوجود تم میں سے زیادہ علم رکھنے والا، زیادہ عقل مند، زیادہ خوش شکل، جنگ میں زبردست قوت اور استقامت کا حامل اور جنگی امور کو زیادہ سمجھنے والا ہے۔"

۲۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

" انما الامام جنة يُقَاتَلُ مِنْ ورائه ويتّقٰى به فان امر بتقوى الله وعدل كان له بذلك اجروان يامر بغيره كان عليه منه ."[۵۲]

"امام ایک ڈھال ہے جس کے بل پر قتال کیا جاتا اور بچاؤ اختیار کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم کرے اور عدل کرے تو اس کے لیے ثواب ہے۔ اگر اس کے علاوہ (غیر شرعی چیز) کا حکم دے تو اس کا وبال خود اسی پر ہے۔"

امام النوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" اى كالستر لانه يمنع العدوّ من اذى المسلمين ويمنع الناس بعضهم من بعض و يحمٰى بيضة الاسلام ويتقيه الناس ويخافون سطوه ومعنى يقاتل من ورائه يقاتل معه الكفار و البغاة والخوارج وسائر اهل الفساد وينصر عليهم ومعنىٰ يتقى به اى يتقى به شرّ العدو شر اهل الفساد و الظلم مطلقاً ."[۵۳]

"یعنی وہ ایک ڈھال کی طرح ہے کیونکہ دشمن کو مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے سے روکتا ہے اور (مسلمانوں) کا دوسرے (مسلمانوں) سے دفاع کرتا ہے۔ مرکزِ اسلام کی حفاظت کرتا ہے۔ لوگ اس سے بچتے اور اس کے رعب سے ڈرتے ہیں۔ یقاتل من وراۂ کا معنی ہے کہ اس کے ساتھ کافروں، باغیوں، خارجیوں کے خلاف قتال کیا جاتا اور ان کے خلاف (خلیفہ کی) نصرت کی جاتی ہے۔ یتقیٰ کا مطلب ہے کہ اس کے ذریعے دشمن اور فسادیوں کے شر اور مطلقاً ظلم سے بچا جاتا ہے۔"

۳۔ ریاستی امور (داخلہ وخارجہ) بغیر شجاعت کے سرانجام نہیں پاتے ہیں اور جہاد جیسے اہم مقصدِ خلافت سے شجاع خلیفہ ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

"وازاں جملہ آں است کہ شجاع باشد وصاحب رای درحرب وسلم وعقد ذمہ وفرض مقاتلہ

وتعیینِ امراء وعمال وصاحبِ کفایت یعنی دعۃ دوست نباشد ونہ کردہ کارکہ خبط کنند درامور ونتواند سرانجام دادن مہمات رازیراکہ جہاد بجز شجاع وصاحب رای وکافی صورت نہ بندد وآں مطلبِ اعظم است ازمطالبِ خلافت۔'' (۵۴)

''منجملہ شرائطِ خلافت میں سے ایک یہ ہے کہ خلیفہ شجاع ہو اور صلح و جنگ اور امان دینے میں مجاہدین کے وظائف مقرر کرنے میں اور سرداروں اور حاکموں کے تقرر کرنے میں صاحب الرای ہو اور کافی ہو یعنی آرام طلب اور ناتجربہ کار نہ ہو کہ انتظام میں خبط کردے اور جنگی ذمہ داریوں کو انجام نہ دے سکے کیونکہ جہاد غیر شجاع، غیر صاحب الرائی اور غیر کافی سے صورت پذیر نہیں ہوسکتا حالانکہ خلافت کے مقاصد میں سے اعلیٰ ترین مقصد جہاد ہے۔''

٤۔ سیاست کے لیے شجاعت ناگزیر ہے، لیکن اسکے ساتھ عقل وفہم بھی ضروری ہے۔امام الحرمینؒ لکھتے ہیں:

" ومما يلتحق بهذا القسم الشجاعة والشهامةوهي خطةعليةولايصلح لايالةطبقات الخلائق وجرالعساكروالمقانب وعليات المناصب جبان خوار ...... ثم الشهامةمرعية مع كمال العقل ولايصلح مقتحم هجام لهذا الشان ." (۵۵)

''اس قسم (لازمی صفات) میں شجاعت وذکاوت (تیز فہم ہونا) داخل ہے اور اور یہ بلند مرتبہ حالت ہے۔مخلوق کے طبقات کی سیاست‘افواج ولشکروں کی کمان اور بلند رتبہ مناصب کا بزدل اور سست وکمزور آدمی اہل نہیں ہے۔ پھر ذکاوت کمالِ عقل کے ساتھ ملحوظ رکھی جاتی ہے اور اس معاملہ (امرِ خلافت) کا بلاسوچے سمجھے کسی معاملہ میں پڑنے والا اور ٹوٹ پڑنے والا اہل نہیں ہے۔''

دسویں شرط: مجتہد

دسویں شرط یہ ہے کہ خلیفہ مجتہد ہو۔یعنی قوانین شریعت کا ماہر ہو۔نظام خلافت جو کہ دین ودنیا کا جامع ہے اس کا سربراہ ایسا شخص ہونا چاہیے جو دینی ودنیاوی علوم میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔

دلائل

۱۔ اللہ تعالیٰ نے عالم وجاہل کو برابر نہیں قرار دیا ہے۔

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾
(الزمر : ٩)

''آپ کہہ دیجیے کہ کیا علم رکھنے والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو حکمرانی کا اہل قرار دیا ہے جو علم میں پختہ اور جسم میں قوی ہو۔

٢۔ ﴿ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ﴾
(البقرۃ : ٢٤٧)

''اور اسے (طالوت کو) علم اور جسامت میں زیادتی دی ہے۔''

٣۔ عدل وانصاف کا قیام بھی خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے اسے مجتہد ہونا چاہیے تاکہ انصاف کا قیام ممکن ہو سکے۔ امام شاہ ولی اللہؒ شرط اجتہاد کے متعلق لکھتے ہیں:

''ازاں جملہ آنست کہ مجتہد باشد خلافت متضمن است قضاء واحیاء علوم دین وامر معروف ونہی منکر راوایں ہمہ بدون مجتہد صورت نہ گیرد۔''[٥٦]

''منجملہ شروط خلافت کے ایک شرط یہ ہے کہ خلیفہ مجتہد ہو کیونکہ خلافت عہدۂ قضاء، علوم دینیہ کے احیاء اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو متضمن ہے اور یہ تمام امور غیر مجتہد سے صورت پذیر نہیں ہو سکتے ہیں۔''

امام الحرمینؒ شرط اجتہاد کی درجِ ذیل دلیل پیش کرتے ہیں:

" والدليل عليه ان امور معظم اصول الدين تتعلق بالائمة فاما ما يختص بالولاة وذوى الامر فلاشک فى ارتباطه بالامام واما عداه من احكام الشرع فقد يتعلق به من جهة انتدابه للامر بالمعروف والنهى عن المنكر فلولم يكن اللامام مستقلا بعلم الشريعة لاحتاج لمراجعة العلماء فى تفاصيل الوقائع وذالک يشتت رائيه ويخرجه عن رتبة الاستقلال ."[٥٧]

''دلیل (شرط اجتہاد) کی یہ ہے کہ اصول دین کے بڑے بڑے امور کا تعلق آئمہ کے ساتھ ہے اور جو امور والیوں اور اولی الامر (حکمرانوں) کے ساتھ خاص ہیں بلاشبہ امام سے مربوط ہیں، پس اگر امام علم شریعت میں استقلال نہ رکھتا ہوگا تو واقعات کی تفاصیل میں علماء سے رجوع کا محتاج ہوگا اور یہ بات اس کی رائے کو متفرق کر دے گی اور اس کو رتبہ استقلال

سے نکال دے گی۔‘‘

اگر مجتہد ہوگا تو مقدمات کے فیصلوں کے بارے میں دوسروں کا محتاج نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ امام قرطبیؒ خلیفہ کے لیے قضاۃ/اجتہاد کی صلاحیت کو لازمی قرار دیتے ہیں:

" و الثانی ان یکون ممن یصلح ان یکون قاضیاً من قضاة المسلمین مجتهداً لایحتاج الی غیره فی الاستفتاء فی الحوادث." (۵۸)

’’دوسری شرط یہ ہے کہ (خلیفہ) مسلمانوں کا قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، مجتہد ہو اور واقعات کے استفتاء میں غیر کا محتاج نہ ہو۔‘‘

شرطِ اجتہاد افضلیت کی شرط ہے

اجتہاد کی شرط انعقاد خلافت کے لیے نہیں ہے بلکہ افضلیت کی شرط ہے اور اس کا ثبوت اس بات سے ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے چھ افراد مشتمل شوریٰ بنائی اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی حالانکہ وہ تمام حضرات علم میں برابری نہ رکھتے تھے، بلکہ بعض حضرات مثلاً حضرت علیؓ کے علمی مقام و مرتبہ کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات موجود ہیں۔

شرطِ قریشیت

گذشتہ مباحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ انتخاب خلیفہ کے لیے متعدد شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بیان کی جاتی ہے کہ خلیفہ خاندان قریش میں سے ہونا چاہیے، لیکن یہ شرط اختلافی ہے جیسا کہ امام محمد بن خلیفہ الوشتابی الابی لکھتے ہیں:

" قال الآمدی اما الشروط المختلف فیها فهی ستة الاوّل القریشیة." (۵۹)

’’آمدی فرماتے ہیں کہ جن شروط میں (فقہاء میں) اختلاف ہے وہ چھ ہیں، جن میں پہلی شرط قریشی ہونے کی ہے۔‘‘

امام قرطبی لکھتے ہیں:

" الاول ان یکون من صمیم قریش لقوله ﷺ الائمة من قریش وَقدْ اُختُلِفَ فی هٰذا." (۶۰)

’’یعنی (خلافت) کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ خلیفہ اصلِ قریش میں سے ہو کیونکہ نبی

اکرم ﷺ کا فرمان ہے''امام قریش سے ہوں گے اوراس (شرط) میں اختلاف ہے۔''

ایک عرصہ تک یعنی جب تک خلافت خاندانِ عباسیہ میں رہی فقہاء کرام کی رائے یہ رہی کہ خلیفہ کو باقی صفات کے ساتھ متصف ہونے کے ساتھ ساتھ قریشی بھی ہونا چاہیے جیسا کہ قاضی عیاض، امام نوویؒ، علامہ سیوطی وغیرھم نے اس کی تصریح کی ہے، لیکن خلافت بنوعباس میں نہ رہی علماء نے اس شرط کی نفی کی اور اسے لازمی قرار نہیں دیا جیسا کہ اشاعرہ کے امام الآئمہ قاضی ابوبکر باقلانی کے نزدیک قریشیت کی شرط ضروری نہیں (جیسا کہ ابن خلدون نے ان کا مسلک نقل کیا ہے) اور علامہ ابن خلدون نے بھی اس شرط کی نفی کی ہے، جیسا کہ آئندہ سطور میں واضح ہو جائے گا۔ جہاں تک قرآن وسنت اور تمام دلائل شرعیہ وعقلیہ کا تعلق ہے تو خلافت کا خاندان قریش کے لیے مخصوص ہونا کسی نص قطعی سے ثابت نہیں ہے۔ اسلام نے خلافت کو کسی خاندان یا قوم میں مخصوص نہیں کیا ہے۔

اسلام کا ظہور اس وقت ہوا جب دنیا مختلف قومی وطنی ونسلی امتیازات کی پرستش کر رہی تھی اور جزیرہ عرب کے قومی ونسبی غرور کا یہ حال تھا کہ عربی چراوہا بھی اپنے نسبی وخاندانی شرف کے سامنے قیصر روم وکسریٰ فارس کو ذلیل وحقیر سمجھتا تھا۔ اسلام نے اپنی دعوت کے ذریعے ان قومی ونسلی امتیازات کو مٹا دیا۔ تو کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کا جو دین ان امتیازات کو ختم کرنے اور ان پر کاری ضرب لگانے کے لیے آیا ہو اس نے خاندان ونسل کا کوئی امتیاز تسلیم یا قائم کیا ہو؟ اسلام کی روشن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام قومی ونسلی امتیازت کی قولاً وفعلاً نفی کرتا ہے۔ اسلامی اعتقاد کی صحت وعدم صحت کا معیار''کتاب وسنت سے بطریق صحیح ثبوت ہے چاہے ہماری عقل ناقص کی اس تک رسائی ہو یا نہ ہو، لیکن چونکہ شرط قریشیت کسی نص سے ثابت نہیں ہے اس لیے ہم بالیقین کہتے ہیں کہ اسلام ایسی خلاف عقل بات کا حکم نہیں دے سکتا ہے۔ اس رائے کے ثبوت میں نقلی وعقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان احادیث پر مفصل بحث کی جائے گی جن میں خلافت قریش کا ذکر موجود ہے۔

نقلی دلائل

ازروئے قرآن

(ا)

﴿ إِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ﴾ (الزخرف : ۴۴)

''اور یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بڑے شرف کی چیز ہے۔''

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں امام قرطبی لکھتے ہیں:

" قُلْتُ الصَّحيحُ اَنَّهُ شرفٌ لِمَنْ عَملِ بِهٖ كَانَ مِنْ قُرَيش أَوْمِنْ غَيْرِ هِمْ . "(۶۱)

''میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ قرآن ہر اس شخص کے لیے باعث شرف وعزت ہے جس نے اس پر عمل کیا چاہے وہ قریشی ہو یا غیر قریشی۔''

(ب)

﴿ يٰأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلَيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ (الحجرات : ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور مختلف قبیلے بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تو تم میں سے بڑا عزت والا وہ ہے جو تم سب میں بڑا پرہیزگار ہے بے شک اللہ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے۔''

علامہ آلوسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

﴿ إنا خلقنكم مِنْ ذكر وأنثىٰ ﴾ من آدم وحواء عليهما السلام فالكل سواء فى ذلك فلاوجه للتفا خر بالنسب ...... ﴿إن اكر مكم عند اللّٰه أتقكم ﴾ لان اكر مكم عندالله اتقاكم لا انسابكم فان مدار كمال النفوس وتفاوت الاشخاص هو التقوىٰ فمن رام نيل الدرجات العلا مغله بها . "(۶۲)

''ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا، یعنی آدم وحواء علیہما السلام سے پس تمام (انسانیت) اس (تخلیق) میں برابر ہے پس نسب کے ساتھ فخر کی کوئی وجہ نہیں ہے (اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑا عزت والا صاحبِ تقویٰ ہے) اس لیے کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عورت تم میں زیادہ متقی ہے نہ کہ اونچے نسب والا۔ اس لیے کہ انسانی نفوس کے کمال اور لوگوں میں فرق کا مدار تقویٰ ہے۔ جو شخص بلند رتبات حاصل کرنا چاہے تو تقویٰ کو لازم پکڑے۔

(ج)

﴿ أَلاَّ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرىٰ وَأَنْ لَّيْسَ لِلإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى ﴾ (النجم : ۳۸ . ۳۹)

''وہ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کی اس نے سعی کی۔''

یعنی ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اس کی کوشش اور اس کا عمل ہے۔

احادیث

ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول ﷺ نے خاندانی و نسلی تفاخر کو ختم کیا اور تمام انسانیت کو برابر قرار دیا اور عزت و شرف کا معیار تقویٰ بنایا نہ کہ قومی و خاندانی امتیازات۔

۱۔ امام ترمذی ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں رسول ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

'' يَاأَيُّهَا النّاسُ اِنَّ اللّٰه قَدْ اَذهَبَ عنكُمْ عَصبّيَةَ الجاهلّية وَتعاظُمها بآبائهَا . فَالنّاس رَجُلان رُجُل برٌ تقى كَرِيْمٌ عَلَى اللّٰه وَجَاجرٌ شَقىٌ هَينٌ عَلَى اللّٰه والنّاس بَنو آدمَ وَخلَقَ اللّٰه آدم مِنْ تُرابٍ قال الله تعالىٰ ﴿يٰأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَائِلَ لِتعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾ .''[۶۳]

''لوگو سنو! اللہ نے تم سے جاہلیت کے تفاخر اور آباؤ اجداد کے تکبر و بڑائی کو ختم کر دیا

ہے۔ لوگ دو قسم کے ہیں: ایک آدمی نیک متقی اور اللہ کے ہاں عزت والا ہے۔ دوسرا گنہگار، بدبخت اور اللہ کے نزدیک بے وقوف ہے۔ پوری انسانیت آدمؑ کی اولاد ہے اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف گروہ اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو۔ بے شک تم میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ عزت کم میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ اللہ بہتر جاننے والا اور باخبر ہے۔''

۲۔ طبری اپنی کتاب ''آداب النفوس'' میں ابونضرۃ سے روایت کرتے کہ رسول ﷺ نے منیٰ کے مقام پر ایام التشریق میں خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

'' یایها الناسُ !

اَلَا اِنَّ رَبکُمْ وَاحِدٌ واِنَّ اَبَاکمِ وَاحِدٌ اَلا لا فَضْلَ لِعَربی عَلیٰ عَجَمی وَلاَ عَجِمیٍ عَلیٰ عَرُبی وَلا اَسُوَدَ عَلیٰ اَحُمَرَ وَلا اَحُمَرَ عَلیٰ اَسُوَدَ اِلَّا بِالتقویٰ الاَ هَلُ بَلَّغتُ ؟ قَالُو نَعَمُ قَالَ لِیُبَلِّغَ الشاهدُ الغائِبَ .''(۶۴)

''اے لوگو سنو! تمہارا رب ایک ہے۔ تمھارا باپ (آدم) ایک ہے سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔ سنو! کیا میں نے تم تک بات (حکم) پہنچا دی۔ صحابہؓ نے کہا: جی ہاں، فرمایا: حاضر غیر حاضر تک یہ بات پہنچا دے۔''

مالک الاشعری سے روایت ہے کہ اسی مندرجہ بالا خطبہ میں آپؐ نے فرمایا:

'' انّ اللّٰه لا ینظرَ اِلیٰ اَحسُابِکُمُ وَلَا اِلیٰ اَنُسَابِکُمُ وَلَا اِلیٰ اَجُسَامِکُمُ وَلَا اِلیٰ اَمُوالِکُمُ ولکِنُ یَنُظُرُ اِلیٰ قلب صالح تحنن الله علیه وانما انتم بنو آدم واحبکم الیه اتقاکم .''(۶۵)

''اللہ تمہارے حسب ونسب اور جسموں اور اموال کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے پس جو شخص صالح دل والا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت بھیجتے ہیں تم تو آدم کی اولاد ہو اور اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ محبوب وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔''

۳۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے اور اپنی دختر سیدہ فاطمہ کو بلایا اور فرمایا:

”یا فاطمة اشتری نفسکِ من الله فانی لا اغنی عنکَ منَ الله شیاء.“

”اے فاطمہ! اپنے آپ کو اللہ سے خرید لو۔ میں تمہارے بارے میں اللہ کی طرف سے کسی چیز کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔“

پھر یہی کلمات اپنی ازواج و اولاد کو فرمائے اور فرمایا:

” ماَ بَنُو هَاشِمٍ بَاوْلَی النَّاس بأُمّتی اِنَّ اَوْلیٰ النّاسِ بأُمّتِي الْمُتّقُوْن، اِنّمـا اَنْتُـمْ مِنْ رَجُلٍ وامْرأةٍ وَانْتُمْ كِجمام الصَّاعِ لَيْسَ لِاحدٍ عَلیٰ احدٍ فضلٌ اِلَّا بالتَّقویٰ .“ (٦٦)

”میری امت کے لوگوں میں بنو ہاشم افضل نہیں ہیں۔ افضل لوگ متقی ہیں۔ قریش میری امت کے لوگوں میں افضل نہیں ہیں۔ افضل لوگ متقی ہیں، انصار میری امت کے لوگوں میں افضل نہیں ہیں۔ افضل لوگ متقی ہیں۔ موالی (آزاد کردہ غلام) میری امت کے لوگوں میں افضل نہیں ہیں۔ افضل لوگ متقی ہیں۔ تم تمام ایک مرد و عورت کی اولاد ہو اور تم ایک کو دوسرے پر صرف تقویٰ کی وجہ سے فضیلت ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے قومی و نسلی عصبیت کو ختم کیا اور وہ لوگ جو اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے سخت جانی دشمن تھے، وہ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھائی بھائی بن گئے اور نسبی بھائیوں سے بھی زیادہ ان میں اخوۃ اور بھائی چارگی قائم ہوگئی اور خود آپؐ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کرادی۔ اس کے باوجود اگر کبھی نسلی و قومی عصیت کا ادنیٰ سا ظہور بھی ہوا تو آپؐ نے فوراً اس کی نفی کی۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں:

(ا) **” لَيْسَ مِنّا مَنْ دَعَا اِلیٰ عصبية .“** (٦٧)

”جو شخص (نسلی و قومی خصوصیت کی) عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

(ب) **” لَيْس مِنّا مَنْ قَاَ تَلَ عَلیٰ عَصْبيّةِ .“** (٦٨)

”جو تعصب کی بنا پر لوگوں کو قتل کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

(ج) **” لَيْسَ منّا مَنْ مَاتَ عَلیٰ عَصْبيةٍ .“** (٦٩)

”جو تعصب کی حالت میں مرگیا وہ ہم سے نہیں ہے۔“

(د) " مَنْ قَتَلَ تَحْتَ راية عمية او يَدْعُو عصبيّة اوينصر عصبية فقتل فقتلة جاهلية ." (۴۰)

''جس نے اندھے جھنڈے (غیرواضح امر) کے تحت قتال کیا یا عصبت کی دعوت دیتا ہے یا اس کی نصرت کرتا ہے، پس قتل کر دیا گیا تو اس کا قتل جاہلیت کا ہے۔''

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" ومعناه انما يقاتل عصبية لقومه وهواه ." (۴۱)

''اس کا معنی یہ ہے کہ وہ محض قومی عصبیت اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں لڑتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی قولی احادیث کے بعد آپ کا فعل نقل کیا جاتا ہے۔ امام بخاری ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی کی آخری فوجی مہم کا امیر اسامہ بن زیدؓ کو بنایا۔ ان کے ماتحت بڑے جلیل القدر صحابہ تھے، جن میں سے ابوبکر وعمرؓ کے نام نمایاں ہیں کچھ لوگوں کو یہ بات گراں گزری تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

" اِنْ تَطْعَنُو فِی اِمَارِ تِهٖ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِی اِمَارَ ة اَبِيه مِنْ قَبْل وايْمُ اللّٰه اِنْ كَانَ لَخَلِيقاًللا مَارَةِ وانْ كَانَ لمنْ اَحَبّ النّاسِ اِلَیّ واِنّ هٰذَا لمِنْ اَحَبَّ الناس اِلَیّ بَعَدَهُ ." (۴۲)

''اگر تم اسامہ کی امارت پر طعن کرتے ہو (تو کچھ تعجب نہیں) اس سے پہلے تم اس کے باپ (زید) کی امارت میں طعن کر چکے ہو اور خدا کی قسم! وہ امارت کے لائق تھا اور سب لوگوں سے زیادہ مجھ کو پیارا تھا۔ اس کے بعد یہ اسامہ سب لوگوں سے زیادہ مجھے پیارا ہے۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

" ما بعث رسول الله ﷺ زيد بن حارثة فی جيش قط الا امره عليهم ولو كان حيا بعده لاستخلفة ." (۴۳)

''رسول اللہ ﷺ نے جب بھی زید بن حارثہ کو کسی لشکر میں بھیجا تو ہمیشہ انہیں امیر بنایا۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو آپ انہیں ہی جانشین بناتے۔''

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

" عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ اسمعوا وأطيعوا ،

وان استعمل علیکم عبدٌ حبشیٌّ کان راسَهُ زَبیبة ." (۴۴)

"انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام کو عامل بنایا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو۔"

امام بخاری یہ حدیث "**باب السمع والطاعة للا مام مالم تکن معصية**" کے تحت لائے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ استعمل (عامل بنانے سے مراد امیر بنانا ہے نہ کہ اصطلاحی عامل یعنی زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے والا جیسا کہ ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں:

" عن ام الحصين الاحمية قلت سمعت النبی ﷺ يقول ان امر عليكم عبد حبشي فاسمعوا له واطيعو ماقادكم بكتاب الله." (۴۵)

"ام حصین احمیہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عرفہ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اگر تم پر حبشی غلام کو امیر بنایا جائے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو جب تک کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرتا رہے۔"

معلوم ہوا کہ حبشی غلام کے عامل اور امیر بنانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ اس حدیث کو **باب ماجاء فی طاعة الامام والخلاف عنه** کے تحت لائے ہیں۔ عبد سے مراد حقیقتاً غلام نہیں ہے بلکہ وہ آدمی جو پہلے غلام تھا پھر آزاد کر دیا گیا۔

آثارِ صحابہؓ سے غیر قریشی کو خلیفہ بنانے کا ثبوت

۱۔ ابن سعد روایت کرتے ہیں:

" قال عمر بن الخطاب لو ادركت معاذ بن جبل فاستخلفته فسألنی ربی عنه لقلت یاربی سمعت نبیک ان العلماء إذا اجتمعوا یوم القیامة کان معاذ بن جبل بین ایدیهم قذفة حجر ." (۴۶)

"عمر بن الخطابؓ نے (وفات سے کچھ پہلے) فرمایا کہ اگر میں اپنی زندگی میں معاذ بن جبل کو پاتا تو انہیں جانشین بناتا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس بارے میں پوچھے تو میں کہتا کہ اے میرے رب! میں نے آپ کے نبی کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جب علماء اکٹھے ہوں گے تو معاذ بن جبل ان کے آگے کی طرح ہوں گے۔"

حضرت معاذ بن جبل انصاری تھے' قریشی نہ تھے۔ اگر قریشیت خلافت کے لیے شرط ہوتی تو حضرت عمرؓ جیسا مدبر اور امور خلافت کو سب سے زیادہ جاننے والا شخص کس طرح شرائط خلافت کے

خلاف سوچ سکتا اور ایک غیر قریشی کو مسند خلافت پر بٹھا سکتا ہے؟ حالانکہ رسول ﷺ کے انتقال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متحرک بھی حضرت عمر تھے اور اسی خطبہ میں حضرت ابوبکرؓ نے الامرأمن قریش والی حدیث بیان کی تھی۔

۲۔ ابن سعد، ابورافع کی روایت سے حضرت عمرؓ کا ایک اور قول بھی نقل کیا ہے:

"لو ادرکنی احدرجلین ثم جعلت هذا الامر الیه لوثقت به سالم مولیٰ ابی حذیفة وابو عبیدة بن الجراح ." (۷۷)

"اگر دو آدمیوں سالم مولی ابی حذیفہؓ اور ابوعبیدۃ الجراح میں سے کوئی ایک میری وفات تک زندہ رہتا تو میں اس امر (خلافت) کو اس کے سپرد کر دیتا تو مجھے اس بارے میں پورا اعتماد ہوتا۔"

حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جب صدہا صحابہ ومہاجرین قریش موجود ہیں اگر حضرت عمرؓ ان کی موجودگی میں سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ کو مسند خلافت پر بٹھانے کا ارادہ کر سکتے ہیں تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شرعاً غیر قریشی خلیفہ نہیں بن سکتا ہے؟

خلافتِ قریش سے متعلق احادیث

اب ہم خلافتِ قریش سے متعلقہ احادیث کا جائزہ لیتے ہیں۔ عام بول چال کی طرح شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیانات بھی مختلف اقسام کے واقع ہوئے ہیں۔ ان اقسام میں سے ایک قسم احکام، اوامر اور تشریع کی ہے جبکہ دوسری قسم خبر واطلاع کی ہے۔ دوسری قسم محض واقعہ یا حال کا بیان ہے اور اگر آئندہ کی بنسبت ہے تو پیشین گوئی ہے، حکم اور تشریع نہیں ہے۔ یعنی صرف ایک خبر واطلاع ہے کہ آئندہ ایسا ہوگا یہ نہیں کہ ایسا کرنا چاہیے۔ قریش کی خلافت کے متعلق جس قدر روایات موجود ہیں سب دوسری قسم (خبر واطلاع) میں داخل ہیں یعنی ان میں خبر دی گئی ہے کہ ایک زمانے تک خلافت قریش میں رہے گی یعنی ان روایات میں خلافت قریش کی پیشین گوئی ہے اور قریش سے خلیفہ بنانے کا امر حکم نہیں ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہو جائے گا۔

۱۔ **"عن ابی هریره قَالَ قالَ رَسولُ ﷺ اَلنَّاسُ تبَعٌ لِقَریش فِی هَذَاالشَّانِ مُسْلِمُهُمُ تَبَعٌ لِمُسلمهِم کَا فِرٌ تبَعٌ لکَا فِرِ هِمُ ." (۷۸)**

"لوگ اس معاملہ (امارت) میں قریش کے تابع ہیں۔ ان (قریش) کے مسلمان، مسلمان کے تابع ہیں اور ان (قریش) کے کافر، کافر کے تابع ہیں۔"

اس سے بھی زیادہ واضح حدیث وہ ہے جسے ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔

" قریش آئمه العرب ابرارها آئمة ابرارها وفجارها آئمة فجار ها ."[۷۹]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریش عرب کے امام ہیں۔ اس (قریش) کے نیک لوگ ان (عرب) کے نیک لوگوں کے امام ہیں اور ان کے بدکاران کے بدکاروں کے امام ہیں۔''

دوسری احادیث کی طرح اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ اہل عرب قدرتی طور پر قریش کی سرداری سے متاثر ہیں اور وہ انہیں اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں، جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

" اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَیش فی الخیر والشر ."[۸۰]

''آپؐ نے فرمایا لوگ خیر اور شر میں قریش کے تابع ہیں۔''

امام نوویؒ حضرت ابو ہریرہؓ کی مندجہ بالا حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" معناه فی الاسلام والجاهلية لانهم كانوا فی الجاهلية روساء العرب واصحاب حرم الله واهل الحج وكانت العرب تنتظر اسلامهم فلما اسلموا وفتحت مكة تبعهم الناس وجاء ت وفود العرب من كل جهة ودَخَلَ الناس فی دين الله افواجاً ."[۸۱]

''مطلب یہ ہے کہ لوگ اسلام اور جاہلیت میں قریش کے تابع ہیں۔ اس لیے کہ قریش جاہلیت میں عرب کے سردار تھے، بیت اللہ کے ہمسایہ اور حج کے منتظم تھے اور عرب ان کے اسلام قبول کرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب قریش مسلمان ہو گئے اور مکہ فتح ہو چکا تو لوگوں نے (قریش) کی پیروی کی اور ہر طرف سے وفود آنے لگے اور لوگ فوج درفوج دین الٰہی میں داخل ہو گئے۔''

امام الوشتانی الأبی امام نووی کی طرح شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وكذلك حكمهم في الإسلام في تقديهم للخلافة فنبه صلى الله عليه وسلم انه كما كان كفار الناس تبعاً لقريش في الجاهلية في الخير والشر كذلك يجب ان يتبع مسلمهم لمسلمهم فيكون المقدم عليهم ."[۸۲]

''اسی طرح اسلام میں بھی ان کو خلافت میں مقدم رکھنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جس طرح لوگ زمانۂ جاہلیت میں حالتِ کفر میں خیر اور شر میں قریش کے پیچھے چلتے تھے، اسی طرح لازم ہے کہ ان کے مسلمان ان کے مسلمانوں کے پیچھے چلیں، پس وہ مقدم ہو جائیں گے۔''

یہ فطری بات ہے کہ ملک میں عوام، حکمرانوں، روساء اور امراء کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ اچھی اور بری باتوں میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی حال قریش اور باقی اہل عرب کا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

" واعلم ان النبی ﷺ اجتمعت فیه خصلتان احداهما النبوة والثانیة سعادة قریش بسببه . فالنبوة عمت کل الاصناف والاحمرو الاسود مستویان فیما یرجع الی الفیض الذی هو من باب النبوة ولذٰلک لما اقتضت المصلحة الکلیة عموم سلطنة الترک الهمهم التدین بدین الاسلام واما سعادة قریش فسببها کانت خلافتهم الیٰ زمانٍ طویلٍ ." (۸۳)

''رسول اللہ ﷺ میں دو خصلتیں جمع ہو گئیں۔ ایک نبوت اور دوسری ان کے ذریعے قریش کی سعادت، نبوت تمام اصنافِ انسانی کو شامل ہے۔ گورا اور کالا نبوت سے متعلق امور سے فیضان کے حصول میں برابر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصلحتِ کلی کا تقاضا ترکوں کو عمومی بادشاہت دینے کا ہوا تو انہیں دین اسلام اختیار کرنے کا الہام کیا گیا۔ باقی رہی قریش کی سعادت تو اس کے باعث ایک طویل زمانے تک ان کی خلافت رہی۔''

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کو مسئلہ خلافت کے اختصاصِ شرائط سے کوئی تعلق نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ خاندان قریش کو بیت اللہ کی ہمسائیگی اور انتظام حج کی وجہ سے عرب میں شرف وعزت اور سرداری کا رتبہ حاصل تھا۔ یہ لوگ ہر معاملہ میں ان کی رائے کے تابع تھے اس لیے ظہور اسلام کے بعد عرب کی نظریں قریش پر لگی ہوئی تھیں کہ قریش اسلام قبول کرتے ہیں یا نہیں اور مسلمان جزیرۂ عرب کے مرکزی شہر مکہ کو فتح کر سکیں گے یا نہیں؟ جب قریش خود مسلمان ہو گئے اور مکہ بھی فتح ہو چکا تو پورا عرب اسلام میں داخل ہو گیا۔ قریش باطل پر رہے تو سارا عرب باطل پر رہا، قریش نے حق کو قبول کیا تو سارا عرب حق پر آ گیا۔

۲۔ ’’عن جابر بن سمرة دَخَلتُ مَعَ اَبی عَلَی النبی صَلَّی الله علیه وسلم فسمعته یقول لایزال امر الناس ماضیاً ولیهم اثنا عشر رجلا ثم تکلم النبی ﷺ بکلمة خفیت علی فسألت ابی ماذا قال رَسُولُ الله ﷺ قَالَ کُلّهُمْ مِنْ قُرَیشٍ.‘‘ (۸۴)

’’جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیشہ لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا یہاں تک بارہ آدمی ان پر حکومت کریں پھر آپ نے آہستہ بات کی جو میں نے نہیں سنی۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا آپؐ نے فرمایا یہ سب آدمی قریش میں سے ہوں گے۔‘‘

حصین بن عمران اور سماک بن حرب کے طریق سے اسی حدیث میں ’’لا یزال الاسلام عزیزا منیعا الی اثناعشرَ خلیفة‘‘ یعنی بارہ خلفاء کے الفاظ آئے ہیں۔ (۸۵)

امام بخاری نے جابر بن سمرة سے اسی روایت میں ’’اثناعشر امیراً‘‘ کے الفاظ روایت کیے ہیں۔ (۸۶)

تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ آئندہ کی نسبت خبر اور اطلاع دی جا رہی ہے کہ قریش میں بارہ خلفاء ہوں گے۔ جب تک یہ بارہ خلفاء حکمران رہیں گے اسلام باعزت رہے گا۔ اس حدیث کی تمام روایات میں خبر ہے حکم وتشریع کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ اگر حکم ہے تو صرف بارہ خلفاء کی تخصیص کیوں؟ خلافت تو قیامت تک کے لیے ہے اور اگر خلیفہ کا صرف قریش سے ہونا لازم ہے تو کیا قیامت تک صرف بارہ خلفاء آئیں گے حالانکہ بارہ خلفاء تو پہلی صدی ہجری تک حکومت کر چکے تھے۔

حدیث سوم: امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’ان هذا الامر في قريش لا یعادیهم احد الا کبه الله فی النار علی وجهه ما اقاموا الدین.‘‘ (۸۷)

’’یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا۔ جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے، جو کوئی ان سے دشمنی وعداوت کرے گا اللہ اسے اوندھے منہ جہنم میں گرائے گا۔‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

’’ما اقاموا لدین ای مدة اقامتهم امور الدین قیل یحتمل ان یکون

مفهومه فاذالم يقيموه لايسمع لهم ." (۸۸)

"مــااقــامــو الدين کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مدت جب تک وہ امور دینیہ کو قائم رکھیں گے ان کی خلافت قائم رہے گی بعض کے نزدیک یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہو کہ جب وہ دین کو قائم نہ کریں گے تو ان کی بات نہیں سنی جائے گی۔"

علامہ بدارلدین العینی الحنفی نے بھی ماااقامو الدین کی یہی شرح کی ہے۔ (۸۹)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں مــا اقــامــو الدين کے جو کلمات آئے ہیں، ایسے ہی کلمات حضرت صدیق اکبرؓ سے منقول ہیں جو انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں خطاب میں ارشاد فرمائے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

" **ان هذا الامر فی قريش ما اطاعو الله و استقاموا علیٰ امره.**"(۹۰)

"یعنی یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا جب تک وہ اطاعتِ الٰہی کرتے رہیں گے اور دین پر قائم رہیں گے۔"

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ ان احادیث کا نتیجہ نکالتے ہیں:

" **الا ذن فـی الـقـيـام عـلـيهم وقتالهم و الايذان بخروج الامر عنهم كـمـا اخـرجـه الطيالسی و الطبرانی من حديث ثوبان رفعهُ "استقيموا لـقـريـش مـااستقاموا لكم فان لم يستقيموا مضعوا وسيوفكم علیٰ عو تقكم فابيدو خَضرائهم فان لم تفعَلو فكونو زَرَاعِيْنَ اشقياءَ .**" (۹۱)

(ان قریشی خلفاء) کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور ان سے قتال کی اجازت ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ امر (خلافت) ان سے نکل جائے گا (یعنی خلافت ان میں نہ رہے گی) جیسا کہ الطیالسی اور الطبر انی نے ثوبان سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: قریش کے ساتھ ٹھیک ٹھیک چلتے رہو جب تک وہ تمہارے ساتھ درست رہیں اگر وہ تمہارے ساتھ ٹھیک نہ چلیں تو اپنی تلواریں کندھوں پر رکھ لو پس ان کے بڑوں (بڑے حصے کو) کو ہلاک کردو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم بدبخت ہو جاؤ گے۔"

حافظ ابن حجرؒ آگے چل کر لکھتے ہیں:

" **وبِـهٖ يـقـوی ان مـفـهـوم حديث معاوية ما اقامو الدينَ انهم اِذَا لَمْ يُقُومو الدين خرجَ الامر عنهم .**" (۹۲)

’’(گذشتہ وضاحت) کے ساتھ یہ بات قوی ہو جاتی ہے کہ حدیث معاویہ میں ما اقاموالدین کا معنیٰ یہ ہے کہ جب وہ (قریش) دین کو قائم نہ رکھیں تو امر (خلافت) ان سے نکل جائے گا۔‘‘

حافظ ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الشیبانی (المتوفی ۲۸۷ھ) حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں:

’’عَنْ عائشة قَالَتْ قلت يَارَسول الله كَيْفَ يكُونُ هذَا الامرُ بَعْدَكَ قَالَ فِي قَوْمِكِ ماكانَ فيهِم خَيْراً .‘‘ (۹۳)

’’حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے بعد امر (خلافت) کا کیا بنے گا؟ فرمایا: تیری قوم (قریش) میں رہے گا جب تک ان میں خیر (اچھائی اور نیکی) رہے گی۔‘‘

اسی طرح امام بیہقی حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں:

’’قال لقريش انتم اولىٰ الناس بهذا الامر ماكنتم مع الحق الا ان تعدو اعنه .‘‘ (۹۴)

’’رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا تم اس امر (خلافت) کے زیادہ حق دار ہو جب تک تم حق پر قائم ہو، الا یہ کہ تم اس سے منہ موڑ لو۔‘‘

حدیث چہارم: امام بخاری ابن عمر سے روایت کرتے ہیں:

’’قال رسول الله ﷺ لايزال هذا الامر فی قريش مابقی منهُم اثنان.‘‘ (۹۴)

’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا جب تک دو آدمی ان میں باقی رہیں گے۔‘‘

اس حدیث سے ’’الامراء من قریش‘‘ کی وضاحت ہو جاتی ہے اور مندرجہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ احادیث جن میں خلافت قریش کا ذکر ہے، ان میں قریشی خلافت کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اس کے مفہوم کو منطوق پر ترجیح دینا لازم ہے کیونکہ اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ جب تک دو آدمی بھی خاندان قریش کے باقی رہیں گے، خلافت انہی کے قبضہ میں رہے گی، تو یہ تاریخی واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ دو کیا ہزاروں قریشی موجود رہے اور خلافت ان سے نکل گئی، لہٰذا اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر خاندان قریش میں دو آدمی بھی خلافت کے اہل رہے تو یہ خاندان شرف خلافت سے کبھی

محروم نہ ہوگا۔مگر جب ایسا وقت آجائے کہ ان میں بارِ خلافت اٹھانے کی اہلیت نہ رہے گی تو مشیت الٰہی دوسروں کو یہ کام سپرد کردے گی جو اسکے اہل ہوں گے۔تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب تک قریشی بارِ خلافت اٹھانے کے اہل رہے صدیوں تک مسند خلافت پر متمکن رہے، لیکن جب ان میں اہلیت نہ رہی تو غیر قریشی خلافت کا دور شروع ہوگیا اور النبی الصادق والمصدوق ﷺ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔حافظ ابن حجرؒ اس تاریخی حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" لم یبق للخلیفة الا مجرد الاسم فی بعض الامصار ." (۹۵)

''بعض شہروں میں خلیفہ کا صرف نام رہ گیا ہے۔''

علامہ بدرالدین العینیؒ لکھتے ہیں:

" وفی مصر موجودمن بنی العباس لکن لیس بحاکم بل تحت حاکم ." (۹۶)

''مصر میں بنوعباس موجود ہیں لیکن حاکم کی حیثیت سے نہیں بلکہ محکوم بن کر۔''

حدیث پنجم: امام بیہقی حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں:

" الأئمة من قریش اذا ماحکمو فعدلوا واذا عاهدوا وفوفواذا استرحموارحمو ." (۹۷)

''امام قریش سے ہوں گے جب تک کہ وہ حکم کریں تو عدل کریں معاہدہ کریں تو پورا کریں، جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو رحم کردیں۔''

یعنی جب تک تین اوصاف خاندان قریش میں باقی رہیں گے، خلفاء وامرا اسی خاندان سے ہوں گے۔اس حدیث سے بھی ثابت ہوگیا کہ خلافتِ قریش اہلیت کے ساتھ مشروط تھی یعنی آپ نے پہلے ہی سے خبر دی کہ قریش جب تک اوصاف مذکورہ سے متصف رہیں گے، مسندِ خلافت پر متمکن رہیں گے۔یہ نہیں کہ خلافت شرعاً ان کا حق ہے، بلکہ وہ مشروط طور پر مستحق خلافت ہوں گے۔اگر وہ اہل نہ رہے تو خلافت بھی ان سے چھن جائے گی اور نہ صرف خلافت سے محروم ہو جائیں گے بلکہ بعض روایات میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر تین مذکورہ امور انجام نہ دیں گے تو ان پر لعنت ہوگی۔جیسا کہ امام بیہقی حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں:

" فمن لم یفعل ذالک منهم فعلیه لعنة الله والملئكة والناس اجمعین ." (۹۸)

''ان میں سے جس نے (مذکورہ تین امور) انجام نہ دے تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

حدیث ششم: مصنف ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

" الملک فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشة." (۹۹)

''حکومت قریش میں، عہدہ ءقضاء انصار میں، اذان حبشیوں میں اور تیزی و پھرتی اہل یمن میں ہے۔''

امام احمد نے یہ حدیث کثیر بن مرہ سے یوں روایت کی ہے:

" الخلافة فی قریش والحکم فی الانصار والدعوة فی الحبشة ." (۱۰۰)

''یعنی خلافت قریش میں، قضا کا عہدہ انصار میں، دعوت حبشیوں میں ہے۔''

اس حدیث میں چار امور کا اکٹھا ذکر گیا ہے:

۱۔ حکومت و خلافت قریش میں

۲۔ حکم و عدالت انصار میں

۳۔ اذان و دعوت حبشیوں میں

٤۔ سرعت و تیزی اہل یمن میں

لہٰذا جو معنی و مطلب ایک بات کا ہوگا وہی باقی دو باتوں کا بھی ہوگا۔ اگر پہلا جملہ (خلافت وحکومت قریش میں) پیشین گوئی وخبر نہیں بلکہ امر وتشریع ہے تو باقی تین جملوں (قضاء انصار میں، اذانِ حبشہ میں اور سرعۃ اہل یمن میں) کو بھی امر و تشریع ماننا پڑے گا۔ مطلب یہ ہوگا کہ خلیفہ ہمیشہ قریشی ہو، قاضی ہمیشہ انصاری ہی ہو، مؤذن ہمیشہ حبشی ہو اور سرعۃ اہل یمن میں ہو، قضا و اذان کے لیے انصاری وحبشی ہونے کی شرط کسی نے نہیں قرار دی ہے اور نہ آج تک کسی نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا۔ لہٰذا جو مطلب دوسرے جملوں کا ہے وہی پہلے جملے ''الملک فی قریش'' کا ہے۔ یعنی تمام جملوں میں پیشین گوئی ہے کہ ایک زمانہ تک یہ مختلف مناصب اور صفات ان لوگوں میں رہیں گی یا یہ بیانِ حال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایسا ہوا کہ آپ مسلمانوں کے امام اور خود قریشی تھے۔ عہدۂ قضاء پر اکثر انصاری (معاذ بن جبل و ابوموسیٰ الاشعریؓ) مامور تھے اور حضرت بلالؓ (حبشی) اذان دیتے تھے اور آپ نے اس حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" الملک فی قریش القضاء فی الانصار الاذان فی الحبشة." (۱۰۱)

"حکومت و بادشاہت قریش میں، عہدۂ قضا انصار میں اور اذان حبشیوں میں ہے۔"

حدیث ہفتم:" قریش قادة الناس ."[١٠٢]

"قریش لوگوں کے قائد ہیں۔"

حدیث" الناس مع ا لقریش "کی شرح سے عرب میں قریش کی امارت وسرداری کی پوزیشن واضح ہوگئی ہے اور عرب میں ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ حدیث بھی انہی معانی میں ہے کہ قریش کو خاندانی شرف وعزت کی وجہ سے پورے عرب میں قیادت حاصل ہے اور لوگ ان کی قیادت پر اعتماد کرتے ہیں۔

حدیث ہشتم:" قدموا قریشا ولا تؤخروھا ."[١٠٣]

"قریش کو مقدم رکھو اور ان کو پیچھے نہ ہٹاؤ۔"

مطلب یہ ہے کہ چونکہ عرب میں قریش کی قیادت وامارت مسلم ہے لہٰذا خلافت وامارت بھی قریش میں ہونی چاہیے تاکہ لوگوں کو غیر قریشی خلیفہ کی قیادت قبول کرنے میں تردد نہ ہو، لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ خلافت وامارت کے حقدار ہمیشہ قریش ہیں اور نہ اس کا حکم ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف خاندان قریش سے ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام احادیث سے دو باتیں بالکل واضح ہوگئیں۔ ایک یہ کہ قریش کی خلافت کے متعلق تمام روایات خبر ہیں، امر وتشریع نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ پہلے سے پیشین گوئی کردی گئی کہ خلافت ہمیشہ قریش میں نہ رہے گی۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی اور تاریخ گواہ ہے کہ خاندان قریش سے خلافت چھن گئی اور وہ اس شرف سے محروم ہوگئے، جیسا کہ ہم حافظ ابن حجرؒ اور علامہ العینیؒ کے اقوال نقل کرچکے ہیں۔

ایک سوال کا جواب

خلافتِ قریش سے متعلق تمام احادیث کی شرح آچکی ہے۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین وانصار کے سامنے، " الائمة من قریش " کی روایت پیش کی اور سب نے اس کو تسلیم کرلیا جس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ صدیق اکبر نے یہ حدیث بطور دلیل کے پیش کی۔ اس کا جواب یہ ہے: یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت اتصال کے طریق پر ثابت ہی نہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

" الائمة من قریش رجاله رجال الصحیح لکن فی سنده انقطاع ."[١٠٤]

''اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے۔''

اس میں خبر ہے اور یہ ان حدیثوں کا ایک ٹکڑا ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حضرت صدیقؓ اکبر کا اس حدیث سے استدلال شرائط خلافت سے متعلق نہ تھا بلکہ ان کا استدلال اس بات پر تھا کہ چونکہ عرب میں قریش کی عظمت و سرداری مسلم ہے اور وہ کسی دوسرے کی امارت سے آشنا نہیں ہیں لہٰذا خلیفہ بھی قریش سے ہونا چاہیے جس کی امارت تمام اہل عرب بلا چون و چرا تسلیم کر لیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ارتداد کا ظہور شروع ہوا۔ پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس میں شدت آ گئی۔ مرتدین کی طرف سے خطرہ بڑھ گیا۔ قیصر اور کسریٰ دارالسلام پر حملے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ ان حالات میں خلیفہ کے تقرر کے معاملہ کو جلد از جلد نمٹانا اور حالات پر قابو پانا انتہائی ضروری تھا۔ اگر ان حالات میں قریش جن کی قیادت و سیادت اہل عرب کے ہاں مسلم تھی، کی جگہ غیر قریشی کو منصبِ خلافت پر بٹھایا جاتا تو اہل عرب اسے قبول نہ کرتے اور فتنہ برپا ہوتا جس پر قابو پانا ممکن نہ ہوتا۔

شرط قریشیت کے متعلق اجماع کا دعویٰ

علمائے اسلام نے شرط قریشیت پر بہت زور دیا ہے اور بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق چند امور قابل غور ہیں:

۱۔ کہا جاتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ کے بعد اس بات پر اجماع ہو گیا کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔ اس کا جواب یہ ہے:

(ا) ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا ''**الامراء من قریش**'' سے شرط قریشیت پر استدلال نہ تھا، بلکہ انہوں نے وقتی اور ہنگامی حالات کے پیش نظر صحابہ کرامؓ کو قائل کیا کہ وقتی حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ خلیفہ قریش میں سے ہوتا کہ غیر قریشی کو خلیفہ بنانے کی صورت میں پیدا ہونے والے فتنے سے بچا جا سکے۔

(ب) اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں اجماع ہو چکا تھا تو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے بعد معاذ بن جبلؓ کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیوں کیا؟ حالانکہ وہ غیر قریشی تھے۔ لہٰذا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ صحابہ کے اندر اجماع ہو چکا تھا کہ شرعاً خلافت کا مستحق صرف خاندان قریش ہے بلکہ شواہد اس کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود آئمہ متاخرین کو اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ حافظ ابن حجر قاضی عیاضؒ کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

'' قلت ویحتاج من نقل الاجماع الی تاویل ماجاءَ عن عمر من

ذالک فقدا خرج امام احمد عن عمر بسند رجاله ثقات ان ادركني اجل وقد مات ابو عبيدة استخلفت معاذ بن جبل.'' (١٠٥)

''میں کہتا ہوں کہ اجماع کو نقل کرنے سے حضرت عمرؓ کے درجِ ذیل ارشاد کی تاویل کرنا پڑے گی جسے امام احمد نے (اپنی سند میں) ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ''اگر مجھے موت آ گئی اور ابوعبیدہ بھی وفات پا گئے تو میں معاذ بن جبل کو جانشین بناؤں گا۔''

۲۔ احادیثِ خلافتِ قریش کی شرح میں واضح ہو چکا ہے کہ ان میں آئندہ کے متعلق خبر اور پیشین گوئی ہے اور پیشین گوئی کا جب تک مکمل طور پر ظہور نہ ہو جائے اس کے معانی و مطالب کے متعلق کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی ہے۔ پیشین گوئی میں عموماً ایک خاص مبہم انداز بیان ہوتا ہے اور نہایت اجمالی طور پر محض اشارات کیے جاتے ہیں۔ جب تک اس پیشین گوئی کا مکمل ظہور نہ ہو جائے ان اشارات کی تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کی لغزشیں واقع ہو سکتی ہیں۔ اس کی واضح مثال ظہور دجال کی پیشین گوئی ہے۔ رسول ﷺ نے دجال کی اہم علامات بتلا دی تھیں۔ اس کے باوجود خود صحابہؓ میں اس کے متعلق اختلاف ہوا اور آپؐ کے زمانہ ہی میں ابن صیاد کو حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے دجال سمجھا۔ چونکہ یہ پیشین گوئی تھی اس لیے جب تک تمام واقعات کا پوری طرح ظہور نہ ہو جائے، اس کا صحیح مطلب متعین کرنا مشکل تھا۔ یہی حال خلافت قریش سے متعلق احادیث کا ہے کہ جب تک خلافت قریش میں رہی۔ یہی خیال کیا جاتا رہا کہ شرعاً بھی خلافت خاندان قریش کے ساتھ مخصوص ہے۔ چونکہ خلافت ابتدا سے نوی صدی ہجری تک کسی نہ کسی طور پر قریش میں رہی؛ اس لیے علماء ان احادیث کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات کی روشنی ہی میں دیکھ رہے تھے اور اس کے لیے مجبور و معذور تھے۔ خلافت عباسیہ بغداد کے تنزل اور عجمی حکومت کے ظہور و عروج کے ساتھ ہی علماء کی آراء میں بھی تدریجاً تغیر شروع ہو گیا تھا اور اشتراط قرشیت میں وہ زور باقی نہ رہا تھا جو پہلے تھا۔

۳۔ واقعات کے تسلسل و تواتر سے خود بخود ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ لوگوں کو اجماع کا خیال پیدا ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ ابتدا ہی سے خلافت خاندان قریش میں رہی اور یکے بعد دیگرے خلفاء قریشی تھے اس لیے لوگوں نے سمجھ لیا کہ شرعاً بھی خلافت خاندان قریش کے ساتھ مخصوص ہے اور اسے اجماع سمجھ لیا گیا حالانکہ اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی خاص خاندان ایک عرصہ تک حکومت کرتا رہے تو یہ اس بات کی قطعاً دلیل نہیں ہے کہ شرعاً بھی حکومت اسی خاندان کا حق ہے اور نہ اس سے اجماع کا انعقاد ہوتا ہے۔

٤۔ شرطِ قریشیت کے متعلق جن آئمۃ حدیث وکلام کے اقوال سے یہ اجماع ثابت کیا جاتا ہے۔ وہ سب اس عہد کے ہیں جب خلافت عباسیہ قائم تھی اور بعد کے علماء نے انہی سے نقل کیا ہے اور اس بارے میں سب سے زیادہ اعتماد قاضی عیاضؒ کے اس قول پر کیا جاتا ہے جسے علامہ نووی نے شرح مسلم میں نقل کیا ہے۔ قاضی عیاض کا سال وفات ۵۴۴ھ ہے۔

حافظ نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ (آخری عباسی خلیفہ المستعصم ۶۵۶ھ میں قتل کیے گئے)۔ نووی کی شرح مسلم کی تصنیف آخری عباسی خلیفہ کے زمانہ میں ہوئی۔ اگر آخری عمر کی تصنیف مان لی جائے تو مصر میں خلفاء عباسیہ موجود تھے۔ اس لیے وہ شرط قریشت کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ہیں) جب خلافت عباسیہ بغداد کے زوال کے بعد مصر میں بھی عباسی خلافت ختم ہوگئی تو بعد میں آنے والے علماء نے شرطِ قریشیت سے صاف انکار کردیا۔

٥۔ لفظ اجماع کا لغوی واصولی معنی سے ہٹ کر استعمال بھی قابل غور ہے۔ فقہاء مذاہب، آئمہ کلام اور ارباب اصول کے نزدیک اجماع کے مختلف معنیٰ ہیں۔ ہر مذہب کے فقہاء بلا تامل اپنے مسلک کو ''جمہور'' اور ''اجماع'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر ایک کا مطلب جدا ہوتا ہے مثلاً احناف کے نزدیک قرات فاتحہ خلف الامام کا عدم وجوب جمہور کا مذہب ہے اور بعض اجماع کے بھی قائل ہیں، لیکن شوافع کے نزدیک فاتحہ خلف الامام کا وجوب جمہور کا مذہب ہے اور اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ حافظ نووی (جنہوں نے قاضی عیاضؒ سے اشتراط قرشیت پر اجماع نقل کیا ہے اور بعد کے تمام علماء نے نووی سے نقل کیا ہے) کے نزدیک شافعیہ کا ہر قول جمہور کا مذہب ہے اور مخالف (احناف) کے ہر قول کو شاذ قرار دیتے ہیں۔ شرح مسلم میں جگہ جگہ امام شافعیؒ کے قول کو جمہور کا مذہب بتاتے ہیں اور مختلف فیہ مسائل میں سے تقریباً دو تہائی مسائل ضرور ایسے ہوں گے جن کی نسبت وہ فرماتے ہیں کہ یہ قول امام شافعیؒ اور جمہور کا ہے مگر امام ابوحنیفہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیا ہمارے علمائے احناف، حافظ نووی کے ان تمام اجماعیات کو تسلیم کرسکتے ہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو اشراط قریشیت پر ان کا نقل کردہ اجماع کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک سوال

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خلیفہ کے لیے قریشی ہونا اس قدر ضروری ہے اور اس پر علماء کا اجماع منعقد ہوچکا ہے تو خلافتِ عثمانیہ میں یکے بعد دیگرے بننے والے ترکی خلفا جو کہ غیر قریشی تھے، ان کی خلافت کو صدیوں تک مختلف براعظموں اور مختلف مسالک کے فقہاء اور علماء نے کیوں تسلیم کیا؟ کیا فقہاء

اور علماء جن میں کثیر تعداد حنفیوں کی تھی کے اس طرزِ عمل سے غیر قریشی خلفاء کی خلافت کی صحت ثابت نہیں ہوتی؟

نا اہل قریشی کی خلافت

اگر خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے تو کیا ایک با صلاحیت، ذی استعداد اور ہر لحاظ سے منصبِ خلافت کے لیے اہل غیر قریشی کی موجودگی میں ایک نا اہل قریشی کو منصبِ خلافت کے لیے منتخب کر لیا جائے گا؟ امام الحرمین اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" فإن قيل ما قولكم في قرشي ليس بذي دراية ولا بذي كفاية إذا عاصره عالم كاف تقيّ فمن اولى بالامر منهما ؟ قلنا لا نقدم الا الكافى التقى العالم ومن للكفاية فيه فلا احتفال به ولا اعتداد بمكانه اصلاً ."[۱۰۶]

''اگر کہا جائے کہ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر ایک ناعقل اور ذمہ داری نہ اٹھا سکنے والا قریشی اور ایک ذمہ داری اٹھانے کی صلاحیت رکھنے والا اور متقی عالم ہم عصر ہوں تو ان میں سے کس کو ترجیح حاصل ہوگی، میرا جواب یہ ہے کہ کفایت کرنے والے اور متقی عالم کو مقدم کیا جائے گا اور جس میں اس کی کفایت نہیں اسے مقدم کیا جائے گا اور نہ اس کی حیثیت کسی شمار میں ہوگی۔''

حوالہ جات: باب شرائطِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ نمبر
۱۔	مآثرا لانافة	۱/۵۸
۲۔	ازالة الخفاء	۱/۲۴۔۲۵
۳۔	ازالة الخفاء	۱/۴۰۹
۴۔	خطباتِ جمعیت علمائے هند	۱/۱۶۲
۵۔	غیاثی	۳۱۵
۶۔	دیکھیے"غیاث الامم فی التیاث الظلم رکن اول باب چهارم "اور" رکن ثانی باب اول	
۷۔	الجامع لاحکام القرآن	۳/۲۲۴
۸۔	احکام القرآن للجصاص	۱/۴۵۲
۹۔	جامع البیان للطبری	۲/۶۰۵
۱۰۔	ازالة الخفاء	۱/۴۱۵۔۴۱۶
۱۱۔	ازالة الخفاء	۴/۱۱
۱۲۔	غیاثی	۳۱۳
۱۳۔	مآثر الانافة	۱/۳۶
۱۴۔	الجامع لاحکام القرآن	۷/۱۰۸
۱۵۔	الجامع لاحکام القرآن	۵/۳۵۹
۱۶۔	شرح النووی للصحیح المسلم کتاب الامارة باب الاستخلاف	
۱۷۔		
۱۸۔	مآثر الانافة	۱/۳۱
۱۹۔	جامع البیان للطبری	۵/۵۷

٢٠۔ تفسیر ابن کثیر ٢٦١/٢

٢١۔ بحر العلوم ٣٥١/٢

٢٢۔ زاد المسیر ٢٢٨/٤

٢٣۔ صحیح بخاري کتاب المغازي باب کتاب النبي ﷺ الی کسریٰ وقیصر

٢٤۔ ایضاً باب بعث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم

٢٥۔ ازالۃ الخفاء ١٩/١

٢٦۔ ازالۃ الخفاء ١٩/١

٢٧۔ السنن لابی داود کتاب الاجارات باب فی الرجل یقول عند البیع لا خلابۃ

٢٨۔ الصحیح البخاری کتاب الاحکام باب بیعۃ الصغیر

٢٩۔ السنن لابی داود کتاب باب المجنون یسرق او یصیب احداً

٣٠۔ إزالۃ الخفاء ١٨/١

٣١۔ غیاثی ٧٧

٣٢۔ إزالۃ الخفاء ١٩/١۔٢٠

٣٣۔ بحر العلوم ٢٣٧/١

٣٤۔ الجامع لاحکام القرآن ٣٥٤/٣

٣٥۔ مآثرا لانافۃ ٣٥/١

٣٦۔ ازالۃ الخفاء ١٩/١

٣٧۔ فتح الباری ١٢٢/١٣

٣٨۔ احکام القرآن للجصاص ٦٩/١

٣٩۔ احکام القرآن للجصاص ٧٠/١

٤٠۔ ازالۃ الخفاء ٢٠/١

٤١۔ أیضاً -

٤٢۔ اکمال اکمال المعلم ٤٩٠/٦

٤٣۔ الجامع لاحكام القرآن ٢٥٧/١

٤٤۔ غياثى ٨٨

٤٥۔ ازالة الخفاء ٢٠/١

٤٦۔ تاريخ دعوت وعزيمت حصه ششم ٥٥٠

٤٧۔ مآثر الانافة ٣٧/١

٤٨۔ غياثى ٨٩

٤٩۔ الجامع لاحكام القرآن ٢٥٧/١

٥٠۔ شرح الفقه الاكبر ١٤٨

٥١۔ التفسير لابن كثير ٥٩٨/١

٥٢۔ صحيح المسلم كتاب الامارة

٥٣۔ شرح النووى للصحيح المسلم كتاب الامارة

٥٤۔ إزالة الخفاء ٢٠/١

٥٥۔ غياثى ٨٣

٥٦۔ إزالة الخفاء ٢٠/١

٥٧۔ غياثى ٨٤

٥٨۔ الجامع لاحكام القرآن ٢٥٧/١

٥٩۔ اكمال اكمال المعلم ٤٩٠/٦

٦٠۔ الجامع لاحكام القرآن ٢٥٧/١

٦١۔ الجامع لاحكام القرآن ٨٦/١٦

٦٢۔ روح المعانى ١٦١/٢٦۔١٦٣

٦٣۔ جامع الترمذى كتاب التفسيرباب تفسيرسورةالحجرات

٦٤۔ الجامع لاحكام القرآن ٣٠٩/٢

٦٥۔ أيضاً ۔

٦٦۔ الجامع لاحكام القرآن ٨٧/٢

٦٧۔ السنن لابى داود كتاب الادب باب فى العصبية

۶۸۔ السنن لابی داود کتاب الادب باب فی العصبیة

۶۹۔ السنن لابی داود کتاب الادب باب فی العصبیة

۷۰۔ صحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین

۷۱۔ شرح النووی للصحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین

۷۲۔ صحیح البخاری کتاب المغازی باب بعث النبی ﷺ

۷۳۔ مصنف لابن ابی شیبه ۶/۳۹۵

۷۴۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام مالم تکن معصیة

۷۵۔ مصنف ابن ابی شیبه باب ماجاء فی طاعة الامام والخلاف عنه

۷۶۔ الطبقات الکبری ابن سعد ۲/۲۹۱

۷۷۔ ایضاً ۲/۴۵۴

۷۸۔ صحیح المسلم کتاب الامارة

۷۹۔ مصنف ابن ابی شیبه کتاب الفضائل باب ما ذکر في فضل قریش

۸۰۔ السنن الکبری للبیهقی ۹/۱۷۰

۸۱۔ شرح النووی للصحیح المسلم کتاب الامارة باب

۸۲۔ اکمال اکمال المعلم ۶/۴۹۱۔۴۹۲

۸۳۔ التفهیمات الالهیه ۱/۲۶۹

۸۴۔ صحیح المسلم کتاب الامارة

۸۵۔ صحیح المسلم کتاب الامارة

۸۶۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام

۸۷۔ صحیح البخاري کتاب الاحکام باب الامرأ من قریش

۸۸۔ فتح الباري ۱۳/۱۱۶

۸۹۔ عمدة القاري ۱۴/۲۲۳

٩٠۔ فتح الباري ١١٦/١٣

٩١۔ فتح الباري ١١٦/١٣

٩٢۔ فتح الباري ١١٧/١٣

٩٣۔ كتاب السنة ٥٢٩/٢

٩٤۔ السنن الكبرىٰ للبيهقى ١٤٤/٨

٩٥۔ صحيح البخاري كتاب الاحكام باب الامرأ من قريش

٩٦۔ فتح الباري ١١٦/١٣

٩٧۔ عمدة القارى ٢٢٣/١٤

٩٨۔ السنن الكبرىٰ للبيهقى ١٤٥/٨

٩٩۔ أيضاً ۔

١٠٠۔ مصنف ابن ابي شيبة كتاب الفضائل باب ما جاء في فضل قريش

١٠١۔ مسند احمد حديث عتبه بن عبد السلمى

١٠٢۔ فتح الباري كتاب الاحكام باب الامرأ من قريش

١٠٣۔ فتح الباري كتاب الاحكام باب الامرأ من قريش

١٠٤۔ مصنف ابن ابي شية كتاب الفضائل باب ما ذكر فى فضل قريش

١٠٥۔ فتح الباري ٧/١٥

١٠٦۔ فتح الباري ٧/١٥

١٠٧۔ غياثى ٣١٣۔٣١٤

بابِ سادس

انعقادِ خلافت (خلیفہ کا تقرر)

خلیفہ کے تقرر کا طریقہ

شریعت میں جہاں خلافت کے قیام کو فرض قرار دیا گیا ہے اور اس کے اصول ومقاصد کو واضح کیا گیا ہے۔ وہاں اس کے انعقاد کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ اس باب میں تین ابحاث ہیں۔

بحثِ اوّل

پہلی بحث انعقادِ خلافت یعنی خلیفہ کو منتخب کرنے کے طریقے کے بارے میں ہے۔ اگر کوئی حکمران اور خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس میں منصبِ خلافت کی تمام شرائط بھی پائی جاتی ہیں تو وہ اس وقت تک منصبِ خلافت پر فائز نہ ہو سکے گا جب تک کہ اسے باقاعدہ خلیفہ نہ منتخب کر لیا جائے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فی طریق ثبوتها اتفقت الامة علی ان الرجل لا یصیر اماما بمجرد صلاحیته للامامة واجتماع الشرائط فیه بل لابد من امر آخر به تنعقد الامامة وهی طرق .(۱)

''(امامت) کے ثبوت کے طریق میں امت کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ کوئی آدمی محض امامت کی صلاحیت رکھنے اور اپنے اندر شرائط کے پائے جانے سے امام نہ بن جائے گا بلکہ اس کے لیے ایک دوسری چیز کا ہونا ضروری ہے جس کے ذریعے امامت کا انعقاد ہوتا ہے اور وہ چند طریقے ہیں۔''

انعقادِ خلافت کے چار طریقے ہیں:

۱۔ (بیعت اہل حل وعقد) اہل الحل والعقد کا بیعت کر لینا

۲۔ (تولیت، ولی عہدی) جامع شروطِ خلافت کو شخص کو ولی عہد بنانا۔

۳۔ (شوریٰ) یعنی خلیفہ جامع شروط الخلافۃ لوگوں کی شوریٰ بنا دے۔ ان میں سے جس شخص کو اہل الرائے منتخب کر لیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔

٤۔ (استیلاء) یعنی کوئی شخص استخلاف اور اہل حل وعقد کی بیعت کے بغیر مسندِ خلافت پر غالب ہو جائے۔

طریق اوّل (بیعت اہل الحل والعقد)

اہل حل وعقد (علماء، قضاۃ، امراء، ناموں لوگ) جب کسی جامع شروط الخلافۃ شخص کی بیعت کرلیں تو وہ خلیفہ بن جاتا ہے۔ ملاعلی القاریؒ لکھتے ہیں:

" ثم الامامة تثبت عند اهل السنة والجماعة اما باختيار اهل الحل والعقد من العلماء واصحاب العدل والرأى ." (٢)

" اہل سنت والجماعت کے نزدیک امامت کا ثبوت یا تو اہل الحل والعقد علماء اور صاحبِ عدل وصاحب رائے لوگوں کے انتخاب سے ہوگا۔"

علامہ قلقشندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" الطريق الاول البيعة وهى أن يجتمع اهل الحل والعقد الآتى ذكرهم ويعقدون الامامة لمن يتجمع شرائطها ." (٣)

" پہلا طریقہ بیعت کا ہے اور وہ یہ کہ اہل حل وعقد (جن کا ذکر آگے آئے گا) جمع ہو کر جامع شرائطِ خلافت آدمی کو امام بنائیں۔"

یہ طریقہ دو مواقع پر جاری ہوتا ہے۔

۱۔ خلیفہ ولی عہد اور شوریٰ بنائے بغیر فوت ہو جائے۔

۲۔ خلیفہ خود ان امور کی وجہ سے خلافت سے معزول ہو جائے، جو اس کے بذات خود خلافت سے معزول ہونے کا تقاضا کرتے ہیں یا اہل حل وعقد خلیفہ کو ان امور کی وجہ سے معزول کر دیں جن کے ذریعہ وہ خلیفہ کو معزول کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اس کی دو حالتیں ہیں:

(ا) جامع الشروط افراد متعدد ہوں تو اہل حل وعقد ان میں سے ایک شخص کو منتخب کر لیں گے۔ امام ماوردیؒ لکھتے ہیں:

" فإذا اجتمع اهل العقد والحل للاختيار تصفحوا احوال اهل الامامة الموجودة فيهم شروطها فقدموا للبيعة منهم اكثرهم فضلا واكملهم شروطاً ومن يسرع الناس الى طاعته ولا يتوقفون عن بيعته فإذا تعين من بين الجماعة من اداهم الاجتهاد الى اختياره عرضوها عليه فإن اجاب إليها بايعوه عليها و انعقدت ببيعتهم له الامامة فلزم

كافة الامة الدخول فی بیعته و الانقیاد لطاعته .'' (۴)

''جب اہل حل وعقد (خلیفہ کے) تقرر کے لیے جمع ہوں تو جن لوگوں میں شرائط پائی جاتی ہوں، ان کے بارے میں چھان بین کریں۔ جو آدمی ان میں سے زیادہ فضیلت والا، کامل شرائط کا حامل ہو اور لوگ جس کی بیعت کرنے میں جلدی دکھائیں اور توقف نہ کریں اسے بیعت کے لیے آگے کریں۔ جب ایک جماعت میں سے کسی ایک کے تقرر کے بارے میں تعین ہو جائے تو اس آدمی کے سامنے یہ بات رکھیں۔ اگر وہ اسے قبول کر لے تو اس کی بیعت کریں اور ان کی بیعت سے ہی اس کی امامت منعقد ہو جائے گی۔ پس پوری امت کے لیے اس کی بیعت میں داخل ہونا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے۔''

(ب) جامع الشروط ایک فرد ہو، جب یہ صورت ہو تو کیا اس کی خلافت بیعت کے بغیر محض اس کے اکیلے جامع الشروط ہونے سے منعقد ہو جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے۔

پہلا قول یہ ہے کہ اس کی خلافت منعقد ہو جائے گی۔ اگرچہ اہل حل وعقد اس کو منتخب نہ بھی کریں کیونکہ انتخاب کا مقصد بھی مستحق خلافت معلوم کرنا تھا۔ جب وہ جامع الشروط ہونے میں منفرد ہو تو اس کا استحقاق معلوم ہو گیا لہٰذا وہ انتخاب کے بغیر خلیفہ بن جائے گا۔ یہ بعض علمائے عراق کا مسلک ہے۔ (۵)

دوسرا قول جمہور علماء کا ہے کہ اہل حل وعقد کے انتخاب کے بغیر خلیفہ نہ ہوگا۔ کیونکہ امر خلافت عقد (معاہدہ) ہے اور عقد عاقد (معاہدہ کرنے والے) کے بغیر صحیح نہیں ہوتا ہے۔ جیسے ایک شخص عہدہ قضاء کے لیے جامع الشروط ہونے میں منفرد ہے تو تب تک قاضی (جج) نہ بنے گا جب تک حاکم اسے عہدۂ قضاء تفویض کر کے قاضی نہ بنائے۔ امام رافعیؒ اور نوویؒ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ (۶)

امام شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

''بالجملہ اگر شخص متفرد باشد در زمان خود بشروط خلافت یا جمع ہستند متصف بشروط خلافت و ایں شخص افضل ہمہ است منعقد نشود خلافت او بغیر یکے از طرق مذکورہ زیرا کہ بصفت کہ وے دارد بدون تسلط یا بیعت خلاف منقطع نشود و فتنہ ساکن نگردد لہٰذا جماعۂ صحابہؓ بعد انتقال آنحضرت ﷺ برفیق اعلیٰ مبادرت کردند بہ بیعت حضرت صدیق اکتفا نمودند بر افضیلت او'' (۷)

''حاصل یہ کہ اگر کوئی ایک ہی شخص اپنے زمانے میں جامع شروط خلافت ہو یا شروط

خلافت سے موصوف تو کئی افراد ہوں مگر یہ شخص سب سے افضل ہو (پھر بھی) اس کی خلافت (چار) مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے بغیر منعقد نہ ہوگی کیونکہ (جامع الشروط میں منفرد ہونے یا جامعین شرائط میں سب سے افضل ہونے کی) جو صفت اس میں ہے، صرف اس صفت سے بغیر (تسلط حاصل کیے ہوئے) یا (بغیر اہل حل وعقد کی) بیعت کے لوگوں کا اختلاف دور نہیں ہوسکتا نہ فتنہ فرو ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے کے بعد صحابہؓ کی ایک جماعت نے ابوبکر الصدیقؓ سے بیعت کرنے میں جلدی کی اور (صرف) ان کی افضلیت پر اکتفا نہ کیا۔''

اسے یوں سمجھ لیجئے کہ مسجد میں امامت کے اہل کئی افراد موجود ہوں مگر جب تک حاضرینِ مسجد ان میں سے کسی خاص شخص کو اپنے آگے نہ کھڑا کردیں یا وہ خود سے آگے کھڑا نہ ہو اس وقت تک امامِ نماز نہ کہا جائے گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا انعقاد اسی مذکورہ طریقہ یعنی اہل حل وعقد کے بیعت کرنے پر ہوا تھا۔ یہ طریق اتفاقی اور اوّل درجے کا ہے۔

طریق دوم: ولی عہدی

اس کی صورت یہ ہے کہ خلیفۂ عادل مسلمانوں کی خیر خواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے جامع شروط خلافت لوگوں میں سے کسی شخص کو منتخب کرلے اور لوگوں کے سامنے اس کی ولی عہد کا اعلان کرے کہ میری وفات کے بعد یہ شخص تمہارا خلیفہ ہوگا اور تم اس کی اتباع کرنا۔ اب ولیعہد تمام جامع شروط الخلافۃ لوگوں میں سے خلافت کے لیے مخصوص ہوجائے گا اور خلیفہ کی وفات کے بعد اسی کو خلیفہ بنانا امت پر لازم ہے۔ احمد بن حجر الہیثمی المکیؒ لکھتے ہیں:

" **الامامة تثبت اما بنص من الامام على استخلاف واحد من اهلها .**"[8]

''امامت یا تو امام کی جانب سے اس کی اہلیت رکھنے والے کسی شخص کو جانشین بنانے سے ثابت ہوتی ہے۔''

امام ماوردیؒ لکھتے ہیں:

" **واما انعقاد الامامة بعهد من قبله فهو مما انعقد الاجماع على جوازه واقع الاتفاق على صحته الامرين عمل المسلمون بهما ولم يتناكروهما احدهما ان ابابكر رضي الله تعالىٰ عنه عهد الى بها الى**

عمر رضی اللہ عنہ فاثبت المسلمون امامته بعده والثاني ان عمر رضی اللہ عنه عهد بها الی اهل الشوریٰ فقبلت الجماعة دخولهم فیها وهم اعیان العصر اعتقاداً لصحة العده بها .'' (۹)

''ماقبل خلیفہ کی جانب سے ولی عہد بنانے کی صورت میں امامت کے انعقاد کے جائز ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور دو چیزوں جس پر مسلمانوں نے عمل کیا اور اس پر نکیر نہیں کی، کی وجہ سے اس کے صحیح ہونے پر اتفاق ہو چکا ہے۔ ایک یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو ولی عہد بنایا اور مسلمانوں نے ان کی امامت کو ولی عہدی کے ساتھ باقی رکھا۔ دوسری یہ کہ حضرت عمرؓ نے شوریٰ کو ولی عہد بنایا تو ایک جماعت نے اسے درست سمجھتے ہوئے اس میں شمولیت کو قبول کیا حالانکہ وہ اس وقت کی بڑی شخصیات تھیں۔''

خلیفہ اپنی زندگی تک خود منصبِ خلافت پر فائز رہے گا اور اس کی وفات کے بعد ولی عہد کی بیعتِ اطاعت کی جائے گی جس سے وہ خلیفہ بن جائے گا۔ جب خلیفہ کسی جامع الشروط شخص کو اہل حل وعقد سے مشاورت کے بعد ولی عہد مقرر کر دے تو اہل حل وعقد کی توثیق اور رضا مندی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور ولی عہد خلیفہ کی وفات کے بعد بغیر بیعتِ انعقاد کے خلیفہ بن جائے گا البتہ بیعت طاعت کی جائے گی۔

ولی عہد بنانے کے لیے دو شرطیں

(۱) ولی عہد کا جامع شروطِ خلافت ہونا

ولی عہد، ولی عہد بنائے جانے کے وقت جامع شروط الخلافۃ ہوں۔ یعنی جس وقت اس کو ولی عہد بنایا جا رہا ہو اس وقت ولی عہد میں منصبِ خلافت کی تمام شرائط پائی جائیں۔ امام ماوردیؒ لکھتے ہیں:

'' فإذا اراد الامام ان یعهد بها فعلیه ان یجهد رأیه فی الاحق بهاو الاقوم بشروطها .'' (۱۰)

''جب امام ولی عہد بنانے کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ امامت کے زیادہ مستحق اور کامل شرائط رکھنے والے آدمی کے بارے میں رائے قائم کرنے کی کوشش کرے۔''

اگر ولی عہد، ولی عہد بنائے جانے کے وقت نابالغ بچہ یا فاسق ہے تو وہ ولی عہد نہ بنے گا، لیکن اگر خلیفہ کی وفات کے وقت بالغ وعادل ہو گیا ہے تو اہل حل وعقد کی تجدیدِ بیعت ضروری ہے۔

(۲) ایجاب:

ولی عہد، ولی عہدی کو قبول کرے اگر وہ قبول نہیں کرتا تو کسی دوسرے کی بیعت کی جائے گی۔

طریق سوم: شوریٰ

تیسرے طریقے شوریٰ کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ جامع الشروط لوگوں میں سے چند آدمیوں کو منتخب کرے اور اہل حل وعقد کو اختیار دیدے کہ ان میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں خلیفہ کی وفات کے بعد اہل حل وعقد مشاورت کے بعد مقررہ لوگوں میں سے جس کو منتخب کریں گے وہ خلیفہ بن جائے گا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ پر ہوا تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں:

" واجمعوا علی جواز جعل الخلیفة الامر شوریٰ بین جماعة کما فعل عمر بالستة ." [11]

"(فقہاء) اس بات پر اجماع کر چکے ہیں کہ خلیفہ کا اپنے بعد (انتخاب خلیفہ کے لیے) شوریٰ بنانا جائز ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے چھ افراد کے بارے میں کیا۔"

طریقِ سوم کی دو صورتیں:

(ا) خلیفہ چند افراد پر مشتمل شوریٰ بنا دے اور ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح و فضیلت نہ دے۔ اس صورت میں خلیفہ کی وفات کے بعد اہل حل وعقد کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کریں یا شوریٰ میں سے ایک کے علاوہ باقی سب افراد خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو باقی رہنے والا منصب خلافت کے لیے متعین ہو جائے گا۔ البتہ اہل حل وعقد، شوریٰ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو خلیفہ منتخب نہیں کر سکتے۔

(ب) خلیفہ چند افراد پر مشتمل شوریٰ بنائے اور ان میں ترتیب مقرر کر دے۔ مثلاً یوں کہے کہ میرے بعد فلاں خلیفہ ہوگا، اس کے بعد فلاں" تو خلیفہ کی وفات کے بعد وہ بالترتیب خلیفہ بنیں گے یعنی خلافت اسی ترتیب سے منتقل ہوگی جو خلیفہ نے مقرر کر دی ہے۔ اس کی دلیل بخاری کی حدیث ہے، جو ابن عمرؓ سے مروی ہے:

" اَمَّرَ رَسول اللہ ﷺ فِی غَزوَةِ موتة زید بن حارثة فقال رسول اللہ ﷺ ان قتل زیدٌ فجعفرٌ وان قتل جعفر فعبد اللہ بن رواحة قال عبداللہ کنت فیھم فی تلک الغزوة فالتمسنا جعفر بن ابی طالب فوجدناہ فی القتلیٰ ووجدنا مافی جسدہ بضعاً وتسعین من طعنةٍ

ورمیة ."[12]

"رسول ﷺ نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ کو امیر بنایا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: اگر زید قتل ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لینا۔ اگر جعفر قتل ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ کو امیر بنا لینا۔ عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اس غزوہ میں موجود تھا۔ ہم نے جعفر بن ابی طالب کو تلاش کیا تو وہ ہمیں مقتولین میں ملے۔ ہم نے ان کے جسم میں نوے سے کچھ اوپر نیزے کے زخم پائے۔"

امام ماورویؒ اس سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" **وَاِذَا فَعَلَ النبی ﷺ ذلک فی الامارة جاز مثله فی الخلافة.**"[13]

"جب رسول ﷺ نے یہ (ترتیب کے ساتھ امیر بنانا) فوج کی امارت میں کیا ہے تو اسی طرح خلافت میں بھی جائز ہے۔"

تاریخی طور پر

تاریخ اسلام سے بھی یہ ثابت ہے کہ خلافت امویہ میں سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز اور یزید عبدالملک کو بالترتیب خلافت کے لیے نامزد کیا۔ اسی طرح خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید نے اپنے بعد اپنے تین بیٹوں الامین' المامون اور المؤتمن کو بالترتیب خلافت کے لیے منتخب کیا۔[14]

طریق چہارم: تسلط وغلبہ

خلیفہ نے نہ کسی کو ولی عہد بنایا نہ شوریٰ بنائی تو خلیفہ کی وفات کے بعد کوئی شخص اہل حل وعقد کی بیعت کے بغیر مسند خلافت پر زبردستی غالب ہو جائے اور لوگوں کو نرمی اور محبت سے یا زبردستی اپنے ساتھ ملا کر خلیفہ بن جائے۔ اس طریقے (یعنی غلبہ وجبر) سے انعقادِ خلافت میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی کچھ صورتیں ہیں:

پہلی صورت:

غلبہ سے مسند خلافت پر غالب شخص میں شروط خلافت کامل طور پر پائی جائیں۔

دوسری صورت:

مسند خلافت پر غالب شخص میں اگرچہ منصبِ خلافت کی شرائط نہیں پائی جاتی ہیں، لیکن وہ امور

ریاست سرانجام دینے کا اہل ہے۔امام قرطبی لکھتے ہیں:

" فان تغلب من له اهلية الامامة واخذ ها بالقهر و الغلبة فقد قيل ان ذٰلك يكون طريقاً رابعاً ."(15)

''اگر امامت کا اہل شخص غالب ہو جائے اور امامت جبر و غلبہ سے لے لے تو یہ چوتھا طریقہ ہے۔''

اسی سے متعلق امام قرطبی لکھتے ہیں:

" وقال ابن خويز بن منداد ولو وثب على الامر من يصلح له، من غير مشورةٍ ولا اختيار وبايع له الناس تمت له البيعة والله علم." (16)

''خویز بن منداد کہتے ہیں کہ امر (خلافت) کی صلاحیت رکھنے والا اگر کوئی شخص مشورہ اور انتخابِ اہل حل وعقد کے بغیر امر خلافت پر قابض ہو جائے اور لوگ اس کی بیعت کر لیں تو اس کی بیعت کامل ہو جائے گی (یعنی خلیفہ بن جائے گا) واللہ علم۔''

تیسری صورت:

تیسری صورت یہ ہے کہ منصب خلافت کی اہلیت نہیں رکھتا، نہ اس کو طاقت وسختی حاصل ہو اور نہ اسے کفایت و استغناء یعنی خود امور سلطنت چلانا اور دوسروں کا محتاج نہ ہونے کی خوبی حاصل ہے۔

پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں غالب شخص خلیفہ بن جائے گا۔ کیونکہ اہل حل وعقد کو انتخاب کا اختیار اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ جامع الشروط آدمی کو خلیفہ بنائیں تاکہ وہ امور سلطنت کو کامل طور پر انجام دے سکے۔اب جب جامع الشروط آدمی خلیفہ بن گیا تو مقصد حاصل ہو گیا ہے۔ دوسری قسم میں بھی غالب، خلیفہ بن جائے گا۔قاضی ابویعلی امام احمد سے روایت کرتے ہیں:

" وروى عنه ما دل على انها تثبت بالقهر والغلبة ولا تفتقر الى العقد فقال فى رواية عبدوس بن مالك العطار ومن غلب عليهم بالسيف حتى صار خليفة وسمى امير المئومنين فلا يحل لاحد ان يومن بالله واليوم الآخر ان يبيت ولا يراه اماما براً كان او فاجراً." (17)

''ان سے ایسی روایت مروی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ خلافت زبردستی اور غلبے سے ثابت ہو جائے گی اور عقد کی ضرورت نہ ہوگی۔عبدوس بن مالک العطا کی روایت میں فرماتے ہیں کہ جو شخص تلوار کے ذریعے غالب آ جائے، منصبِ خلافت سنبھال لے اور امیر

المؤمنین کہلوائے تو مؤمن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ امام چاہے نیک وہ یا گنہگار، کے بغیر رات گزارے۔‘‘

بذریعہ طاقت منصبِ خلافت پر غالب ہونے کی صورت میں دو رائیں سامنے آتی ہیں، پہلی یہ کہ اسے خلیفہ تسلیم کر لیا جائے، دوسری یہ کہ اس کی خلافت کو تسلیم نہ کیا جائے۔ خلافت تسلیم کرنے سے امت کی جمعیت، جان و مال کا امن، ممالک اسلامیہ کا تحفظ، شرعی احکام کا اجراء، جماعت کا قیام و بقاء اور اس طرح کے بے شمار مصالح وفوائد حاصل ہو جاتے ہیں کیونکہ بغیر کسی نزاع اور لڑائی کے اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور مزید جنگ وجدال اور کشت وخون کا سدباب ہو جاتا ہے البتہ اس کے ساتھ ساتھ غیر جامع الشروط کی خلافت سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

اگر دوسری صورت اختیار کر کے اس کو خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے اور خروج کی اجازت دی جائے اور اطاعت کا مستحق صرف جامع الشروط خلیفہ ہی کو قرار دیا جائے تو ہمیشہ کا کشت وخون، جنگ وقتال، بدامنی اور خانہ جنگی جیسی بیشمار بربادیوں کا ہمیشہ کے لیے دروازہ کھل جاتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی امید ہے کہ شاید ان بربادیوں کے بعد اصلی نظام خلافت قائم ہو جائے اور جامع الشروط شخص کو خلافت دلائی جاسکے۔ پہلی صورت میں مصالح وفوائد کا بقاء اور حصول، مگر خرابیوں کا امکان تھا۔ دوسری صورت میں خرابیوں کا وقوع مگر مصالح کا امکان واحتمال تھا۔ اسلام نے پہلی صورت اختیار کر کے مصالح کے وقوع کو، مصالح کے امکان پر ترجیح دی کیونکہ دوسری صورت میں مصلحت موہوم احتمالی ہے جبکہ قباحت یقینی ہے تو ایک موہوم اور احتمالی مصلحت کے لیے ایسے فتنے کا ارتکاب کیوں کیا جائے جس کی قباحت یقینی ہے۔ شریعت کا اصول جلب منافع (منافع حاصل کرنا) اور دفع مفاسد (مفاسد دور کرنا) ہے۔ جہاں دونوں جمع ہو جائیں تو وہی صورت اختیار کی جاتی ہے جس میں مصالح زیادہ اور خرابیاں کم ہوں۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت اختیار کرنا ہی اس اصول کے مطابق ہے جس میں مصالح زیادہ ویقینی اور خرابیاں کم ہیں، اسی لیے اسلام نے پہلی صورت اختیار کی ہے۔

تنبیہ:

یاد رہے کہ مذکورہ صورت اس وقت ہے جب ملک میں نظامِ خلافت موجود اور قوانین شریعت کا عملاً نفاذ ہو اور بزورِ طاقت مسندِ اقتدار سنبھالنے والا آدمی نظامِ خلافت ہی کو برقرار رکھے اور اسلامی نظام حکومت کے اصولوں کے مطابق امورِ ریاست کو سرانجام دے۔ لیکن اگر ریاست میں نظامِ شریعت رائج نہیں یا تسلط حاصل کرنے والا حکمران تسلط حاصل کرنے کے بعد اسے معطل اور منسوخ قرار دیتا

ہے تو ایسے شخص کا اقتدار ناجائز اور اسے مسندِ اقتدار سے ہٹانا مسلمان عوام کا فریضہ ہے۔عصرِ حاضر میں مسلم ممالک میں یہی صورت ہے کہ ان میں سے کسی ملک میں بھی نظامِ خلافت کا وجود اور مکمل قوانین شریعت کا نفاذ نہیں ہے اور ان حکومتوں کے سربراہ ناجائز طریقوں سے مسلم عوام پر مسلط ہیں، قوانین شریعت کا نہ صرف یہ کہ کوئی وجود نہیں بلکہ وہ سیکولرازم اور لادینیت پر مبنی مغربی قوانین کا جبراً نفاذ کر کے مسلمان عوام کو لادینیت کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ان کی اطاعت کرنا اور ان کے اقتدار کو تسلیم کرنا نہ صرف یہ کہ ناجائز ہے بلکہ ان دین دشمن اور اغیار کے ایجنٹوں کو ایوانِ اقتدار سے نکال باہر کرنا اور نظامِ خلافت کا قیام پوری امتِ مسلمہ کا انتہائی اہم فریضہ ہے۔

بحثِ ثانی: صحتِ بیعت

دوسری بحث خلیفہ سے کی جانے والی بیعت کی صحت کے متعلق ہے۔ چونکہ انعقادِ خلافت کا انحصار بیعت کے صحیح ہونے پر ہے اس لیے اس سے بحث کرنا ضروری ہے۔ بیعت کے صحیح ہونے کے لیے پانچ شرائط ہیں:

پہلی شرط:

جس آدمی کی بیعت کی جا رہی ہے، اس میں خلیفہ بننے کی تمام شرائط پائی جائیں۔اگر ایک بھی نہ ہوگی تو بیعت کا وقوع نہ ہوگا۔امام بیہقیؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:

" من استعمل عاملاً من المسلمين وهو يعلم ان فيهم اولىٰ بذالک منه واعلم بكتاب الله و سنة نبيه فقد خان الله ورسوله وجميع المسلمين ." (۱۸)

"جس نے مسلمانوں میں سے کسی شخص کو عامل بنایا اور اسے معلوم ہے کہ ان میں اس سے افضل اور کتاب وسنت کا زیادہ علم رکھنے والا موجود ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔"

اگر جامع الشروط دو آدمی ہیں تو اہل حل وعقد کے لیے مستحب یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ عمر والے کو منتخب کریں۔اگر دوسرے کو منتخب کر لیا تو بھی جائز ہے۔اگر جامع الشروط دو ہیں۔ایک اعلم (زیادہ علم رکھنے والا) اور دوسرا اشجاع (زیادہ بہادر) ہو تو انتخاب میں حالات کے تقاضہ کو مدنظر رکھا جائے گا اگر حالات کا تقاضا ہے کہ خلیفہ بہادر ہونا چاہیے مثلاً دشمن کے حملے کا خطرہ، دار اسلام میں باغیوں کا ظہور،

امن وامان کا فقدان وغیرہ تو شجاع آدمی کو خلیفہ بنایا جائے گا اور اگر ملک میں امن ہے ہے فتنے نہیں ہیں، لیکن بدعات کا زور ہے تو اعلم آدمی کو خلیفہ منتخب کیا جائے گا۔

دوسری شرط:

جس کی بیعت کی جائے پہلے اس سے ایجاب کرایا جائے یعنی اس پر واضح کیا جائے کہ اہل حل وعقد مشورہ سے آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے آپ کی بیعت کی جارہی ہے۔ اگر وہ اسے قبول کرے تو بیعت صحیح ہوگی اور خلیفہ بن جائے گا۔ اگر قبولیت سے انکار کرتا ہے تو اس پر جبر نہ کیا جائے گا بلکہ کسی دوسرے آدمی کی بیعت کی جائے گی۔ امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ اگر امامت کا اہل صرف ایک آدمی ہو تو اس پر جبر کیا جا سکتا ہے اس صورت میں علماء کا اختلاف نہیں ہے۔" (۱۹)

تیسری شرط:

صرف ایک شخص کی بیعت کی جائے ایک سے زیادہ افراد کے لیے بیعت نہ کی جائے۔ اس لیے کہ خلیفہ ایک ہوتا ہے لہٰذا بیعت بھی صرف ایک کے لیے ہوگی۔ چنانچہ ملا علی القاری ؒ لکھتے ہیں:

" ولا یجوز نصب امامین فی عصر واحد لانه یؤدی الی منازعات ومخاصمات مفضیة الی اختلاف امر الدین والدنیا کما یشاهد فی زماننا هذا ." (۲۰)

"ایک ہی زمانے میں دو اماموں کا تقرر جائز نہیں کیونکہ اس سے تنازعات اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں جو دینی و دنیاوی امور کے اختلاف پر منتج ہوتے ہیں جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں دیکھا جا رہا ہے۔"

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إذا بو یع لخلیفتین فاقتلو الآخر منهُما ." (۲۱)

"جب خلافت کے لیے دو آدمیوں کی بیعت کی جائے تو جس کی بیعت آخر میں (بعد میں) کی گئی ہے اسے قتل کر دو۔"

مذکورہ مسئلے کی تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر دونوں کی بیعت بیک وقت کی گئی ہے تو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ دونوں کی بیعت باطل ہو جائے گی اور دونوں خلیفہ نہ بنیں گے بلکہ نئے سرے سے تیسرے آدمی کی بیعت کی جائے گی۔ اگر ایک کی بیعت پہلے اور دوسرے کی بعد میں کی گئی تو پہلی صحیح اور دوسری باطل ہوگی اور پہلا خلیفہ بن جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

" قال رسول اللّٰہ ﷺ اِنَّ بنی اسرائیل کَانَتْ تَسُوسُھُمُ الانْبیأ كُلَّما مَاتَ نبیٍ قَامَ نبی وَاِنّہُ لَيْسَ نبی بعدی قال رجل فَمَا یکونُ بعدکِ یارَسُول اللّٰہ؟ قَالَ تَکُونُ خُلفأ تکثر قَالَ فَمَا تَأمُرنا قَالَ اَوْفُوا بَیعَةَ الاوّلِ فالاوّلِ فَاَ دّوالِیُھِم الّذِی لَھُمْ فِاِنَّ سَائلُھُمْ الَّذی لُکُم ." (۲۲)

"رسول ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے جب ایک نبی انتقال کرتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ کے بعد کون ہوگا؟ فرمایا میرے بعد کثیر تعداد میں خلفائے ہوں گے،عرض کیا آپ ان کے بارے میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا جو پہلے خلیفہ ہو جائے اس کی بیعت کو پورا کرنا پھر اس کے بعد جو پہلے خلیفہ ہو۔جوان کا حق (اطاعت) ہے انہیں ادا کرنا اس لیے کہ اللہ ان سے تمہارے حق کے بارے میں خود پوچھے گا۔"

چوتھی شرط:

عقد بیعت کا اختیار اہل حل وعقد (شوریٰ) کو ہو۔(۲۳) کتنے لوگ بیعت کریں تو بیعت منعقد ہوگی؟اس میں اختلاف ہے۔صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ جس شہر میں خلیفہ کا تقرر کیا جارہا ہے بیعت کے وقت جس قدر اہل حل وعقد بآسانی موجود ہوں ان کا بیعت کر لینا کافی ہے۔جیسا کہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"طریق اول بیعت اہل حل وعقد است علماء قضات وامراء وجوہ ناس کہ حضور ایشان میسر شود واتفاق اہل حل وعقد جمیع بلاد اسلام شرط نیست زیرا کہ آن ممتنع است۔"(۲۴)

"پہلا طریقہ اہل حل وعقد یعنی عالموں،قاضیوں،سرداروں اور نامور لوگوں کا بیعت کر لینا ہے جو بآسانی موجود ہو سکیں تمام بلادِ اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا متفق ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ یہ محال ہے۔"

ملاعلی القاریؒ لکھتے ہیں:

" ولیس من شرط ثبوت الخلافة اجماع الأمة علی ذلک بل متی عقد بعض صالحی الامة لمن ھو صالح لذلک فانقعدت ولیس لغیرہ بعد ذلک أن یخالف ." (۲۵)

"خلافت کے ثبوت کے لیے امت کے اجماع کی شرط نہیں ہے بلکہ اگر امت کے کچھ

صالح افراد اس منصب کے لیے اہل شخص کا تقرر کر دیں تو اس کی امامت منعقد ہو جائے گی اور اس کے بعد کسی دوسرے کے لیے اس کی مخالفت جائز نہ ہوگی۔''

لیکن ایک دو آدمیوں کے بیعت کرنے سے بھی خلافت کا انعقاد نہ ہوگا جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

''وبیعت یک دوکس فائدہ ندارد زیرا کہ حضرت عمرؓ در خطبہ آخر خود فرمودہ اند **فَمَن بَايَعَ رَجلاً عَلٰى غير مشورة من المسلمين فلا يبايع هو والّذى بايعه ، تغرة ان يقتلا .''** (۲۶)

''یعنی ایک دو کا بیعت کر لینا بھی کافی نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی سے بیعت کر لی تو اس کی بیعت نہ کی جائے اس خوف سے کہ یہ دونوں (بحکم شریعت) قتل کر دیے جائیں گے۔''

امام احمدؒ روایت کرتے ہیں:

'' فمن بايع اميراً عن غير مشورة المسلمين فلابيعة له ولا بيعة للذى بايعه، تغرة ان يقلا .'' (۲۷)

''جس نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی سے بیعت کی تو اس کی بیعت نہ کی جائے۔ اس خوف سے کہ یہ دونوں (بحکم شریعت) قتل کر دیے جائیں گے۔''

پانچویں شرط:

بیعت پر گواہ بنانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اگر ایک آدمی بیعت کرے تو گواہ بنانا ضروری ہے اور اگر ایک جماعت (اہل حل وعقد میں سے) بیعت کرے تو گواہ بنانا لازم نہیں ہے۔ قاضی ابوبکر الباقلانیؒ فرماتے ہیں:

'' لو استخلىٰ عمر ببيعة لابى بكر رضى الله عنه لما اسقرت الامامة اذلو كانت تستقر وتثبت علىٰ هٰذا الوجه لما حضرا رضى الله عنها السقيفة ولبادر عمر عقد البيعة لابى بكر قبل حضور الاشهاد .'' (۲۸)

''یعنی اگر حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کی علیحدگی میں بیعت کرتے تو (ابوبکر کی) امامت مستقر (قرار نہ پکڑتی) ہوتی۔ اس لیے کہ اگر (ان کی امامت) اسی طریقے (خلوت میں

بیعت) سے مستقر وثابت ہوتی تو دونوں حضرات سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف نہ لاتے اور حضرت عمرؓ گواہوں کی موجودگی سے پہلے ہی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لیتے۔''

حضرت عمرؓ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں ابوبکر کی بیعت کی۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایک آدمی کے خفیہ بیعت کر لینے سے خلافت منعقد نہیں ہوتی بلکہ گواہ بنانا ضروری ہے۔ گواہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر گواہ نہ بنائے جائیں تو مختلف لوگ اس بات کا دعوٰی کر سکتے ہیں کہ ان کی خفیہ طور پر بیعت کر لی گئی ہے۔ اس طرح فتنہ وفساد پیدا ہوگا۔[۲۹]

بحثِ ثالث: اہل الحل والعقد

تیسری بحث اہل الحل والعقد سے متعلق ہے۔ خلافت کے انعقاد کا انحصار اہل حل وعقد کے بیعت کرنے پر ہے۔ اس لیے اہل حل وعقد کو سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے؟

اہل حل وعقد سے خارج

جو افراد اہل حل وعقد میں شامل نہیں ہیں وہ چار ہیں:

۱۔ عورت ۲۔ غلام

۳۔ عوام (غیر علماء وغیر اصحاب الرائی) ٤۔ ذمی

عورت

خلیفہ کے تقرر اور انتخاب میں عورتوں کا کوئی دخل نہیں ہے اس لیے کہ ان سے کبھی بھی رائے نہیں لی گئی کیونکہ اگر عورتوں سے اس بارے میں مشاورت کی جاتی تو سیدہ فاطمہؓ بنت الرسول ﷺ اور ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین اس بات کی زیادہ مستحق تھیں کہ ان سے تقرر خلیفہ کے بارے میں مشورہ لیا جاتا، لیکن واقعہ اس کے برعکس ہے لہٰذا عورت انتخاب خلیفہ کے بارے میں مشاورت میں شرکت نہیں کرے گی، اس لیے کہ عورتوں کا اپنے گھروں میں رہنا لازمی ہے اور وہ مردوں کے اجتماع میں حاضر نہیں ہو سکتیں اس لیے ان کو لوگوں کے حالات کی مکمل معلومات نہیں ہوتیں، لہٰذا وہ منصب خلافت کے لیے اہل شخص کا انتخاب نہیں کر سکیں گی۔ عورتوں کے معاملات مردوں کو سپرد (تفویض) کیے گئے ہیں کیونکہ وہ عورتوں پر نگران وحاکم مقرر کیے گئے ہیں اور مرد عورتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾ (النساء : ۳۴)

ترجمہ: ’’مرد عورتوں پر کارفرما اور حکمران ہیں۔‘‘

غلام

انتخاب خلیفہ کی مشاورت میں غلام شامل نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اپنے آقا کے ماتحت ہیں اور وہ ان کی آراء کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔ غلام چونکہ اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہوتے ہیں اس لیے بحث و مباحثہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔

عوام

عوام جس سے مراد غیر علماء، غیر اصحاب رائے اور غیر دانشور ہیں، خلیفہ کے تقرر میں شمولیت نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ منصب خلافت کے لیے مطلوبہ شرائط وصفات کا علم نہیں رکھتے۔ اگر انہیں تقرر کا اختیار دیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ کسی نااہل کو منتخب کریں اور اس طرح امت مسلمہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کے مرتکب ہوں۔

ذِمی

اہل الذمہ تقرر خلیفہ کی مشاورت سے خارج ہیں، اس لیے کہ امر خلافت کا تعلق مسلمانوں سے ہے اور اہل اسلام کے امور میں ان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ منصب خلافت کے لیے مطلوبہ اوصاف کا انہیں کامل طور پر علم نہیں ہے لہٰذا وہ انتخاب خلیفہ میں شامل نہیں ہو سکتے ہیں۔

اہل حل وعقد میں داخل

امام ماوردیؒ کے نزدیک اہل حل وعقد وہ لوگ ہیں جن میں تین صفات پائی جائیں۔ اہل السنۃ کے آئمہ کی ایک جماعت کے نزدیک اہل حل وعقد میں وہ لوگ شامل ہیں جو مجتہد ہوں اور افتاء کی شرائط ان میں پائی جائیں۔[۳۰] اس لیے کہ خلیفہ کا مجتہد ہونا شرط ہے تو اسے منتخب کرنے والا بھی مجتہد ہونا چاہیے کیونکہ مجتہد ہی مجتہد کا احاطہ کر سکتا ہے۔ اگر منتخب کرنے والا مجتہد نہ ہو تو منصب خلافت کے لیے مطلوبہ اہلیت پر مطلع نہ ہو سکے گا۔[۳۱] البتہ قاضی ابوبکر محمد بن طیب بن الباقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) کے نزدیک اہل حل وعقد کے لیے مجتہد ہونا شرط نہیں ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

’’ انا لا نشترط بلوغ العاقد مبلغ المجتهدين بل يكفي ان يكون ذا عقل و كيس وفضلٍ و تحد الىٰ عظائم الامور و بصيرة متقده بمن يصلح للامامة وبما يشترط استجماع الامام له، من الصفات .‘‘[۳۲]

''ہمارے نزدیک اہل حل وعقد کا درجہ مجتہدین تک پہنچنا شرط نہیں ہے بلکہ (اہل حل و عقد کے لیے) یہی کافی ہے کہ وہ صاحب عقل و دانش وفضیلت ہو، بڑے بڑے امور کی راہنمائی حاصل ہو اور اسے امامت کے اہل اور امام کے لیے جن صفات کو شرط قرار دیا گیا ہے پر بصیرت حاصل ہو۔''

امام الحرمینؒ قاضیؒ کے مسلک کو محقق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' فقد ظهر اَنّ الاقرب الی التحقیق مسلک القاضی ومتبعیه.''(۳۳)

''پس تحقیق واضح ہو گیا کہ قاضی اور ان کے متبعین کا مسلک تحقیق کے زیادہ قریب ہے۔''

خود امام الحرمین کے نزدیک اہل حل وعقد کی تعریف یہ ہے:

'' فلا اری لاشتراط کون العاقد مجتهداً وجهاً لائحاً ولکنّی اشرط ان یکون المبایع ممن تفید مبایعته منة واقتهاراً.'' (۳۴)

''اہل حل وعقد کے لیے مجتہد کی کوئی واضح وجہ مجھے نظر نہیں آتی، لیکن میرے نزدیک شرط یہ ہے کہ (خلیفہ کی) بیعت کرنے والا ان لوگوں میں سے ہو جن کی بیعت طاقت وقوت کا فائدہ دے۔''

حضرت شاہ صاحب اہل حل وعقد کو یوں بیان کرتے ہیں:

''طریق اول بیعت اہل حل وعقد است علماء قضات وامراء وجوہ ناس کہ حضور ایشان میسر شود واتفاق اہل حل وعقد جمیع بلاد اسلام شرط نیست زیرا کہ آن ممتنع است۔''(۳۵)

''پہلا طریقہ اہل حل وعقد یعنی عالموں، قاضیوں، سرداروں اور نامور لوگوں کا بیعت کر لینا ہے جو بآسانی موجود ہو سکیں تمام بلاد اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا متفق ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ یہ محال ہے۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حل وعقد وہ لوگ ہیں جو امور خلافت کو بخوبی جانتے ہوں اور ریاست کی طاقت واقتدار ان کے ہاتھ میں ہو کہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کریں۔

حوالہ جات: بابِ انعقادِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
۱۔	شرح المقاصد	۵/۲۵۴
۲۔	شرح الفقه الأکبر	۱۴۶
۳۔	مآثر الانافة	۱/۳۹
۴۔	الاحکام السلطانية للماوردى	۷
۵۔	مآثرالانافة	۱/۴۷
۶۔	ایضاً	۴۸
۷۔	ازالة الخفأ	۱/۲۶
۸۔	الصواعق المحرقة	۸
۹۔	الأحکام السلطانية للماوردى	۱۰
۱۰۔	ایضاً	
۱۱۔	شرح النووى لصحيح المسلم کتاب الامارة باب الاستخلاف وترکه	
۱۲۔	صحيح البخارى کتا ب المغازى باب غزوة موتة من ارض الشام	
۱۳۔	الاحکام السلطانيه للماوردى	
۱۴۔	مآثرالانافة	۱/۵۹
۱۵۔	الجامع لاحکام القرآن	۱/۲۵۶
۱۶۔	ایضاً	
۱۷۔	احکام السلطانيه لابى يعلىٰ	۷
۱۸۔	السنن الکبریٰ للبهقى	۱۰/۱۱۸

۱۹۔ مآثر الانافة ۱/۴۵

۲۰۔ شرح الفقه الأكبر ۱۴۶

۲۱۔ الصحيح المسلم كتاب الامارة

۲۲۔ الصحيح البخار ی کتاب احاديث الانبياء باب ماذكرعن بنى اسرائيل

۲۳۔ مآثر الانافة ۱/۴۶

۲۴۔ ازالة الخفأ ۱/۲۳

۲۵۔ شرح للفقه الاكبر ۶۷

۲۶۔ إزالة الخفاء ۱/۲۳

۲۷۔ مسند احمد ، مسند الصديقؓ

۲۸۔ غياثی ۷۳

۲۹۔ الجامع لا حكام القرآن ۱/۲۵۶۔۲۵۷

۳۰۔ غياثی ۶۳

۳۱۔ غياثی

۳۲۔ غياثی ۶۳

۳۳۔ غياثی ۶۶

۳۴۔ غياثی ۷۲

۳۵۔ ازالة الخفاء ۱/۲۳

بابِ سابع:

حقوق واختیاراتِ خلافت

اسلام نے نظامِ ریاست کو چلانے اور ملکی امور کو سرانجام دینے کے لیے خلیفہ کو کچھ حقوق اور کچھ اختیارات دیے ہیں جن کو استعمال کرتے ہوئے وہ اپنے فرائض منصبی سے بہتر طور پر عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔

حقوق

خلیفہ کے پانچ حقوق ہیں:

(۱) اطاعت (۲) تعاون (۳) مناصحت

(٤) حق المال (۵) حاکمیت الی الصلاحیۃ

الطاعۃ

خلیفہ کے انتخاب کے بعد اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا عوام کی اولین ذمہ داری ہے جس کے بغیر ریاستی استحکام حاصل ہوسکتا ہے اور نہ خلیفہ مقاصد خلافت کو حاصل کرسکتا ہے۔اس لیے رعایا پر خلیفہ کی اطاعت فرض ہے۔اس کی مفصل بحث تو ''باب اطاعت الخلیفۃ'' میں آئے گی۔ یہاں اجمالاً کچھ دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

ازروئے قرآن

﴿ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾ (النساء : ۵۹)

ترجمہ:''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول ﷺ کی اور اپنے فرمانرواؤں کے حکم پر چلو۔''

ازروئے سنت:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اَطاعَنی ومن عصٰی امیری فقد عصانی .''[۱]

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ،جس نے میری نافرمانی

کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ،جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

آثار صحابہ کرامؓ

حضرت الفاروقؓ نے فرمایا:

" لا اسلام بلا جماعة ولا جماعة بلا امير ولا امير بلا طاعة." [۲]

''اسلام بغیر جماعت کے نہیں، جماعت بغیر امیر کے نہیں اور امیر بغیر اطاعت کے نہیں۔''

خلیفہ کی اطاعت مطلق نہیں ہے، بلکہ معروف میں ہے۔

" لا طاعة فی معصية الله انما الطاعة فی المعروف. " [۳]

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (کے احکامات) میں اطاعت (لازم) نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے۔''

اگر خلیفہ معروف کا حکم نہیں کرتا ہے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

" السمع والطاعة علی المرئ المسلم فيما احب وكره مالم يوء مر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة ." [۴]

''مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع وطاعت نہ کی جائے گی۔''

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ خلیفہ کی اطاعت سے متعلق لکھتے ہیں:

''مسئلہ در بیان آنچہ بر رعیت واجبت از اطاعت خلیفہ، لازم است بر مسلمین ہر چہ امر فرماید خلیفہ از مصالح اسلام واز آنچہ مخالف شرع نباشد.'' [۵]

''مسئلہ اس بیان میں کہ رعایا پر خلیفہ کی اطاعت لازم ہے، مصالحِ اسلام کے متعلق خلیفہ جو کچھ حکم کرے اور (وہ حکم) جو شریعت کے مخالف نہ ہو (اس کی تعمیل) مسلمانوں پر لازم ہے۔''

تعاون

خلیفہ کا دوسرا حق یہ ہے کہ خیر کے کاموں میں اس کی معاونت کی جائے۔ کیونکہ رعایا جب تک

حکومت کی اعانت نہ کرے اس وقت تک حکومت اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآنہیں ہوسکتی ہے۔ یہ ذمہ داریاں خواہ جہاد ہو یا باغیوں سے قتال، امن وامان ہو یا معاشی استحکام غرض ہر اعتبار سے خلیفہ کو عوامی تعاون کی ضرورت ہے۔

دلائل از روئے قرآن

﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدة : ۲)

ترجمہ: ''ایک دوسرے سے نیکی اورتقویٰ کے کاموں میں رعایت کرو اور گناہ اور زیادتی میں اعانت نہ کرو۔''

امام ابواللیث سمرقندیؒ لکھتے ہیں:

'' یعنی تعاونوا على امر الله واعملوا به وروي ابن عباس البر ما امر الله تعالىٰ به يعني تحاثوا على امر الله واعملوا به وانتهوا عما نهى الله تعالىٰ وامتنعوا عنه .'' [٦]

''یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم میں ایک دوسرے کا تعاون کرواوراس پرعمل کرو، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نیکی وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ حکم دیں یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم پرعمل کرو، جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہےاس سے رک جاؤ اور باز آجاؤ۔''

قاضی ابویعلی لکھتے ہیں:

'' وإذا قام الامام بحقوق الامة وجب له عليهم حقان الطاعة والنصرة مالم يوجد من جهته ما يخرج به عن الامامة .'' [٧]

''جب امام امت کے حقوق کوانجام دے تو امت پراس کے دوحق واجب ہوجاتے ہیں، اطاعت اورنصرت جب تک ایسی چیز نہ پائی جائے جواسے امامت سے خارج کر دے۔''

اقوالِ فقہاء

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

'' ان كان الامام مثل عمر بن عبدالعزيز وجب على الناس الذب عنه والقتال معه واماّ غيره .'' [٨]

''اگر امام وخلیفہ عمر بن عبدالعزیز جیسا ہوتو لوگوں پر اس کا دفاع اور اس کے ساتھ مل کر قتال کرنا واجب ہے، اگر اس جیسا نہ ہوتو یہ لازم نہیں ہے۔''

خلیفہ کی اطاعت مطلق نہیں ہے جیسا کہ مندرجہ بالا قرآن وسنت سے واضح ہو گیا ہے بلکہ یہ اعانت خیر میں ہے۔علامہ قلقشندیؒ لکھتے ہیں:

'' الثاني المعاضدة والمناصرة فی امور الدین وجهاد العدو قال تعالیٰ ﴿ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ ولا اعلی من معاونة الامام علی اقامة الدین ونصرته .'' (۹)

''(خلیفہ کا) دوسرا (حق) دینی امور اور جہاد میں اس کی اعانت کرنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت کرو۔'' امام کی سب سے بڑی اعانت دین کی اقامت اور اس کی نصرت (کے کاموں) میں ہے۔''

ظلم وشر میں خلیفہ کی اعانت ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ اسے ظلم وشر سے باز رکھنا ضروری ہے۔خیر کی مختلف صورتیں ہیں جن میں خلیفہ کی اعانت لازم ہے۔اسی طرح شر کی بھی کئی اقسام ہیں جن میں خلیفہ کی اعانت حرام ہے۔

مناصحت

خلیفہ رعایا کی طرح انسان ہے اور اس میں انسانی کمزوریوں کا پایا جانا ناگزیر ہے۔خطا ونسیان اور سستی وکاہلی کا اس سے صدور ہوسکتا ہے۔اس لئے شریعت نے خلیفہ کو تذکیر ونصیحت کو جائز قرار دیا ہے۔یہ امت پر خلیفہ کا حق ہے کہ وہ اسے نصیحت کرتے رہیں۔

دلائل

'' عن تميم الداری ان النبی ﷺ قال الدین النصیحة قلنا لمن قال لله ولكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم .'' (۱۰)

''تمیم داری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین نصیحت (خیر خواہی) ہے، ہم نے عرض کیا کہ کس کے لیے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے، اس کے رسول ﷺ کے لیے، مسلمانوں کے امام اور عام مسلمانوں کے لیے۔''

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

'' واما النصيحة لأئمة المسلمين فمعاو نتهم على الحق وطاعتهم

فیہ وامرھم بہ وتنبیھھم وتذکیرھم برفق ولطف واعلامھم بما غفلوا عنہ او لم یبلغھم من حقوق المسلمین وترک الخروج علیھم وتالف قلوب الناس لطاعتھم ...... وھذا کلّہ علی ان المراد بائمۃ المسلمین الخلفاء وغیرھم ممن یقوم بامور المسلمین من اصحاب الولایات وھذا ھو المشھور ." (۱۱)

"ائمہ مسلمین کے لیے خیر خواہی ان کے حق میں اعانت اور اس میں ان کی اطاعت کرنا ،اس کا انہیں حکم کرنا، انہیں نرمی اور مہربانی سے تنبیہ اور نصیحت کرنا، انہیں وہ امور بتانا جن سے وہ غافل ہیں یا مسلمانوں کے جن حقوق کا انہیں علم نہیں ہوا، ان کے خلاف خروج نہ کرنا، لوگوں کے دلوں کو ان کی اطاعت کی طرف مائل کرنا، یہ تمام امور اس بناء پر ہیں کہ ائمہ سے مراد خلفاء یا وہ لوگ مراد ہیں جو مسلمانوں کے امور کے ذمہ دار ہیں، مشہور قول یہی ہے۔"

جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ سے بیعت لیتے تو اس میں بھی النصیحۃ کا ذکر فرماتے۔

" بایعت النبی ﷺ علی النصح لکل مسلمٍ ." (۱۲)

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کرنے کی بیعت کی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم و جائر بادشاہ کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنے کو جہادِ اعظم قرار دیا ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من اعظم الجہاد کلمۃ عدل عند سلطانٍ جائرٍ ." (۱۳)

"ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بڑا جہاد سلطانِ جائر کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا ہے۔"

" خیر الشھداء حمزۃ بن عبدالمطلب ورجلٌ قام الیٰ رجلٍ فَامَرہ ونھاہ فی ذات اللہ فقتلہ علیٰ ذٰلک ." (۱۴)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہداء میں سے سب سے بہتر حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ آدمی جو کسی کو اللہ تعالیٰ کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور وہ اسے قتل کردے۔"

حضرت الصدیق نے اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا:

" ایھاالناس انما انا متبع ولست بمبتدعٍ فان احسنتُ فاعینونی وان زغت فقوّمونی ." (۱۵)

" اے لوگو! میں اتباع کرنے والا ہوں نہ کہ نئی بات گھڑنے والا، اگر میں اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو، اگر میں راہِ راست سے ہٹ جاؤں تو مجھے سیدھا کرو۔"

حضرت الفاروقؓ نے فرمایا:

" احبّ الناس الیّ من رفع الیٰ عیوبی ." (۱۶)

" مجھے لوگوں میں سے وہ آدمی زیادہ محبوب ہے جو مجھے میرے عیوب بتائے۔"

اسلامی سیاسی نظام کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے، جن میں حاکم وقت کے سامنے کلمہ حق کہا گیا۔ اسے اس کی غلطیوں پر متنبہ کیا گیا۔ علماء وفقہاء نے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وقت کے حکام کو منکرات سے روکا۔ انہیں غیر اسلامی امور کے اجراء سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجہ میں انہیں سخت سے سخت سزائیں دی گئیں۔ کال کوٹھڑیوں میں ڈالا گیا۔ پھانسیوں پر لٹکا دیا گیا، لیکن علماء نے ہر دور میں اس فریضہ کو ادا کیا۔

حق المال:

خلیفہ کا چوتھا حق یہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے لیے بیت المال سے خرچ لے سکتا ہے کیونکہ خلیفہ پر بہت بھاری ذمہ داریاں ہیں، جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مکمل فراغت اور یکسوئی ناگزیر ہے۔ اگر خلیفہ وقت اپنے معاش کے لیے کوئی کام کرے گا تو خلافتی امور کو کامل طریقہ سے سرانجام دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے شریعت نے خلیفہ کے لیے بیت المال سے خرچ لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ یہی حکم ان تمام لوگوں کا ہے جو حکومتی وانتظامی امور کو سرانجام دیتے ہیں۔

دلائل:

(۱) رسول ﷺ نے خود عاملین کے لیے وظیفہ مقرر فرمایا:

" ان عبد الله بن عمر قال سمعت عمر يقول كان النبي صلى الله عليه وسلم يعطي العطاء فاقول أعطه افقر اليه منى حتى اعطانى مرة مالا فقلت اعطه من هو افقر اليه منى فقال النبي صلى الله عليه وسلم خذه فتموله وتصدق به فما جاءک من هذا المال وانت غير مشرف

ولا سائل فخذه .'' (۱۷)

''عبداللہ بن عمرؓ سے راویت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کوفرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے (عامل کا) معاوضہ عطا کیا تو میں نے عرض کیا کہ مجھ سے زیادہ محتاج آدمی کو دے دیجئے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے کچھ مال عطا کیا تو میں نے عرض کیا جو مجھ سے زیادہ اس کا محتاج ہے اسے عطا کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا اس کو لے اور صدقہ کر دے۔ تمہارے پاس اس میں سے جو مال آئے اور تم اس کی طمع کرتے ہو اور نہ سوال تو اس کو لے لو۔''

(۲) ابن سعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' لما استخلف ابو بکر رضی الله عنه اصبح غادیاً الی السوق وعلیٰ رقبته اثواب یتجربها فلقیه عمر بن الخطاب وابو عبیدة بن الجراح فقالا له این ترید یا خلیفه رسول الله قال السوق قال تصنع ماذا وقد ولیت امر المسلمین ؟ قال من این اطعم عیالی ؟ قالا له، انطلق حتیٰ نفرض لک شیأً فانطلق معهما .'' (۱۸)

''حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو صبح کے وقت بازار جا رہے تھے، ان کی گردن پر کپڑے تھے جن کی تجارت کرتے تھے۔ انہیں عمر بن الخطاب اور ابوعبیدہ بن الجراح ملے اور ان سے کہا کہ اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! کہاں کا ارادہ ہے؟ بتایا کہ بازار کی طرف، عرض کیا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ تو مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار بن چکے ہیں۔ فرمایا کہ میں اپنے خاندان کو کہاں سے کھلاؤں؟ انہوں نے کہا کہ آؤ چلیں ہم آپ کے لیے کچھ (وظیفہ) مقرر کرتے ہیں وہ ان کے ساتھ چلے گئے۔''

(۳) ابن سعد حضرت الفاروقؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

'' ولما ولی عمر بن الخطاب امر المسلمین بعد ابی بکر مَکَثَ زماناً لایأکل من المال شیأً حتی دخلت علیه فی ذٰلک خصاصة وارسل الیٰ اصحاب رسول الله ﷺ فاستشارهم فی ذلک فقال قد شغلت نفسی فی هذا الامر فما یصلح لی فیه فقال عثمان بن عفان کل واطعم قال وقال ذٰلک سوید بن زید بن عمرو بن نفیل وقال عمر لعلی

ماتقول انت فی ذٰلک ؟ قال غداءً وعشاءً فاخذ عمر بذلک .'' [19]

''جب ابوبکرؓ کے بعد عمر بن الخطابؓ خلیفہ بنے تو ایک زمانے تک بیت المال سے کچھ نہ لیا یہاں تک کہ انہیں تنگی آئی تو انہوں نے صحابہ کرام کو بلا کر ان سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ میں نے اپنے آپ کو امورِ خلافت میں مصروف کر دیا ہے تو میرے لیے کیا بہتر ہے، عثمان بن عفانؓ نے کہا کہ آپ کھایئے اور (خاندان والوں کو) کھلایئے۔ (سوید بن زید بن عمرو بن نفیل نے یہی کہا ہے) عمر نے علی سے فرمایا کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ دو پہر اور رات کا کھانا، تو عمرؓ نے اس کو اختیار کیا۔''

(٤) امام احمد حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں:

'' قال یا ابن زریر انی سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یحل لخلیفة من مال الا قصعتان قصعة یأکلها هو واهله وقصعة یضعها بین الناس .'' [20]

''فرمایا اے ابن زریر! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خلیفہ کے لیے بیت مال میں سے صرف دو پیالے حلال ہیں ایک کو وہ خود اور اس کے خاندان والے کھائیں اور دوسرا (بطورِ اقربا پروری ومہمانداری) لوگوں کو پیش کرے۔''

(٢) ابن سعد حضرت الفاروق کا قول نقل کرتے ہیں:

'' انی انزلت نفسی من مال الله مَنزلة مال الیتیم ان استغنیت استعففت وان افقرت اکلت بالمعروف .'' [21]

''میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مال (بیت المال) کے حوالے سے یتیم کے مال کی طرح قرار دیا ہے کہ اگر میں استغناء کروں گا تو بچ جاؤں گا، اگر محتاج ہوں گا تو معروف طریقے سے اس سے کھاؤں گا۔''

مندرجہ بالا احادیث اور آثار صحابہ سے درجِ ذیل امور کا ثبوت ملتا ہے:

١۔ خلیفہ اپنے اہل وعیال کے لیے بیت المال سے خرچ لے سکتا ہے۔

٢۔ یہ خرچ بقدر ضرورت لے سکتا ہے۔

٣۔ خرچ لینے میں محتاط رہے جیسے یتیم کے مال میں احتیاط کی جاتی ہے۔

٤۔ بیت المال کو امانت سمجھے اسے اپنی ذاتی ملکیت ہرگز تصور نہ کرے۔

حق الحکومۃ

خلیفہ کا پانچواں حق یہ ہے کہ جب تک وہ حکومت کرنے کا اہل ہے تب تک وہ حکمران رہے گا۔اس کی حاکمیت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے یعنی جب تک وہ زندہ اور اہل ہے حکمران رہے گا۔ چند برس بعد اسے دوبارہ منتخب کرنے یا کسی دوسرے آدمی کو منتخب کرنا جائز نہ ہوگا۔خلیفہ کا یہ حق عقل ونقل سے ثابت ہے۔قرنِ اوّل میں ہر خلیفہ تاحیات حکمران رہا۔اس دوران اس کا دوبارہ انتخاب ہوا اور نہ اس کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو منتخب کیا گیا۔صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد ہر زمانہ میں اسی پر عمل رہا۔

اختیارات

شریعت نے حقوق کے ساتھ کچھ اختیارات بھی خلیفہ کو تفویض کیے ہیں، جن کے اختیارات کی تین اقسام ہیں:

۱۔ تنفیذی اختیارات
۲۔ تشریعی اختیارات
۳۔ عدالتی اختیارات

تنفیذی اختیارات:

خلیفہ کے تنفیذی اختیارات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ رعایا کے ہر فرد پر خلیفہ کے ہر اس حکم کی اطاعت واجب ولازم ہے جو خلاف شریعت نہ ہو۔اس کی نافرمانی دینی وروحانی جرم ہے۔خلیفہ کے وسیع تنفیذی اختیارات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

ضوابط بنانے کا اختیار:

شرعی قوانین کو نافذ کرنے کے لیے خلیفہ کو قواعد وضوابط بنانے کا اختیار ہے۔

ماتحت حکام کی کارروائی کی منظوری ونامنظوری اور حکم دینے کا اختیار:

خلیفہ اپنے ماتحت حکام (وزراء، امراً) کی کاروائیوں کو منظور یا نامنظور کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ان حکام کی کاروائیوں کو خلیفہ کے پاس فیصلہ کے لیے پیش کیا جاسکتا ہے اور وہ ان کے اجراء یا منسوخ کرنے کا مختار رہے۔

ماتحت حکام کو حکم کا اختیار:

خلیفہ اپنے ماتحت وزراء وامراء کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینے کا اختیار رکھتا۔

احتساب ومؤاخذہ کا اختیار:

ماتحت حکام اور عوام میں سے کوئی فرد قانون کی خلاف ورزی کرے تو خلیفہ اس کے احتساب و مؤاخذہ اور قانون شریعت کے مطابق سزا جاری کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

جنگ وصلح کا اختیار:

خلیفہ چونکہ افواج کا سپہ سالار اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس لیے اسے جنگ اور صلح کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ یعنی وہ اپنی رائے سے جہاد کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر صلح کرنے کا موقع آ جائے تو جنگ روک کر صلح بھی کر سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں رعایا پر اس کی اطاعت لازم ہے۔ ابو بکر بن ابی شیبہ حضرت مجاہد، حسن اور ضحاک سے روایت کرتے ہیں:

" الإمام مخير فى المحارب ." [۲۲]

"امام کو جنگ کے معاملات میں اختیار حاصل ہے۔"

اسی طرح حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے:

" عن سعيب بن المسيب فى المحارب : إذا رفع الى الامام يضع به ما يشاء ." [۲۳]

"سعید بن المسیب سے جنگ کے بارے میں مروی ہے کہ جب معاملہ اس (خلیفہ) کے سامنے پیش ہو تو وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔"

مشاورت کا اختیار:

خلیفہ مشاورت کرنے اور اسے رد کرنے کا مختار رہے۔ یعنی خلیفہ اپنے ماتحت حکام اور عام مسلمان سے مشورہ طلب کر سکتا ہے۔ اس صورت میں جن لوگوں سے مشورہ طلب کیا گیا ہے، ان پر لازم ہے کہ وہ خلیفہ کو مشورہ دیں۔ اسی طرح خلیفہ تنفیذی اختیارات میں اہل رائے کے مشورے کو رد کرنے اور اپنی رائے پر عمل کرنے کا اختیار رکھتا ہے جب وہ یہ سمجھے کہ میری رائے ہی دی گئی تمام آراء سے بہتر ہے۔
مندرجہ بالا اختیارات کے ثبوت کے لیے صرف ایک آیت کا پیش کر دینا کافی ہے۔

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا

الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (النساء : ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبِ حکم ہیں۔

اس کے علاوہ سنت و آثار صحابہ سے بھی ان اختیارات کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) رسول ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر محض اپنی رائے کے مطابق صلح فرمائی اور صحابہ نے اس کو قبول کر لیا۔ قریش مکہ کی طرف سے سہیل نمائندہ بن کر آئے انہوں نے صلح کے لیے یہ شرط پیش کی کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ چلا جائے گا تو اسے واپس کیا جائے گا اور اگر کوئی مدینہ سے مکہ آئے گا تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔ صحابہ کے لیے یہ شرط قبول کرنا انتہائی مشکل تھا لیکن سہیل نے اصرار کیا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

" ابى سهيل ان يقاضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الاّ على ذلك فكره المؤمنون ذلك وامتعضوا فتكلموا فيه فلما أبى يقاضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الا على ذلك كاتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم ." (۲۴)

" سہیل نے انکار کر دیا کہ وہ صرف اسی (شرط) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرے گا۔ مومنوں نے اسے ناپسند کیا اور ناگوار محسوس کیا اور اس بارے میں بات چیت کی۔ جب سہیل اسی شرط پر صلح کرنے پر ڈٹ گئے تو آپ نے اسے (منظور کر کے معاہدہ میں) لکھوا دیا۔"

(۲) رسول ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنائے گئے تو ارتداد پھیل چکا تھا۔ ان کے خلاف جہاد کا فیصلہ آپ نے اکیلے کیا، سب کی رائے اس کے خلاف تھی۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

" قال عمر يا ابابكر كيف تقاتل الناس وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله."

" عمرؓ نے کہا آپ لوگوں سے کیسے قتال کرنا چاہ رہے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں کہ مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر

لیں۔''

حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا:

'' واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکاۃ .''

''قسم بخدا! میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرنے والوں سے ضرور قتال کروں گا۔''

حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ درست ثابت ہوا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

'' فواللہ ما ھو الا ان رأییت ان قد شرح اللہ صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه حق .'' (۲۵)

''اللہ کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو قتال کے لیے شرح صدر کر دیا بس میں نے یقین کرلیا کہ انہی کی رائے حق تھی۔''

(۳) جب حضرت الصدیقؓ کو مرض الوفات میں ولی عہد مقرر کرنے کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے مہاجرین وانصار صحابہ سے حضرت عمر کے بارے میں مشورہ لیا تو انہوں نے آپ کی تایید کی۔ بعض صحابہ کرام نے آپ کے پاس حاضر ہو کر کہا:

'' ما انت قائل لربک إذا سئالک عن استخلافک عمر، لعمر علینا وقد تری غلظته .''

''جب اللہ تعالیٰ آپ سے عمر کو ولی عہد بنانے کے بارے میں پوچھیں گے تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ کیا آپ عمر کی سختی نہیں دیکھتے؟''

ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا:

'' اقول اللھم استخلفت علیھم خیر اھلک .''

''میں جواب دوں گا کہ اے اللہ! میں نے آپ کے بندوں میں سے بہتر آدمی کو جانشین بنایا ہے۔''

پھر آپ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو ولی عہد کے لیے دستاویز لکھنے کا حکم فرمایا اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے نام خلافت کی وصیت لکھ دی۔ (۲۶)

تفتیش کا اختیار:

خلیفہ اپنے ماتحت حکام کی کسی کاروائی یا اخلاقی و دینی حالت کے بارے میں مختلف ذرائع سے تفتیش کا اختیار رکھتا ہے۔ خلیفہ یہ تفتیش خود بھی کرسکتا ہے وراس کے لیے کسی دوسرے شخص یا جماعت کو

بھی مقرر کرسکتا ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن الاتبیہ کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے پر مامور کیا۔ جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بتایا کہ یہ وصول کردہ صدقات اور یہ چیزیں مجھے ہدیہ کی گئی ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا:

" فهلا جلست فی بیت ابیک وبیت امک حتی تأتیک هدیتک ان کنت صادقا ." (۲۷)

''تم اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہیں بیٹھ جاتے کہ تمہارے پاس ہدیے آئیں، اگر تم سچے ہو؟''

یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ ہدایا تمہیں محض ذاتی حیثیت میں دیے گئے ہیں تو یہ غلط ہے۔ اگر تم آج یہ عہدہ چھوڑ کر گھر میں بیٹھ جاؤ تو کوئی بھی ہدیہ نہ دے گا۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ افسران کو ہدیہ کے نام پر رشوت دیتے ہیں اور اپنے ناجائز کام کروالیتے ہیں۔ مذکورہ ارشاد کے بعد آپ نے صحابہ کرامؓ کو خطبہ ارشاد فرمایا اور اس معاملے سے متعلق تنبیہ فرمائی کہ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

علامہ ابوالعباس القسطلانی لکھتے ہیں:

" فیه شروعیة محاسبة العمال ومنعهم من قبول الهدیة ممن لهم علیه حکم ." (۲۸)

''اس حدیث میں عاملین کے احتساب کی مشروعیت اور انہیں ہدیہ قبول کرنے سے ممانعت کا ثبوت ملتا ہے۔''

امام بدرالدین العینی مندرجہ بالا حدیث سے متعلق لکھتے ہیں:

" فیه ان ما اهدی الی العمال وخدمة السلطان بسبب السلطة انه لبیت المال الا ان الامام إذا اباح له' قبول الهدیة لنفسه فهو یطیب له ." (۲۹)

''اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی عاملین اور بادشاہ کی طرف جو ہدیے ان کی بادشاہت وحکمرانی کے سبب سے بھیجے جائیں وہ بیت المال کا حصہ ہیں، ہاں اگر امام انہیں اپنی ذات کے لیے ہدیہ قبول کرنے کو مباح قرار دے تو وہ ان کے لیے درست ہوگا۔''

خلیفہ کے اس اختیار کا ثبوت حضرت الفاروقؓ کے طرزِ عمل سے بھی ملتا ہے۔ آپ نے کئی بار اپنے ماتحت امراء کے بارے میں تفتیش فرمائی۔ چنانچہ اس کے لیے آپ حضرت محمد بن مسلمہ کو بھی مقرر فرماتے تھے۔

انتظامی مجلس شوریٰ:

خلیفہ اپنے تنفیذی اختیارات کے نفاذ کے بارے میں مشاورے کے لیے مجلس شوریٰ بھی بنا سکتا ہے۔ جو خلیفہ کو تنفیذی اختیارات کے استعمال کے بارے میں مشورے دیتے رہے گے۔ خلیفہ اہل شوریٰ کے مشورے کے بغیر بھی اپنے اختیارات استعمال کرسکتا ہے۔ اسی طرح مشاورت کے بعد مشورہ قبول یا رد کرنے کا بھی مختار ہے، لیکن اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ اہم اجتماعی وسیاسی امور میں مجلس سے مشاورت کے بغیر کوئی عمل نہ کرے اور متفقہ مشورے کو کسی قوی عذر کے بغیر رد نہ کرے۔

(۲) تشریعی اختیارات:

شریعت نے قانون سازی کے بارے میں بھی خلیفہ کو کچھ اختیارات تفویض کیے ہیں۔ قانون سازی سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق ہم ''اصولِ خلافت'' کے دوسرے اصول ''قانونِ شریعت'' میں مفصل بحث کر آئے ہیں، لہٰذا اس کو مستحضر کر لینا چاہیے تا کہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ خلیفہ قانون سازی کے لیے ایک مجلس بنائے گا جسے مجلس تشریعی کہتے ہیں اس مجلس کا سربراہ خود خلیفہ ہوگا اور اس کے لیے اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے۔ خلیفہ اپنی طرف سے کوئی مسودہ قانون مجلس تشریعی میں پیش کرنے کا مختار ہے۔ خلیفہ بذاتِ خود بھی اس مسودہ کو پیش کرسکتا ہے اور اپنے کسی نائب کے ذریعے بھی۔ یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

اوّل: یہ کہ خلیفہ مجلس تشریعی کے مشورہ کے بغیر کوئی قانون جاری کرسکتا ہے یا نہیں یا آج کل کی اصطلاح میں ہنگامی قانون (آرڈیننس) جاری کرسکتا ہے یا نہیں؟

دوم: یہ کہ خلیفہ مجلس تشریعی کے وضع کردہ کسی قانون کو مسترد یا منسوخ کرنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر اسے حق تنسیخ (ویٹو پاور) حاصل ہے یا نہیں؟

پہلے سوال کا جواب: بنیادی بات یہ ہے کہ خلیفہ اپنے تنفیذی اختیارات مجلس شوریٰ سے مشورہ کیے بغیر استعمال کرنے کا مجاز ہے، لیکن قانون سازی کے بارے میں اسے مطلق آزادی حاصل نہیں ہے۔ کچھ دلائل سے تو خلیفہ کے لیے ہنگامی قانون سازی کے اختیار کا ثبوت ملتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کچھ دلائل ایسے بھی ہیں جو خلیفہ کو ایسا اختیار نہیں دیتے، کیونکہ خلیفہ کو بلا مشورہ قانون سازی کے اختیار و عدم اختیار کا مدار قانون کی نوعیت پر ہے۔ بعض امور میں اسے بلا مشورہ قانون سازی کا اختیار ہے اور بعض میں اسے یہ اختیار حاصل نہیں بلکہ ان امور سے متعلق قانون سازی کے لیے قانون سازی کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

اوّل: ایسا حکم جو اہلسنت والجماعت کے ہاں مسلم شرعی حکم ہو تو خلیفہ ایسے حکم کو بطور قانون نافذ کرنے کا مختار ہے۔ اسے مجلس تشریعی سے مشاورت اور ان کے فیصلے کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے، لیکن خلیفہ کے اس اختیار کی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ خلیفہ ایسا ہنگامی قانون نہیں بنا سکتا جو کسی دوسرے شرعی قانون سے ٹکراتا ہو اور اس کے فسخ کا سبب بنتا ہو مثلاً خلیفہ یہ قانون نہیں بنا سکتا کہ جو شخص کم تولنے کا جرم کرے گا۔ اسے قتل کی سزا دی جائے گی۔ کیونکہ یہ قانون قتل کی سزا کے شرعی قانون کے خلاف ہے، البتہ مثلاً یہ قانون بنا سکتا ہے کہ تارک صلوٰۃ یعنی نماز ترک کرنے والے کو فقہ حنفی کے مطابق سزا دی جائے گی۔ حضرت الفاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کے نام ضوابطِ عدالت کے متعلق جو فرمان جاری فرمایا تھا۔ اس سے مندرجہ بالا اصول کی تائید ہوتی ہے۔

دوم: شرعی قوانین واحکام ابدی ہیں اور اصول کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن حالات و زمانہ کے تغیر سے ان کی جزئیات مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ اس بات کا تعین کہ ''فلاں قسم کے جزئیات فلاں شرعی قانون کے ماتحت آتے ہیں، قانون سازی کی دوسری صورت ہے۔ مثلاً سود (رِبا) حرام ہے۔ یہ ایک اصول ہے موجودہ دور میں اس کی مختلف شکلیں ہیں مثلاً زندگی کا بیمہ کرانا۔ اس صورت میں خلیفہ مجلس تشریعی کے مشورہ کے بغیر قانون سازی کر سکتا ہے یا نہیں؟ خلیفہ کو بغیر مشورہ قانون سازی کے اختیار اور عدمِ اختیار دونوں طرف کے دلائل ملتے ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ دونوں طرف کے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اصل قانون یہ ہے کہ زیر بحث صورت میں خلیفہ بلا مشورہ قانون سازی کا اختیار نہیں رکھتا ہے، لیکن ہنگامی صورت حال میں مشورہ کا موقع نہ مل سکے یا مشاورت غیر مفید ہو تو اسے یہ اختیار تین شرائط کے ساتھ حاصل ہے۔

۱۔ پہلی شرط یہ کہ حکمِ کلی جمہور اہلسنت والجماعت کے ہاں مسلمہ قانون ہو۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ فرع کسی دوسرے مسلمہ شرعی قانون سے متصادم نہ ہو۔

۳۔ زیر بحث فرع کا تعلق اجتماعی امور سے ہو نہ کہ انفرادی زندگی سے۔

سوم: کچھ احکام شرعیہ ایسے ہیں جن کا دارومدار وقت وحالات پر ہے ایک ہی نوعیت کے مسائل کے احکام مختلف حالات اور اوقات میں مختلف ہوتے ہیں مثلاً دارالاسلام میں درآمد شدہ تجارتی مال پر درآمدی ٹیکس لگانا مفید ہو تو لگانا واجب ہے۔ اگر مفید نہیں بلکہ نقصان دہ ہے تو جائز نہیں ہے۔ شریعت میں ایسے مسائل کے متعلق کچھ عام اصول بتائے گئے ہیں۔ اس کے مثبت یا منفی کسی پہلو

کومتعین کر کے کوئی خاص قانون مقرر نہیں کیا گیا حکومت وقت ان عام اصولوں کی روشنی میں حالات اور دینی مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے قانون ساز کا اختیار رکھتی ہے۔شرط یہ ہے کہ وہ دوسرے احکام ِ شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ اس صورت میں خلیفہ کو بغیر مشاورت قانون سازی کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس قسم کی قانون سازی میں خلیفہ کے لیے مشاورت کرنا لازم ہے۔ اگر کوئی شرعی مانع کی وجہ سے مشاورت ممکن نہ ہو تو بلا مشورہ قانون سازی کا مختار ہے، لیکن ظاہر ہے ایسی صورت کا وقوع شاذ و نادر ہے۔

دوسرا سوال کہ خلیفہ کو مجلس تشریعی کے منظور کردہ مسودۂ قانون کو منسوخ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مجلس تشریعی کے منظور کردہ مسودہ کو جب تک خلیفہ منظور نہ کرے تب تک وہ قانون نہیں بن سکتا۔ ہنگامی قانون کے بیان میں قانون سازی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت میں خلیفہ کو تنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ کیونکہ اس میں آراء کے اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے لہٰذا خلیفہ کو تنسیخ کا بھی حق نہیں۔ دوسری اور تیسری صورت میں جس حد تک اختلاف آراء کی گنجائش ہے۔ اسی حد تک خلیفہ کو تنسیخ کا بھی حق حاصل ہے۔ یعنی وہ اپنی رائے کو مجلس کی رائے پر فوقیت دے سکتا ہے اور شریعت نے اسے یہ اختیار دیا ہے، لیکن اگر مجلس تشریعی مجلس اہل الحل والعقد کی حیثیت سے خلیفہ کو معزول کرنے کا متفقہ فیصلہ کر لے تو خلیفہ اسے رد کرنے کا مختار نہیں ہے۔

عادلانہ اختیارات

شریعت نے تنفیذی اور تشریعی اختیارات کے ساتھ عدالتی اختیارات بھی خلیفہ کو تفویض کیے ہیں۔ عدالتی اختیارات سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے قاضی کے اختیارات یعنی مقدمات کی سماعت اور فیصلے دونوں کا خلیفہ کو اختیار دیا ہے۔ حالات و زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اور مسلمہ شرعی قواعد عدالت سے انحراف نہ کرتے ہوئے عدالتوں کے لیے ضوابط مقرر کرنے اور قابل تفسیر امور میں تغیر کرنے کا خلیفہ کو اختیار حاصل ہے۔ خلیفہ کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی عدالت سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) اور آخری عدالتِ مرافعہ ہے یعنی ماتحت تمام عدالتوں کے فیصلوں سے متعلق آخری اپیل خلیفہ کی عدالت میں کی جا سکتی ہے اور اس کے فیصلے کے بعد کسی بھی عدالت میں اپیل دائر نہیں کی جا سکتی۔ قانونِ شریعت میں خلیفہ کو ادنیٰ سے ادنیٰ عدالت کی آزادی میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔ ہر عدالت شرعی قوانین کے مطابق آزادئ رائے سے فیصلہ دے سکتی ہے خلیفہ نہ اسے کسی فیصلہ کا حکم دے سکتا ہے اور نہ کسی فیصلہ سے روک سکتا ہے۔ [۳۰]

حوالہ جات: باب اختیاراتِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
۱۔	صحیح البخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام	
۲۔	ازالة الخفاء	
۳۔	صحیح البخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام	
٤۔	صحیح البخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام	
٥۔	ازالة الخفاء	
٦۔	بحر العلوم	
۷۔	الأحکام السلطانية لابی یعلیٰ	
۸۔	احکام القرآن لابن العربی بحوالة الامامة العظمی	
۹۔	مآثر الانافه	
۱۰۔	صحیح مسلم کتاب الإیمان باب ان الدین النصیحة	
۱۱۔	شرح النووی لصحیح المسلم	
۱۲۔	صحیح مسلم کتاب الإیمان باب ان الدین النصیحة	
۱۳۔	جامع الترمذي ، کتاب الفتن باب افضل الجهاد	
۱٤۔	مستدرك حاکم	
۱٥۔	الطبقات الکبریٰ	
۱٦۔	ایضاً	
۱۷۔	صحیح البخاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم	
۱۸۔	الطبقات الکبری	
۱۹۔	ایضاً	
۲۰۔	ایضاً	

۲۱۔ الطبقات الکبریٰ

۲۲۔ مصنف ابن ابی شیبة کتاب السیر باب من قال الامام مخیر فی المحارب

۲۳۔ أیضاً

۲۴۔ صحیح البخاري کتاب المغازي باب غزوة الحدیبیة

۲۵۔ صحیح البخاري کتاب استتابة المعاندین باب قتل من ابی قبول الفرائض

۲۶۔ الطبقات الکبریٰ

۲۷۔ صحیح البخاري کتاب الاحکام باب محاسبة الامام عماله

۲۸۔ ارشاد الساری

۲۹۔ عمدة القاری

۳۰۔ ماخوذ از : اسلام کا سیاسی نظام

بابِ ثامن

طاعت الخلیفۃ

اسلامی نظامِ ریاست میں سب سے بڑا منصب خلیفہ کا ہے۔نظام کے حوالے سے خلیفہ کے پاس کافی اختیارات ہوتے ہیں جن کا وہ استعمال کرتا ہے۔ جو قوانین نافذ کیے جاتے ہیں اور احکامات جاری کیے جاتے ہیں، ان کا لحاظ اور تعمیل کرنا، رعایا عوام ہوں یا خواص، پر لازم ہے۔خلیفہ نہ تو مسلمانوں کا مرکزِ فکر ہوتا ہے اور نہ مرکزِ عمل، اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں اسلامی نظام میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلکہ خلیفہ مسلمانوں کا مرکزِ تنظیم ہوتا ہے۔ جو امتِ مسلمہ کے اجتماعی امور میں ایک نظم پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام میں خلیفہ کی اطاعت فرض ہے اور اس کی نافرمانی معصیت اور گناہ ہے۔قرآن وسنت میں خلیفہ کی اطاعت کے بارے میں واضح احکام موجود ہیں، اسلامی ریاستی نظام میں خلیفہ کی اطاعت مطلق نہیں بلکہ معروف میں واجب ہے۔منکر میں اس کی اطاعت نہیں بلکہ اس پر نکیر واجب اور اس کا محاسبہ امت مسلمہ کا حق بلکہ ذمہ داری ہے خلیفہ کی اطاعت کو سمجھنے کے لیے چند مباحث کا ذکر بطور مبادیات کے ضروری ہے۔

پہلی بحث یہ ہے کہ طاعت الخلیفہ کو سمجھنے کے لیے چار امور کا جاننا ضروری ہے جن کا اس بحث میں بار بار ذکر آتا ہے۔

اطاعت

پہلی چیز اطاعت ہے۔

(۱) لغوی معنی:

طاع فلان طوعا : انقاد : فرمانبرداری کرنا

الطاعة : الانقياد والموافقة : اتباع اور موافقت کرنا[۱]

قرآن وسنت میں استعمال:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ ﴾

فرمانِ نبوت ہے:

" من اطاعنی فقد اطاع اللہ ."

اصطلاحی تعریف:

ابن العربیؒ لکھتے ہیں:

" وھی امتثال الامر کما ان المعصیة ضدھا وھی مخالفة الامر ."(۲)

" یہ حکم کی تعمیل کرنا ہے جس طرح کہ معصیت اس کی ضد ہے اور یہ حکم کی مخالفت کرنا ہے۔"

پھر آیت ﴿ **یایھا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول** ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" فمعنی ذٰک امتثلوا امر اللہ تعالیٰ وامر رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ." (۳)

" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کرو۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

" والطاعة معنی الاتیان بالمأمور بہ والانتھاء عن المنھی عنہ والعصیان بخلافہ ." (۴)

" طاعت جس امر کا حکم ہے اس کو پورا کرنا اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے رُک جانا ہے اور عصیان (نافرمانی) اس کے برخلاف ہے۔"

معصیت

دوسری چیز معصیت ہے۔

(۱) لغوی معنی

عصی یعصی : عصیاً معصیةً سیدہ : نافرمانی کرنا، مخالفت کرنا، دشمنی کرنا، اسم فاعل عاص نافرمانی کرنے والا۔

(۲) قرآن کریم میں معصیت کا استعمال

قرآن کریم کی بے شمار آیات میں اس کا استعمال ہوا ہے جیسے:

﴿ عَصٰی آدَمُ رَبَّہ' ﴾

" آدم اپنے رب کی طاعت سے نکلا۔"

﴿ وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہ' ﴾

''جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طاعت سے نکلا''

(۳) اصطلاحی معنی

اس بحث میں معصیت سے مراد ہے، سلطان یا اس کے نائب کی نافرمانی کرنا اور اطاعت نہ کرنا.

اولوالامر

تیسری چیز اولوالامر ہے۔

(۱) لغوی معنی

اولو جمع ہے اور راجح یہ ہے کہ ولی سے جمع ہے۔ یعنی ذوو (اصحاب) اور یہ مضاف استعمال ہوتا ہے جیسے: '' اولو الالباب'' یعنی اصحاب العقول یا اہل العقول (عقل والے)

الامر درجِ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) نہی کی ضد ہے یعنی حکم وفرمان اور جمع اوامر ہے۔

(۲) کام یا واقعہ جمع امور ہے۔

(۳) **اَمِرَ یأْمُرُ امراً اِمرةً اِمارةً :** امیر وحاکم ہونا۔ امارت وحکومت

(۲) شرعی معنی:

امت کے معاملات میں صاحب تصرف، شرعی طور پر جو امور امت کے مالک ہوتے ہیں اور امت کی قیادت کرتے ہیں۔

معروف

چوتھی چیز معروف ہے۔

(۱) لغوی معنی:

عرفه یعرفه معرفةً وعرفاناً: پہچاننا، جاننا، حقیقت کو پالینا، حواسِ خمسہ کے ساتھ جاننا

المعروف: مشہور، خیر، رزق۔ معروف منکر کا ضد ہے۔

(۲) شرعی معنی:

قرآن کریم میں لفظ معروف تقریباً چالیس جگہ پر آیا ہے اور سنت میں بے شمار استعمال ہوا ہے، امام

الراغب فرماتے ہیں:

" اسم لكل فعل يعرف بالعقل او لشرع حسنه وضده المنكر وهو ماينكر بها قال تعالىٰ يا مرون بالمعروف وينهون عن المنكر وهذا لكلام يحمل على المعنى اللغوى ." (۵)

''معروف ہراس فعل کو کہتے ہیں جسے عقل یا شریعت اچھا (نیکی) سمجھے، اس کی ضد منکر ہے اور منکر وہ فعل ہے جسے ناپسند (برائی، قبیح) سمجھا جائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وہ معروف (نیکی) کا حکم کرتے ہیں اور منکر (برائی) سے روکتے ہیں۔'' اس کلام کو لغوی معنی پر محول کیا جاتا ہے۔''

اس بحث میں معروف کا شرعی معنی مراد ہے۔ یعنی ''وہ امور جو شرعاً معروف ہیں نہ کہ وہ جو عقلاً یا عادتاً۔

طاعت

خلیفہ کی اطاعت لازم ہے۔ قرآن وسنت میں اس کے دلائل موجود ہیں۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے:

" ان خليلى صلى الله عليه وسلم اوصاني ان اسمع واطيع وان كان عبداً مجدع الاطراف ." (۶)

''میرے خلیل (ﷺ) نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں سنوں اور اطاعت کروں اگر چہ امیر، غلام اور کان کٹا ہو۔''

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" والمراد اخس العبيد اي اسمع واطع للامير وإن كان دنى النسب حتى لو كان عبدا اسود مقطوع الاطراف فطاعته واجبة." (۷)

''اس سے مراد گھٹیا ترین غلام ہے، یعنی امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو اگر چہ وہ گھٹیا نسب والا ہو حتیٰ کہ اگر وہ کالا غلام کان کٹا بھی ہو تو اس کی اطاعت واجب ہے۔''

احادیث

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر (امام وخلیفہ) کی اطاعت کو لازم قرار دیا

ہے۔درجِ ذیل احادیث میں امیر کی اطاعت کو رسول اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ نبوت ہے:

" من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصا نی فقد عصی الله ومن اطاع امیری فقد اطا عنی ومن عصیٰ امیر ی فقد عصانی." (۸)

''حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

" اي لانی لا آمر الا بما امر الله به فمن فعل ما آمره به فانما اطاع من امرنی ان آمره ." (۹)

''یعنی اس لیے کہ میں صرف اس چیز کا حکم دیتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، جس نے میرے حکم پر عمل کیا تو اس نے اسی ذات کی اطاعت کی جس نے مجھے یہ حکم دینے کا حکم کیا تھا۔''

مطلب واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں دراصل اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکامات ہی بتاتا ہوں تو جو میری بات پر عمل کرتا ہے تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتا ہے۔

۲۔ اسلامی نظام میں خلیفہ کی اطاعت کی اس طرح تاکید کی گئی ہے کہ اگر سابقہ حبشی غلام بھی حاکم بن جائے تو اس کی بھی اطاعت کی جائے۔چناچہ ارشادِ نبوت ہے:

" اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد کان رأسه زبیبة." (۱۰)

''سنو اور اطاعت کرو اگر چہ تمہارے اوپر غلام کو عامل بنا دیا جائے کہ جس کا سر کشمش کی طرح ہو۔''

اسی طرح مسلم کی روایت ہے:

" ولو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب الله فاسمعوا له واطیعوا ." (۱۱)

''اگر تمہارے اوپر غلام عامل بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے ساتھ تمہاری قیادت کرے تو اس کی بات سنو اور اس (کے حکم) کی اطاعت کرو۔''

علامہ قلقشندیؒ لکھتے ہیں:

" والامام هو اعظم ولاة الامور لعموم ولایة فهو احق بالطاعة واجد بالانقیاد لاوامره ونواهیه مالم یخالف امر الشرع." (۱۲)

''امام اولی الامر میں سب سے بڑا ہے کیونکہ اس کی ولایت واقتدار عام ہے، پس وہ اطاعت کا زیادہ حق دار ہے اور اس بات کا زیادہ لائق ہے کہ اس کے احکام اور نواہی کی اتباع کی جائے جب تک کہ وہ شریعت کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے

" علیک السمع والطاعة فی عسرک ویسرک ومنشطک ومکرھک وأثرةٍ علیک ." (۱۳)

''تم پر تنگی اور آسانی پسندیدگی اور ناپسندیدگی اور دوسروں کو ترجیح دینے کی صورت میں بھی سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے۔''

اطاعت معروف میں لازم ہے اور یہ اطاعت مطلق فرض نہیں بلکہ مقید ہے۔ یعنی صرف معروف میں اس کی اطاعت کی جاسکتی ہے نہ کہ معصیت میں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

" انما الطاعة فی المعروف ." (۱۴)

''اطاعت صرف معروف میں لازم ہے۔''

امام بدرالدین العینیؒ لکھتے ہیں:

" یعنی تجب الطاعة فی المعروف لا فی المعصیة ." (۱۵)

''یعنی اطاعت کرنا صرف معروف میں واجب ہے، معصیت میں نہیں۔''

معروف سے مراد

معروف سے کیا مراد ہے؟ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ آیت ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ ﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

" قال الطیبي اعاد الفعل فی قوله ﴿ أطیعوا الرسول ﴾ اشارة الی استقلال الرسول بالطاعة ولم یعده فی اولی الامر اشارة الی انه یوجد فیھم من لا تجب طاعته ثم بین ذلک بقوله ﴿ فإن تنازعتم فی شئ ﴾ کانه قیل فإن لم یعملوا بالحق فلا تعطیعوھم وردوا ما تخالفتم فیه الی حکم الله ورسوله ." (۱۶)

''طیبی فرماتے ہیں کہ ﴿ أطیعوا الرسول ﴾ میں اطیعوا فعل کے اعادے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی مستقل حیثیت ہے۔ اولی الامر

میں اطیعوا فعل کے اعادہ نہ کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اولی الامر میں ایسی چیز کا پایا جانا ممکن ہے جس میں اس کی اطاعت واجب نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آگے اس کو ﴿ فان تنازعتم فی شی ﴾ میں بیان فرمادیا کہ اگر وہ حق پر عمل نہ کریں تو ان کی اطاعت نہ کرو اور جس میں تمہیں اختلاف ہو اس میں اللہ (کتاب) اور اس کے رسول (سنت) کی طرف رجوع کرو۔''

درجِ ذیل حدیث میں معروف کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

'' **ولو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا لہ واطیعوا .**'' (۱۷)

''اگر تمہارے اوپر غلام عامل بنادیا جائے جو کتاب اللہ کے ساتھ تمہاری قیادت کرے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔''

اسلامی ریاستی نظام میں خلیفہ کا سب سے بڑا فریضہ کتاب وسنت کے قوانین کا نفاذ ہے۔ یہی وجہ ہے اہل حل وعقد اور امت اس کی اس شرط پر بیعت کرتی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق حکومت کرے گا۔ حضرت الفاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو خلیفہ منتخب کیا تو ان کی بیعت کرتے ہوئے فرمایا:

'' **فقال ابایعک علی سنة اللہ ورسولہ والخلیفتین من بعدہ.**''(۱۸)

''فرمایا کہ میں آپ کی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور ان کے بعد دونوں خلفاء کے طریق (کی اتباع کرنے) پر بیعت کرتا ہوں۔''

اسی طرح جب خلیفہ عبدالملک بن مروان کی بیعت کی گئی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں خط میں تحریر فرمایا:

'' **انی اقر بالسمع والطاعة لعبد اللّٰہ عبد الملک امیر المؤمنین علیٰ سنة اللّٰہ وسنة رسولہ فیما استطعت وانّ بنی قد اقروا بذلک.**'' (۱۹)

''میں اللہ کے بندے امیر المؤمنین عبدالملک کی اللہ اور اس کے رسول کے طریق (کی پیروی کرنے) پر سمع وطاعت کی بیعت کرتا ہوں جتنی مجھے استطاعت ہے، میرے بیٹے بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔''

مندرجہ بالا روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خلیفہ کی اطاعت صرف معروف میں لازم ہے اور

معروف سے مراد کتاب وسنت ہے یعنی خلیفہ کی اطاعت اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ کتاب و سنت کے مطابق احکام دے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ مباحات کے ذیل میں آتے ہوں، ملک میں اسلامی نظامِ خلافت کے اصول وقوانین کا نفاذ کرے اور عدالتی نظام کو قوانین شریعت کے مطابق چلائے۔ اگر کوئی حکمران نظامِ خلافت کے اصولوں کے مطابق ملکی نظام اور ریاستی امور کو سرانجام نہیں دیتا تو اسے حکمرانی کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم ہے، بلکہ اس کی اطاعت ناجائز ہے۔

معصیت میں اطاعت جائز نہیں

اگر خلیفہ ایسا حکم دیتا ہے جو کتاب وسنت کے موافق نہیں تو اس کی اطاعت ہرگز جائز نہیں ہے۔ یعنی جن امور کا از روئے شریعت معصیت اور ناجائز ہونا واضح اور تسلیم شدہ ہے، خلیفہ کے لیے ان کا حکم دینا ناجائز ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ آیت ﴿ یٰایّھا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرّسول ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" وھذا الحکم یعنی وجوب اطاعۃ الامیر مختص بما لم یخالف امرہ الشرع ." (۲۰)

''اور یہ حکم یعنی امیر کی اطاعت کا وجوب اس امر کے ساتھ مختص ہے کہ اس کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو۔''

امام بدرالدین العینیؒ فرماتے ہیں:

" والاخبار الواردۃ بالسمع والطاعۃ للأئمۃ مالم یکن خلافا لامر اللہ تعالیٰ ورسولہ فإذا کان خلاف ذلک فغیر جائز لاحد ان یطیع احداً فی معصیۃ اللہ و معصیۃ رسولہ ." (۲۱)

''آئمہ کی سمع وطاعت سے متعلق آنے والی روایات کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ان کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف نہ ہو، اگر خلاف ہو تو کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معصیت میں کسی کی طاعت کرے۔''

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

" اجمع العلماء علی وجوبھا فی غیر معصیۃ وعلی تحریمھا فی المعصیۃ ." (۲۲)

''علماء نے معصیت کے علاوہ (احکام) میں طاعت کے وجوب پر اور معصیت میں طاعت کے حرام ہونے پر اجماع کیا ہے۔''

یعنی علماء اور فقہاء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اگر خلیفہ کے احکامات کی تعمیل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور شریعت کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو تو اس کے احکامات کی تعمیل واجب ہے۔ اس کے برعکس اس کے احکامات کی تعمیل حرام ہے۔

ا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معصیت میں اطاعت سے منع فرمایا ہے:

" السمع و الطاعة على المرء المسلم فيما احب و كره مالم يو مر بمعصية فا ذا امر بمعصية فلا سمع و لا طا عة ." (۲۳)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح لکھتے ہیں:

" اي لا يجب ذلک بل يحرم على من كان قادراً على الامتنا ع ." (۲۴)

''یعنی یہ (اطاعت) واجب نہیں بلکہ جو اس کے نہ کرنے پر قادر ہو، اس پر حرام ہے۔''

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لیے ایک لشکر کو بھیجا۔ سپہ سالار نے آگ جلوا کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس میں کود جائیں۔ کچھ لوگوں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا اور کچھ نے یہ کہہ کر داخل ہونے سے انکار کر دیا کہ اسلام لا کر اسی سے تو ہم بچے ہیں کیا پھر اسی میں داخل ہوں؟ آپؐ کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

" لا طاعة فى معصية الله انما الطاعة فى المعروف ." (۲۵)

''اللہ تعالیٰ کی معصیت (والے احکام) میں طاعت لازم نہیں، طاعت صرف معروف میں ہے۔''

علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

" ان وجوب طاعته انما هو فيما لا يخالف الشر ع ." (۲۶)

''(امیر کی) طاعت صرف ان امور میں واجب ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔''

اطاعت حسبِ استطاعت

جب خلیفہ کوئی حکم دے تو رعایا پر اس کی تعمیل لازم ہے، لیکن بعض اوقات اس حکم پر عمل کرنے میں موانع پیش آ جاتے ہیں اور انسان عمل کرنے سے معذور ہوتا ہے۔ اس لیے شریعت نے خلیفہ کی اطاعت حسبِ استطاعت لازم قرار دی ہے۔ یعنی جتنی طاقت وقدرت ہو اس کے مطابق اطاعت

ضروری ہے۔ ما فوق الطاقة اطاعت واجب نہیں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾

(البقرة : ۲۸٦)

ترجمہ: اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

۲۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا سْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيْعُوا ﴾

(التغابن : ١٦)

ترجمہ: ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور سنو اور مانو۔

۳۔ ﴿ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾

(الحج : ۷۸)

ترجمہ: نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔

احادیث

(۱) امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:

" قال كنا اذا بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة يقول لنا فيما استطعت ." [۲۷]

" فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سمع و طاعت کی بیعت کرتے تو آپ ﷺ فرماتے کہ (کہو کہ) جتنی مجھ میں استطاعت ہوگی۔"

(۲) امام بخاریؒ حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں:

" قال بايعت رسول الله على السمع والطاعة فلقنى فيما استطعت ." [۲۸]

" میں نے رسول اللہ ﷺ کی سمع وطاعت پر بیعت کی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ (کہو کہ) جتنی مجھے استطاعت ہوگی۔"

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

" ومن بايع اماماً فاعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه ان استطاع ." [۲۹]

" جس نے امام کی بیعت کی اور خلوصِ دل سے اسے قبول کیا تو اسے چاہیے کہ وہ حسبِ

استطاعت اس کی اطاعت کرے۔''

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

'' هذا من كمال شفقته صلى الله عليه وسلم ورأفته با متہ يلقنهم ان يقول احدهم فيما استطعت لئلايدخل فی عموم بيعة مالا يطيق .''(۳۰)

''یہ رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت پر شفقت اور مہربانی ہے کہ آپ انہیں (صحابہ کرامؓ کو) یہ کہنے کی تلقین کر رہے ہیں کہ جتنی مجھے استطاعت ہوگی۔ یہ اس لیے تا کہ بیعت کے عموم میں وہ امور شامل نہ ہوں جن کی انہیں طاقت نہیں۔''

اسلام نے امیر کی سمع وطاعت کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ اطاعت امیر کو تمام رعیت (مسلمان وذمی) پر واجب قرار دیا ہے اور اطاعت امیر کو اطاعت اللہ والرسول ﷺ قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ (النساء : ۵۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول ﷺ کی اور اپنے فرمانرواؤں کے حکم پر چلو۔''

اولی الامر سے مراد

اولی الامر سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ سب سے راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد امراء ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ صحیح بخاری کی شرح میں باب قولہ تعالیٰ ﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِى الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

'' فی هذا اشارة من المصنف الى ترجيح القول الصائر الى ان الآية نزلت فی طاعة الامراء .''(۳۱)

''(مذکورہ آیت کے ذیل میں اطاعتِ امیر سے متعلق احادیث ذکر کرنے سے) مصنف کی طرف سے اس قول کو ترجیح دینے کا اشارہ ہے کہ آیت امراء کی اطاعت کے بارے میں نازل ہوئی۔''

﴿ وَاِذَاجَآءَ هُمْ اَمْرٌمِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخُوْفِ اَذَاعُوابِهٖ وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿

(النساء : ۸۳)

ترجمہ: ''اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات امن کی یا ڈر کی پھیلاتے ہیں اس کو اور اگر پھیرتے اس کو رسول ﷺ کیطرف اور اپنے میں سے اولوالامر کیطرف البتہ جان لیتے اس کو وہ لوگ جو تحقیق کرتے ہیں اس کی ان میں سے اور اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تمہارے اوپر اور اس کی مہربانی البتہ تم شیطان کی پیروی کرتے مگر تھوڑے سے۔

احادیث

۱۔ ''عن عبادة بن الصامتؓ قال بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة فى المنشط والمكره وان لا ننازع الامراهله وان نقوم اونقول بالحق حيث ماكنا لانخاف فى الله لومة لائم.'' [۳۲]

''عبادۃ بن الصامت سے روایت ہے کہ ہم نے رسول ﷺ سے آپ کا حکم سننے اور اطاعت کرنے کی بیعت کی، خوشی میں اور ناگواری میں اور یہ کہ ہم ذمہ داروں سے ان کے معاملات میں جھگڑا نہ کریں اور یہ کہ ہم حق کو لے کر کھڑے ہوں یا حق بات کہیں جہاں بھی ہوں اور اللہ کے راستے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں۔''

۲۔ ''عن ابى هريرةؓ قال قال رسول ﷺ من اطاعنى فقداطاع الله ومن عصانى فقد عصى الله ومن اطاع اميرى فقد اطاعنى ومن عصىٰ اميرى فقد عصانى .'' [۳۳]

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

قرآن وسنت اور فقہا کے اقوال میں جہاں لفظ اولی الامر، رئیسِ حکومت، امام یا خلیفہ کے لیے آتا ہے، اس سے شرعی امیر یا شرعی امام مراد ہے جو کامل طریقہ پر امام وخلیفہ ہو اس سے کافر حکمران، فاسق وفاجر اور قابض بادشاہ مراد نہیں ہیں۔ جن وجوہات سے حاکم، امام یا شرعی امیر بنتا ہے وہ بہت مفصل ہیں۔ یہاں صرف خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ شرعی نظام **ب۔** شرعی مملکت **ج۔** شرعی حاکم

ا۔ شرعی نظام

مملکت میں نظامِ خلافت قائم ہو، یعنی شریعت کی حاکمیت و قیادت مسلم ہو، تمام قوانین قرآن و سنت کے مطابق ہوں اور اسلامی عدالتی نظام باقاعدہ کام کر رہا ہو تو تب حاکم کی اطاعت لازم ہو گی۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں:

" حق علی الامام ان یحکم بما انزل اللہ و ان یؤدی الامانۃ فإذا فعل ذاک کان حقا علی المسلمین ان یسمعوا ویطیعوا ویجیبوا إذا دعوا .'' (۳۴)

''امام پر یہ لازم ہے کہ وہ ما انزل اللہ (قرآن وسنت) کے مطابق حکم کرے اور (حاکمیت کی) امامت (کی ذمہ داری) کو کرے۔ جب اس نے ایسا کیا تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کے حکم کو سنیں، اس کی اطاعت کریں اور جب انہیں بلایا جائے تو اسے قبول کریں۔''

داخلی طور پر حکومت وسلطنت (قوت و طاقت) مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اسلام و مسلمان باعزت ہوں بایں طور کہ اسلامی مملکت مستقل وخودمختار ہو۔ استعمار یا کفار کا قبضہ یا کنٹرول نہ ہو یعنی سامراج و کفار کی بالواسطہ حکومت نہ ہو جس سے خودمختاری واستقلال میں کمی یا نقص واقع ہو یعنی دارالسلام ہو اور دارالکفر کے کوئی آثار نہ ہوں۔

ب۔ شرعی مملکت

مملکت کی شخصیت اور اس کا وجود شرعی ہو۔ یعنی پوری دنیا میں ایک اسلامی حکومت ہو۔ متعدد ممالک کا نظام ایک ہو۔ ان کا حاکم یعنی خلیفہ ایک ہو۔ کوئی اسلامی ملک چھوٹا ہو یا بڑا اس کی حیثیت، نظام اور حکمران خلافت سے علیحدہ نہ ہو بلکہ تمام اسلامی ممالک کا مرکز ایک ہو کیونکہ اسلام میں ایک مملکت، ایک نظام اور ایک خلیفہ ہے۔

ج۔ شرعی حاکم

حاکم کا انعقاد خلافت کی شروط کا جامع ہونا یعنی مسلمان، مرد، عاقل، بالغ، عادل (کبائر سے بچتا اور صغائر پر اصرار نہ کرتا) ہو۔ شرائط افضلیت کا پایا جانا شرط نہیں ہے۔ حاکم کی بیعت اہل حل وعقد کے اختیار و رضامندی سے ہو۔ اگر شرائطِ انعقاد نہ پائی جائیں یا کوئی شخص کا فرانہ نظام کی بنیاد پر حاکم بن

جائے جیسے موروثی بادشاہت یا جمہوری الیکشن۔ یا نظام اسلامی اور شرعی ہو مگر زبردستی حکومت پر قابض ہو جائے تو ایسا حاکم غیر شرعی حکمران ہے اور شرعاً اس کی حکمرانی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ تو حاکم اعلیٰ (خلیفہ وامام) کا حکم تھا۔ نائب وقائم مقام کا وہی حکم ہے جو خود حاکم اعلیٰ (خلیفہ وامام) کا ہے۔

یعنی اگر حاکم اعلیٰ شرعی ہے تو اس کا نائب بھی شرعی حاکم ہوگا اور اس کی اطاعت لازم ہوگی۔ اگر حاکم اعلیٰ غیر شرعی ہے تو نائب وقائم مقام بھی غیر شرعی ہوگا اور حاکم اعلیٰ کی طرح اس کی اطاعت بھی ساقط ہوگی۔ فاسق کی حکمرانی شرعاً ساقط ہے اور ابتدا اس کو حاکم بنانا جائز نہیں۔ موجودہ دور میں جمیع اسلامی ممالک کے حکمران فاسق ومجرم ہیں، اللہ ورسول کے نافرمان ہیں، کیونکہ وہ نظامہائے باطلہ کے ذریعہ امورِ مملکت چلاتے ہیں اور اسلامی احکام کو نظر انداز کرتے ہیں بلکہ جدید دور میں اسلام کو ناقابل عمل سمجھتے ہیں اور بعض تو ان میں سے کافر ومرتد ہیں۔ ان فاسق وفاجر نام نہاد مسلم حکمرانوں کی اطاعت ہرگز جائز نہیں ہے۔

حوالہ جات: باب طاعتِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
۱۔	المعجم الوسیط	
۲۔	احکام القرآن	۵۷۳/۱
۳۔	أیضاً	
٤۔	فتح الباری	٤/۱۵
۵۔	المفردات لغریب القرآن	
٦۔	صحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء	
۷۔	شرح النووی لصحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء	
۸۔	صحیح البخاری کتاب الأحکام باب قول اللّٰہ أطیعوا اللّٰہ الخ	
۹۔	فتح الباری	٤/۱۵
۱۰۔	صحیح البخاری کتاب الأحکام باب قول اللّٰہ أطیعوا اللّٰہ الخ	
۱۱۔	صحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء	
۱۲۔	مآثر الانافة	٦۲/۱
۱۳۔	صحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء	
۱٤۔	صحیح البخاری کتاب الأحکام باب السمع والطاعة	
۱۵۔	عمدة القاری	۳۹۳/۱٦
۱٦۔	فتح الباری	٤/۱۵
۱۷۔	صحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء	
۱۸۔	صحیح البخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس	
۱۹۔	أیضاً	

۲۰۔ التفسیر المظهری جـ ۲ حصه ۲ ۱۵۲
۲۱۔ عمدة القاری ۳۹۰/۱٦
۲۲۔ شرح النووی لصحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء
۲۳۔ صحیح البخاری کتاب الأحکام باب السمع و الطاعة
۲٤۔ فتح الباری ۱۸/۱۵
۲۵۔ صحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء
۲٦۔ شرح المقاصد ۳۵۰/۵
۲۷۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس
۲۸۔ ایضاً
۲۹۔ صحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة الاول
۳۰۔ شرح النووی لصحیح المسلم کتاب الامارة باب وجوب الوفاء
۳۱۔ فتح الباری ٤/۱۵
۳۲۔ صحیح البخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس
۳۳۔ أیضاً باب السمع و الطاعة
۳٤۔ مصنف ابن ابی شیبة کتاب السیر باب ما جاء فی طاعة الامام

بابِ تاسع

فرائض خلافت

منصبِ خلافت ایک بہت بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔نظامِ خلافت میں جہاں خلیفہ کو حقوق اور اختیارات دیے گئے ہیں، وہاں خلافت کے مقاصد کے حصول کے لیے اس پر بڑی بڑی ذمہ داریاں بھی عائد کی گئی ہیں۔خلیفہ کے فرائض کے ضمن میں سب سے بہتر تقسیم امام الحرمینؒ نے کی ہے۔ہم اسی ترتیب کے مطابق فرائض کو بیان کریں گے۔خلیفہ کے فرائض میں سے کچھ کا تعلق دین اور کچھ کا دنیا سے ہے۔

دینی امور

ان امور کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ جن کا تعلق اصل دین سے ہے۔

(۲) وہ جن کا تعلق فروع دین سے ہے۔

اصل دین

اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(ا) دین کی حفاظت اہل اسلام کے حوالہ سے

(ب) کفار کو اسلام کی دعوت

محکمہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا قیام

دین کی حفاظت:

اسلام کے سیاسی نظام میں محکمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو حسبہ بھی کہتے ہیں۔امام ماوردیؒ اس کی مندرجہ ذیل تعریف کرتے ہیں:

" الحسبة هى امر بالمعروف إذا اظهر تركه' ونهى عن المنكر إذا اظهر فعله .،، (۱)

"یعنی حسبہ سے مراد یہ ہے کہ جب معروف کو ترک کیا جائے تو اس کا امر کیا جائے اور

جب منکرات ہونے لگیں تو اس سے نہی کی جائے۔"

رسول اللہ ﷺ جس کامل واکمل دین کو لائے ہیں۔اس کو اس کی اصلی شکل وصورت میں باقی رکھنا، لوگوں کے شکوک وشبہات کو ختم کرنا اور اگر کوئی شخص ارتداد اختیار کرے تو اسلامی اصولوں کے مطابق اس کے خلاف کاروائی کرنا۔خلیفہ پر لازم ہے کہ ماہر علماء وفقہاء کے ذریعے مرتد کے اعتراضات اور شبہات کو ختم کرائے اگر اس کے باوجود وہ توبہ نہیں کرتا تو اس کو قتل کرا دے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارتداد سے متعلق فرمایا:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِيْ اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ﴾

(المائدة : ۵۴)

ترجمہ:"اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی وہ مسلمانوں پر مہربان ہوں گے، کافروں پر تیز ہوں گے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے سے کچھ عرصہ قبل مختلف قبائل میں ارتداد شروع ہوا اور آپ کے بعد تو یہ فتنہ بہت زور وشور سے پھیلنے لگا۔حضرت الصدیقؓ نے حکمت و بصیرت اور جامع حکمتِ عملی کے ساتھ اس کو ختم کیا۔اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

"وشرح تدبیرے کہ خدائے تعالیٰ رائے ایں حادثہ مقرر فرمود آنست کہ داعیۂ قتال در خاطر صدیق اکبر باہتمام فروریخت وآں سرّ قول آنحضرت بود ﷺ دریں فتنہ **العصمة فيها السيف** ."[۲]

"اس (ارتداد) کے حادثہ میں جو تدبیر اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی تھی، اس کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت صدیق اکبرؓ کے دل میں جہاد کا داعیہ بڑے اہتمام سے ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کہ "اس فتنے میں بچنے کی صورت تلوار اٹھانا ہے" کا یہی مطلب ہے۔(کہ مرتدین سے جہاد کیا جائے)"

امام ابن تیمیہؒ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فرضِ کفایہ قرار دیتے ہیں:

"وكذلك الامر بالمعروف والنهي عن المنكر لا يجب على كل احد بعينه بل هو على الكفاية كما دل عليه القرآن."[۳]

"اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر ایک پر فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے جیسا کہ قرآن اس پر دلالت کرتا ہے۔"

(ب) مکمل دین پر عمل کرائے اور بدعات کا سدباب کرے تاکہ دین کامل میں منگھڑت چیزوں کا دخول نہ ہو۔ اگر اہل بدعت اس سے باز نہ آئیں تو قانون کے مطابق ان کے خلاف ضروری کاروائی کرے۔ تاکہ بدعات کا دروازہ مستقل بند ہو جائے اور انہیں دوبارہ سر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"واجب است بر خلیفہ نگاہ دانش دین محمدی ﷺ...... کہ قتل کند مرتدین و زنادقہ را و زجر نماید مبتدعہ را۔"[۴]

"خلیفہ پر دین محمدی ﷺ کا تحفظ کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کی سنتِ مستفیضہ سے ثابت ہو اور سلفِ صالحین کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہو۔ مخالف پر انکار کرنا (بھی خلیفہ پر واجب ہے) جس کی صورت یہ ہے کہ مرتدین اور زندیقین سے قتال کیا جائے اور بدعتی لوگوں کو سزا دی جائے۔"

قاضی ابو یعلیٰؒ لکھتے ہیں:

"احدها حفظ الدين على الاصول التي اجمع عليها سلف العامة فإن زاغ ذو شبهة عنه بين له الحجة واوضح له' الصواب."[۵]

"(خلیفہ کی ذمہ داریوں میں سے) ایک دین کی حفاظت کرنا ہے، یعنی اصولوں کے مطابق جن پر عامۃ السلف کا اجماع ہو چکا ہے۔ اگر کوئی شبہ کرنے والا اس سے انحراف کرے، اس کے سامنے حجت بیان کرے اور صحیح و درست بات واضح کرے۔"

نظامِ دعوت کا قیام

کفار کو دعوتِ اسلام:

کفار کو اسلام کی دعوت دو طریقوں سے دی جاتی ہے:

(ا) دلائل کے ذریعے

(ب) تلوار کے ذریعے

دعوتِ اسلام بذریعہ دلائل:

خلیفہ کو چاہیے کہ کفار تک دعوت پہنچانے اور حجت قائم کرنے کے لیے زمانے کے ماہر علماء وفقہا کو بھیجے تا کہ وہ احسن طریقے سے دعوت دین پہنچا سکیں۔امام الحرمینؒ لکھتے ہیں:

" فَاِنْ بَلَغَ الامامَ تشّوفُ طوائف من الکفار الی قبول الحق لو وجدوا مرشداًاشُخَصَ اِلَیْھم من یتقلّ لھذا الامر من علماء المسلمین وینبغی ان یتخیر لذٰلک فَطَناً لبیباً بارعاً اریباً متھدیاً ادیباً."(٦)

دعوت بذریعہ جہاد:

''اگر امام کو یہ بات پہنچے کہ کفار کے کچھ گروہ کو کوئی رہنمائی کرنے والا آدمی مل جائے تو وہ قبولِ حق (اسلام) کی طرف آجائیں گے تو اسے چاہیے کہ علماء مسلمین میں ایک باصلاحیت شخص کو اس طرف بھیجے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے لیے ذہین، ذی استعداد، صاحبِ تقویٰ وہدایت اور ادیب کو منتخب کرے۔''

اگر بذریعہ دلائل و براہین کفار دین اسلام کو قبول نہیں کرتے اور انکار کرتے ہیں تو ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا تا کہ دین حق قبول کرنے میں جو رکاوٹ ہے یعنی امراء اور مقتدر طبقہ، اس کو ختم کر دیا جائے اور دعوت اسلام بالکل عام ہو جائے جو قبول کرنا چاہے۔مشرف باسلام ہو جائے۔ جہاد کے ذریعہ کفار کو دعوت اسلام سلامی سیاسی نظام کا (خلافت) کا اہم فریضہ ہے جس کے متعلق کتاب وسنت اور کتب فقہ میں احکامات موجود ہیں۔جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

نظامِ عبادات کا قیام

فروعِ دین

فروع سے وہ امور مراد ہیں جن کا تعلق عبادات بدنیہ جن کا بندوں کو مکلّف بنایا گیا ہے جب انہیں ان کے ارکان شرائط اس میں خلیفہ کی نگرانی کا کوئی تعلق نہیں ہے اور مقررہ اوقات میں ادا کیا جارہا ہو تو اسلام کے ظاہری شعار میں خلفیہ کی نگرانی کا تعلق ہے۔یہ شعار دو قسم کے ہیں:

(ا) وہ جن میں عظیم اجتماع ہوتا ہے جیسے جمعہ، عیدین اور حج۔

(ب) وہ جن میں اجتماع نہیں ہوتا جیسے اذان اور نماز پنجگانہ (صلوٰات خمسہ) کی جماعت

پہلی قسم کے اجتماعات میں خلیفہ کی بذات خود شرکت لازمی ہے۔اگر خود حاضر نہ ہو سکے تو اپنا نائب مقرر

کرے جیسے رسول ﷺ نے حضرت الصدیقؓ کو امیر الحج مقرر کرتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''دیگر اقامتِ ارکانِ اسلام تو دن از جمع و جماعات وزکوٰۃ......وامیر الحج معین نماید۔''(۷)

''(خلیفہ کا واجب ہے) اسلام کے ارکان یعنی جمعہ، جماعت، زکوٰہ، حج اور روزے کا اس طرح قائم کرنا کہ اپنے مقام (دارالخلافہ) میں بذاتِ خود انہیں قائم کرے اور دور کے علاقوں میں مسجدوں کے امام، صدقہ وصول کرنے والے مقرر کرے اور امیر الحج مقرر کرے۔''

دوسری قسم کے ظاہری شعار کو لوگ اگر ترک کر دیں تو خلیفہ ان کو اس کے قائم کرنے کا حکم دے گا مثلاً اذان ترک کر دی جائے تو امام اہل علاقہ کو زجر د تو بیخ کر سکتا ہے اگر ان سے قتال کی نوبت آ جائے تو وہ بھی کر سکتا ہے جس کی کتبِ فقہ میں تفصیل موجود ہے۔ باقی وہ عبادات بدنیہ جو ظاہری شعار نہیں ہیں ان کا خلیفہ کے فرائض سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر فرض نماز ترک کر دیتا ہے اور اس کو قضا بھی نہیں کرتا ہے تو خلیفہ مروج فقہ کے مطابق اس کو سزا دے گا۔

نظامِ تعلیم کا قیام

احیاءِ علومِ الدین:

دینی علوم کی اشاعت اور ان کا احیاء بھی خلیفہ کا اہم فریضہ ہے۔ کیونکہ دین کا بقاو قیام دینی علوم کے بقاو قیام پر موقوف ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''واحیاءِ علومِ دین کفار بنفس خود قدرے کہ تیسر شود......وعبد من معقد را بہ بصرہ فرستاد۔''(۸)

''(خلیفہ پر یہ فریضہ ہے کہ وہ) جس قدر ہو سکے بذاتِ خود علومِ دینیہ کو زندہ رکھے اور ہر شہر میں مدرسین مقرر کرے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ علوم دین کی تعلیم کے لیے کوفہ میں مقرر کیا۔ معقل بن یسارؓ اور عبداللہ بن معقلؓ کو بصرہ میں بھیجا۔''

دنیاوی امور:

خلیفہ سے متعلق دنیاوی امور کی دو قسمیں ہیں:

(۱) غیر حاصل کو حاصل کرنا

(۲) حاصل شدہ چیز کی حفاظت کرنا

نظامِ جہاد کا قیام

پہلی قسم (غیر حاصل کو حاصل کرنا) سے مراد ہے اسلامی ریاست کی توسیع اور پوری دنیا میں نظامِ خلافت کے قیام اور دعوتِ اسلام کے لیے کوشش کرنا اور یہ خلیفہ کے اہم فرائض میں سے ہے کہ اسلامی ریاست کے پھیلاؤ کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے اس کا طریق جہاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس دین اسلام کو لے کر مبعوث ہوئے اس کو کفار تک پہنچانے کے دو طریقے ہیں:

(ا) دعوت لائل، مبراہین کے ساتھ: اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کفار کو دین اسلام سے متعلق جو شکوک وشبہات ہیں، ان کا ازالہ کیا جائے۔ دین اسلام کی سچائی اور حقانیت کے دلائل پیش کیے جائیں اور ہر ممکن طریقہ سے انہیں دین اسلام کی طرف راغب کیا جائے تا کہ وہ اسے قبول کرلیں، ورنہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔

(ب) دلائل وبراہین کے ذریعے دین اسلام کو قبول نہیں کرتے اور اعراض وانکار کرتے ہیں تو پھر ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا۔ جہاد کے ذریعے یا تو جزیہ دینا قبول کریں گے اور اسلامی ریاست کے ماتحت آجائیں گے یا پھر جنگ کریں گے۔ علامہ قلقشندیؒ فرماتے ہیں

" جهاد الكفرة المعاندين الاسلام حتىٰ يسلمو اويد خلوا فى ذمة المسلمين قياماً بحق الله تعالىٰ فى ظهور دينه على الدين كلّه ."[۹]

"اسلام کے دشمن کفار سے جہاد کرنا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا (جزیہ دے کر) مسلمانوں کے ذِمی بن جائیں، اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کے حق کو قائم کرنا ہے۔"

لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہونے کی صورت میں ان پر اسلامی نظام کا نفاذ کیا جائے گا۔ تا کہ وہ اسلامی نظام کی برکات وکامیابی کو دیکھ کر اور مجاہدین اسلام کی سیرت وکردار سے متاثر ہو کر قبولیت اسلام کی طرف راغب ہوں۔

اسلامی ریاست کی توسیع اور کفار کو دعوت اسلام دینے کے لئے جہاد فرض کفایہ ہے۔ البتہ خلیفہ پر سال میں ایک دفعہ دارالحرب کے خلاف پیش قدمی (اقدامی جہاد) کرنا فرض ہے، لیکن امام الحرمین فرماتے ہیں:

" وَهٰذَا عندى ذُهول عن التحصيل فيجب ادامة الدعوة القهرية

فیھم علی حسب الامکان ولا یتخصص ذٰلک بامدٍ معلوم فی الزمان فان اتفق جھادٌ فی جھۃٍ ثم صادف الامام من اھل تلک الناحیۃ عزّۃً والتمکن من فرضۃٍ وتیسر الھاض عسکر الیھم تعین علی الامام اَنْ یفعل ذٰلک ." (۱۰)

"یعنی میرے نزدیک یہ (مقصد کے) حاصل کرنے میں غفلت ہے۔ پس حسب امکان ان (کفار) میں دعوت بالسیف کا ہمیشہ جاری رکھنا واجب ہے اور یہ کسی متعین زمانہ (مثلاً ایک سال) کے ساتھ خاص نہیں ہے اگر کسی علاقہ میں جہاد کا اتفاق ہو جائے پھر امام اس علاقہ والوں پر غارت کا ارادہ کرے، اس کو فرصت بھی ملے، لشکر کشی بھی میسر (آسان) ہو تو امام پر جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ فروض کفایہ میں سے کچھ فرائض ایسے ہیں جن کا قائم کرنا کا فریضہ نہیں ہے بلکہ تمام لوگوں کو فریضہ ہے کہ وہ اسے قائم کریں اور اس سے غافل نہ ہوں جیسے نماز جنازہ، لیکن جہاد ایسا فرض کفایہ ہے جس کی ادائیگی خلیفہ کا فریضہ ہے اور اس پر بمنزلہ فرض عین کے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پوری امت نے بیعت کر کے اپنے اجتماعی امور اس کے سپرد کر دیے ہیں اور اس نے ان ذمہ داریوں کو قبول کر لیا ہے، لہٰذا خلیفہ پوری امت کی نیابت کر رہا ہے۔ جہاد تمام لوگوں پر تو فرضِ کفایہ ہے، لیکن چونکہ وہ اس کی ذمہ داری خلیفہ کو تفویض کر چکے ہیں اس لیے خلیفہ پر بمنزلہ فرض عین کے ہو جاتا ہے۔"

صاحبِ فتاویٰ تاتارخانیہ لکھتے ہیں:

" یجاھد فن سبیل اللہ حق جھاد موقنا فیسعیٰ فی اعلاء کلمۃ اللہ العلیا متقنا ، یتولی امر الجھاد والمجاھدین بنفسہ ولا یرضی ان یذلھم احد من خواصہ لانھم خواص حضرہ اللہ العلیا باعو النفس والمال من اللہ بفردوسہ الاعلیٰ ففیر خلیفۃ اللہ لا یعرف قدرھم بان یعفو ذنبھم ویقبل عذرھم ." (۱۱)

"(خلیفہ) اللہ تعالیٰ کے راستے میں پورے یقین کے ساتھ کما حقہ جہاد کرے، اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کوشش کرے۔ جہاد اور مجاہدین کی بذاتِ خود ذمہ داری اٹھائے اور اس کے خوصا میں سے کوئی ان (مجاہدین) کو ذلیل نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دربار کے خواص ہیں، اللہ تعالیٰ کو جنت الفردوس کے

بدلے اپنی جانیں اور مال فروخت کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کے سوا کوئی دوسرا ان کی قدر نہیں پہچان سکتا ہے۔''

جہاد مقاصد خلافت میں سے اہم مقصد ہے جیسا کہ ہم مقاصد خلافت میں مفصل ذکر کر چکے ہیں چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''وآں مطلب اعظم اسب از مطالب خلافت۔''(۱۲)

''یعنی مقاصد خلافت میں سے اعلیٰ ترین مقصد جہاد ہے۔''

آج امت مسلمہ جن مصائب وآلام میں مبتلا ہے، ہر جگہ مغلوب ہے، ہر خطہ میں ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی ہے، اور خود داخلی طور پر اختلاف وانتشار کا شکار ہے، اس کا اہم سبب یہ ہے کہ خلافت کے انہدام کے بعد نظام جہاد معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ کفار تک دعوت اسلام پہنچانے اور اسلامی ریاست کو وسعت دینے کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ آج امت مسلمہ اس اہم فریضہ کو فراموش کر چکی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ذلت ومسکنت کی زندگی گزار رہی ہے۔ غیروں کی نظریاتی، سیاسی، عسکری اور اقتصادی غلامی کا طرق گلے میں ڈالا ہوا ہے۔ عالمِ کفر نے اس کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کے پاؤں میں جمود اور مایوسی کی بیڑیاں ڈالی ہوئی ہیں اور وہ بے حس وحرکت حیاتِ مستعار کی گھڑیاں گن گن کر گذار رہی ہے۔ کاش مقصد سے بے خبر، منزل سے ناآشنا اور قائدِ کاروان سے محروم امت مسلمہ کو کوئی راہنما ورہبر مل جائے اور اس بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے چلے۔

حاصل شدہ کی حفاظت:

اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کفار سے مرکز اسلام واسلامی سرحدات کی حفاظت

(۲) داخلی استحکام وامن امان

وزارتِ جنگ کا قیام

مرکزِ اسلام کا تحفظ:

دارالاسلام کی حفاظت خلیفہ کے اہم فرائض میں سے ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ چھاؤنیاں بنائی جائیں۔ افواج کی تعداد بڑھائی جائے۔ جدید سے جدید اسلحہ تیار کیا جائے، اسلحہ تیار کرنیوالی فیکٹریاں بنائی جائیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے تحقیقی مراکز قائم کیے جائیں۔ سائنس کو ترقی دی جائے۔

سائنسدانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کی ہر طرح سے معاونت کی جائے۔ مواصلات و جاسوسی کا جال پھیلایا جائے تاکہ دشمن کی چالوں سے آگاہی رہے اور س کی ہر سازش کو ناکام بنایا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''ونگاہ دار بلادِ اسلام را از شرِ کفار و قطاعِ طریق......و اخذِ جزیہ و خراج و قسمتِ آن نیز بر غزاۃ بعمل آرد۔''(۱۳)

''(خلیفہ پر واجب ہے کہ) بلادِ اسلامیہ کو کافروں، ڈاکوؤں اور غاصبوں سے محفوظ رکھے، فوجوں اور آلاتِ جنگ سے دارالاسلام کی سرحدوں کی معمور رکھے، دشمنانِ خدا سے اقدامی اور دفاعی جہاد کرے، لشکروں کو ترتیب دے، مجاہدین کے لیے تنخواہیں مقرر کرے، جزیہ اور خراج وصول کر کے غازیوں میں تقسیم کرے۔''

داخلی استحکام وامن وامان

اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ امور جو کلیات کا درجہ رکھتے ہیں

۲۔ وہ امور جو جزئیات کا درجہ رکھتے ہیں

وزارتِ داخلہ کا قیام

پہلی قسم یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے شہروں میں مکمل امن وامان قائم کیا جائے۔ چوری، ڈاکہ لوٹ مار، بدامنی، انتشار اور قتل و غارت کا خاتمہ کیا جائے۔ شہری نظم و ضبط کو مضبوط کیا جائے۔ مفسدین اور اہل شر پر قابو پایا جائے۔ اس کے لیے محکمہ پولیس کا قیام ضروری ہے۔

دوسری قسم یعنی جزئی امور، کی تین قسمیں ہیں جن میں سے دو کا ذکر کیا جائے گا۔

عدالتی نظام کا قیام:

پہلی قسم یہ ہے کہ تنازعات اور خصومات کے فیصلے کیے جائیں۔ جس کے لیے عدالتوں کا قیام ضروری ہے۔ جدید دور میں عدلیہ کو ریاست کا اہم ستون شمار کیا جاتا ہے۔ ملک میں امن وامان کے استحکام عوام کو عدل وانصاف کی فراہمی اور ریاستی امور کو بہتر طور پر انجام دینے کے لیے نظامِ عدالت کا قیام انتہائی ناگزیر ہے، کیونکہ ہم عدل وانصاف کی فراہمی نظامِ خلافت کے مقاصد میں سے اہم مقصد ہے جیسا کہ ہم ماقبل میں ''بابِ مقاصدِ خلافت'' میں ذکر کر چکے ہیں۔ امام ولی اللہ دہلویؒ خلیفہ کی ذمہ

داریوں سے متعلق لکھتے ہیں:

"وفیصل کند میاں اہل خصومت یعنی قضا کند در دعاوی ونصب قضاۃ نماید برائے آں۔" (۱۴)

"(خلیفہ پر واجب ہے کہ) اہلِ خصومت کے درمیان تصفیہ کرے یعنی دعوؤں کا فیصلہ کرے اور اس کام کے لیے قاضیوں کو مقرر کرے۔"

قاضی ابویعلیٰ لکھتے ہیں:

" الثاني تنفيذ الاحكام بين المتشاجرين وقطع الخصوم بينهم حتى تظهر النصفة فلا يتعدى ظالم ولا يضف مظلوم." (۱۵)

"(خلیفہ کی) دوسری (ذمہ داری) تنازع کرنے والوں میں احکامات کا نفاذ اور ان کے تنازعات کا فیصلہ کرنا ہے تاکہ انصاف کا اظہار ہو نہ ظالم حد سے تجاوز کرے اور نہ مظلوم کمزور ہو۔"

بیت المال کا قیام:

دوسری قسم عوام کی فلاح و بہبود سے متعلق ہے جس کے لیے بیت المال کا قیام ضروری ہے۔ یہ تفصیل طلب موضوع ہے۔ کتبِ فقہ میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ اس میں دو طرح کے لوگ شامل ہیں، ایک یہ کہ جو لاوارث، یتیم یا پاگل و مجنون ہیں جن کو کوئی سنبھالنے والا نہیں ہے تو حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کے قیام وطعام کا معقول بندوبست کرے اور ان سے متعلقہ اداروں کا قیام عمل میں لائے۔ اسی طرح دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو محتاج ہیں اور معاشی وسائل سے محروم ہیں۔ ان کو بیت المال سے وظائف دینا یا روزگار فراہم کرنا یا قرض دینا حکومت کا فریضہ ہے۔

قاضی ابویعلیٰ لکھتے ہیں:

" الثامن تقدير العطا وما يسحق فى بيت المال من غير سرف ولا تقصير فيه ودفعه فى وقت لا تقديم فيه ولا تاخير." (۱۶)

"(خلیفہ کی) آٹھویں ذمہ داری لوگوں کو وظائف دینا اور بیت المال سے جو ان کا حق بنتا ہے، بغیر کسی اسراف اور کمی کے اور یہ بغیر کسی تقدیم وتاخیر کے وقت پر ادا کر دینا۔"

بیت المال کے مصارف کے احکام کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ مراجعت کر کے دیکھی جا سکتی ہے۔

کفالت عامہ:

کفالت عامہ سے مراد یہ ہے کہ دارالاسلام اور اسلامی ریاست کے حدود کے اندر بسنے والے ہر انسان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام ایک اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور یہ اہتمام اس درجہ تک ہونا چاہئے کہ کوئی فرد ان ضروریات سے محروم نہ رہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، مکان اور علاج شامل ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پروا ہو کر بیٹھ رہا، اللہ تعالیٰ بھی اس (نگران) کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔''

(ابو داؤد، باب مایلزم الامام من امر الرعیته)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

''جو امام (سربراہِ مملکت) ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات، فقر اور مسکینی پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔''

(جامع ترمذی، باب ماجاء فی امام الرعیۃ)

ایک اور حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس بندہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی رعایا کا راعی (حکمران) بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ کی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔'' (صحیح بخاری، باب من استرعی رعیۃ فلم ینصح)

رعایا کی خیر خواہی سے مراد اس کی ضروریات زندگی کی تکمیل کا انتظام واہتمام ہے جو ایک اسلامی ریاست کے سربراہ پر شریعت نے لازمی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی خیر خواہی کی بابت ایک اور روایت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو امیر مسلمانوں کے امور کا نگران ہو اور پھر ان کی بھلائی اور بہتری کے لئے سعی وکوشش نہ کرے اور ان کی خیر خواہی نہ کرے وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (مسند ابی عوانہ: ۱/۳۲)

ایک سربراہ ریاست کیلئے ضروری بنیادی ضروریات کی تکمیل کرنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ افراد مملکت کی دوسری ضروریات کی تکمیل بھی ضروری ہے۔ چنانچہ جو فتوحات کے بعد کافی مال بیت المال میں جمع ہونے لگا تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ جو لوگ مقروض ہوں اور وہ وفات پا جائیں، ان کے قرضے اسلامی ریاست کے خزانے سے ادا کئے جائیں۔

(صحیح بخاری باب من ترک کلا اوضیاعاً فالی)

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح طور پر فرمایا:

''متوفی جو مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو ذمہ داریاں (یعنی قرض وغیرہ) چھوڑ کر مرے وہ اللہ کے ذمہ، اور کبھی یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہیں۔ امام ابو عبیدؒ فرماتے ہیں کہ ''اس سے مراد ہمارے نزدیک وہ تمام افراد ہیں جن کی کفالت متوفی کے ذمہ ہو

اور بچے بھی اس میں شامل ہیں۔'' (کتاب الاموال: ۲۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں ہدایات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے سربراہانِ مملکت کو اس بارہ میں ہوشیار اور خبردار کردیا اور وہ اس بات کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ ان کی سلطنت کے حدود و ثغور میں نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں کو بھی کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے بلکہ ان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام ہوتا رہے چنانچہ سیدنا عمرؓ کا مشہور جملہ ہے کہ

''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی (ایک روایت میں اونٹ کا لفظ ہے) بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو مجھے گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس بارہ میں مجھ سے ضرور باز پرس کرے گا۔'' (سیرت عمر بن خطاب لابن جوزی: ۱۶۱)

عام رمادہ میں سیدنا عمرؓ کی حالت دیدنی تھی۔ آپ نے قحط زدہ لوگوں کی امداد کیلئے اس زمانہ میں وہ کچھ کیا جو کسی اور بادشاہ سے ممکن نہ تھا، آپ نے مصر، شام اور دوسرے علاقوں سے غلہ، آٹا، چربی اور تیل وغیرہ اشیائے ضرورت منگوائیں اور ہزاروں کی تعداد میں مویشی اور اونٹ باہر سے منگوا کر ذبح کیے۔ آپ نے دن رات انتظامات کی نگرانی کی اور کام کرتے کرتے آپ کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ بعد میں لوگ یہ کہہ اٹھے:

''اگر اللہ تعالیٰ عام الرمادہ میں قحط دور نہ کردیتا تو ہمیں خطرہ تھا کہ عمرؓ مسلمانوں کے اس مسئلہ کی فکر کرتے کرتے اس دنیا سے انتقال ہی نہ کر جائیں۔''

یہ تو سیدنا عمر بن خطابؓ کی کفالت عامہ کے بارہ میں اپنی ذمہ داری کا احساس تھا لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ کفالت عامہ کی اس ذمہ داری کو ہر نیک دل سربراہِ ریاست نے محسوس کیا۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ تو کفالت عامہ کی اس گراں بار ذمہ داری کا خیال کر کے اکثر و بیشتر روتے رہتے تھے کہ کہیں قیامت کے روز عدالت خداوندی کٹہرے میں نہ کھڑے ہونا پڑے۔ چنانچہ آپ کی اہلیہ محترمہ فاطمہؒ کہتی ہیں کہ میں ایک دن آپ کے کمرہ میں گئی۔ آپ جائے نماز پر تھے اور آنسوؤں سے آپ کی ریش مبارک تر تھی۔ میں نے پوچھا: کیا کوئی نئی بات ہوگئی ہے؟ فرمایا:

''میں نے پوری امت محمدیہ کی ذمہ داری لے لی ہے، لہٰذا میں بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بہت بوڑھے افراد اور ان لوگوں کے بارہ میں غور و فکر کر رہا تھا جو بکثرت اہل و عیال والے ہیں مگر مالدار نہیں ہیں اور مختلف علاقوں میں اسی قسم کے لوگوں کے بارہ میں متفکر تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مجھ سے ان کے بارہ میں پوچھے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلہ میں ان لوگوں کے وکیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ جرح میں میری بات پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکے گی تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا۔'' (کامل ابن اثیر: ۲۴/۵، کتاب الخراج: ۱۰، سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن محمد عبداللہ بن عبدالحکم: ۱۷۸)

معاشی ترقی

کفالت عامہ کی طرح ملک کی معاشی تعمیر وترقی بھی اسلامی ریاست کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ کسی ملک کی معاشی ترقی اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد بھی ہے اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط بھی۔ اسی وجہ سے قرآن وحدیث میں اسلامی ریاست کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کے استحکام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا:

﴿واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل﴾ (انفال:٦٥)

''اور اپنے دشمنوں کیلئے جتنی طاقت تم میں سے ممکن ہو سکے تیار رکھو اور پلے ہوئے گھوڑوں سے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں فوجی تیاریوں، گھوڑسواری، اسلحہ کی فراہمی اور گھوڑوں کی فراہمی پر صحابہ کرام کو برابر ترغیب دیتے رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں کفالت عامہ کے ساتھ ساتھ ملک کی معاشی تعمیر و ترقی اور ملک کے لئے فوجی طاقت اور دفاعی قوت کے استحکام کے لئے وہی کچھ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں کیا کرتے تھے۔ آج کی فوجی تیاریاں اور دفاعی قوت کے ذرائع اس زمانہ سے بہت مختلف ہیں۔ آج اسی حکم اور ارشادِ خداوندی کا منشاء یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے معیار کے مطابق فوجی تیاریاں کی جائیں اور دفاعی قوت پیدا کی جائے۔

ایک اسلامی ریاست کیلئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ملک کی تعمیر وترقی کا پورا پورا اہتمام کرے۔ چنانچہ قرآنی آیت ''**هو الذى انشاء كم من الارض واستعمر كم فيها**'' (ہود:٦١) کی تفسیر میں امام جصاص نے لکھا ہے کہ

''تم کو حسب ضرورت اس کے آباد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ زمین کو زراعت، باغبانی اور تعمیر مکانات کیلئے درست کرنا واجب ہے۔'' (احکام القرآن:٣/١٦٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی منقول ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

﴿عمروا بلادى فعاش فيها عبادى﴾ (المبسوط، سرخسی:٢٣/١٥)

''(انہوں نے) میرے ملکوں کو آباد کیا تو ان میں میرے بندوں نے زندگی بسر کی۔''

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کی خوش حالی اور معاشی تعمیر وترقی مطلوب خداوندی ہے۔

امام ماوردی نے ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ نقل کیا ہے:

﴿عمارة البلدان باعتماد مصالحها وتهذيب سبلها ومسالكها﴾

''(اپنے زیر حکومت) ممالک اور شہروں کے جملہ مصالح کے تحفظ اور اس کی شاہراہوں اور دوسرے ذرائع نقل وحمل کو بہتر بنا کر ان کی تعمیر وترقی اور خوشحالی وآبادی کو قائم رکھے۔''

(ادب الدین والدنیا:۸۲)

شہروں میں تعمیری اور ترقیاتی کاموں کے فروغ کیلئے آپ نے موجودہ زمانہ کے پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ (P.W.D.) کی طرح ایک محکمہ بنایا۔اس محکمہ کو آج کل کی عرب دنیا میں ''نظارت نافعہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔آپ نے اس محکمہ کے زیراہتمام تمام اسلامی مملکت میں مختلف سرکاری عمارتیں بنوائیں، سڑکیں بھی تعمیر کرائیں اور مختلف شہروں میں نہریں بھی کھدوائیں۔زراعت کی ترقی کی طرف بھی آپ نے خاص دھیان دیا۔چنانچہ ملک میں جو نہریں کھدوائیں، ان میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

(۱) نہرابی موسیٰ (۲) نہرسعد (۳) نہرمعقل (۴)نہرامیرالمؤمنین

نہرامیرالمؤمنین تمام نہروں سے بڑی تھی۔اس نہر کے ذریعہ دریائے نیل کو بحرقلزم سے ملا دیا گیا تھا۔یہ نہر قریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور نہایت گہری تھی جس سے جہازوں کی آمدورفت آسانی سے ہو جاتی۔اتنی لمبی نہر صرف چھ ماہ میں کھودی گئی اور پہلے ہی سال بیس (۲۰) بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اسراروب غلہ بھرا ہوا تھا،اس نہر کے ذریعہ جدہ کی بندرگاہ پر آئے اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ لائے گئے۔

ایک اسلامی ریاست کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے افراد کی پیدا آور جدوجہد کی ہمت افزائی کرے تاکہ وہ بھی ملک کی تعمیر وترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔یہ نہیں کہ صرف زبانی وعدوں پر لوگوں کو ٹالا جائے۔سربراۂ مملکت کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر ملک کی معاشی ترقی کے لئے مفید اقدام کرے اور سرکاری خزانہ کو رعایا کیلئے فائدہ مند بنائے۔

اپنی رعایا کے لئے وسائل زندگی میں فراوانی چاہنا بھی ایک سربراۂ ریاست کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔چنانچہ سیدنا عمرؓ فرماتے تھے کہ ''میں حکومت کے عہدے ان لوگوں کے سپرد نہیں کروں گا جو اس کے اہل نہ ہوں بلکہ ان لوگوں کے سپرد کروں گا جو مسلمانوں کے لئے فراوانی بہم پہنچانا چاہتے ہوں۔'' (مؤطا امام مالک:۳۲۶)

(۱۷)

حوالہ جات: باب فرائض خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
۱۔	الاحکام السلطانیہ للماوردی	۲۴۵
۲۔	ازالۃ الخفاء	۱/۱۳۸
۳۔	مجموعہ فتاویٰ لابن تیمیہ	۲۸/۱۲۶
۴۔	ازالۃ الخفاء	۱/۲۹
۵۔	الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ	
۶۔	غیاثی	
۷۔	ازالۃ الخفاء	۱/۲۹
۸۔	أیضاً	
۹۔	مآثر الانافة	۱/
۱۰۔	غیاثی	
۱۱۔	الفتاویٰ التاتارخانیة	۵/۲۵۵
۱۲۔	إزالۃ الخفاء	۱/۲۹۔۳۰
۱۳۔	أیضاً	
۱۴۔	أیضاً	
۱۵۔	الاحکام السلطانیہ لابی یعلیٰ	۲۷
۱۶۔	أیضاً	۲۸
۱۷۔	ماخوذ از: معیشت واقتصاد کا اسلامی تصور، حکیم محمود احمد ظفر	

بابِ عاشر

احتسابِ خلافت

اسلامی ریاست میں خلیفہ کے تقرر کا مقصد یہ ہے کہ وہ امت کے دینی و دنیاوی امور کا اہتمام و انصرام اور نگرانی کرے اور نظامِ خلافت کے مقاصد کے حصول کے لیے اور اس حوالے سے اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انتہائی کوشش کرے۔ اگر خلیفہ اپنے فرائض ادا نہیں کرتا یا سستی کرتا ہے تو امت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ خلیفہ اور اس کے نائبین کا احتساب کرے۔ امت کے لیے احتساب کا حق قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

بعض امور میں آمر و مامور (حاکم ورعیت) کے درمیان اختلاف ونزاع ہوسکتا ہے جس کے لیے قرآن وسنت کی طرف مراجعت لازم ہے۔ حاکم اگر قرآن وسنت کے خلاف کوئی حکم جاری کرتا ہے تو امت قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا احتساب کرسکتی ہے۔ منکر پر نکیر کرنا ہر مسلمان پر حسب ِاستطاعت فرض ہے۔ چاہے منکر کا تعلق افراد سے ہو یا جماعت، تنظیمات، معاشرے یا ریاست یعنی حاکم سے ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من رأی منکراً فلیغیره بیده فا ن لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان .“[1]

”تم میں سے جو کوئی منکر کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے تبدیل (ختم) کردے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا انتہائی کمزور درجہ ہے۔“

حدیث میں مذکور تغییر منکر میں ریاست (حاکم) کا منکر بھی شامل ہے۔ کیونکہ حاکم کا منکر اس قاعدہ کے عموم میں داخل ہے۔ بلکہ حاکم کا منکر، منکر اعظم ہے، جس کو ختم کرنا انتہائی ضروری ہے، کیونکہ اس کا جاری کردہ منکر پورے معاشرے میں جاری ہو جاتا ہے اور پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ امر بالمعروف والنہی عن المنکر ایک عظیم کام اور آخری امت کی صفات میں سے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

(آلِ عمران : ۱۱۰)

ترجمہ: ''تم بہترین امت ہو، لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو، معروف کا حکم کرتے، منکر کو روکتے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

امام احمدؒ حضرت جابرؓ سے بیعت عقبہ ثانیہ کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں جس میں آیا ہے:

" فقلنا یا رسول اللّٰہ علام نبا یعک قال تبا یعونی علی السمع والطاعة فی النشاط والکسل والنفقة فی العسر والیسر وعلی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وان تقولوا فی اللّٰہ لا تخافوا فی اللّٰہ ."(۲)

''ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کی کس بات پر بیعت کریں؟ فرمایا کہ تازگی اور سستی میں سننے اور اطاعت کرنے، تنگدستی اور فراخی میں خرچ کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے، اللہ تعالیٰ کے لیے حق کہنے اور اس میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنے پر میری بیعت کرو۔''

اسی طرح حضرت عبادۃ بن الصامتؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

" بایعنا رسو ل الله صلی الله علیه وسلم علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکره وعلی اثرة علینا وان لا ننا زع الامر اهله الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من الله فیه برهان وعلیٰ ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی الله لومة لائم ."(۳)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے تنگی اور آسائش، پسندیدگی اور ناپسندیدگی اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیے جانے کے باوجود سننے اور اطاعت کرنے پر اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم اولوالامر سے تنازع نہ کریں گے مگر یہ کہ (آپ نے فرمایا) کہ تم ان میں کفر بواح دیکھو جس کے بارے میں تمہارے اللہ کی جانب سے واضح دلیل موجود ہو اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم جہاں کہیں ہوں گے حق کہیں گے اور اس میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

امر بالمعروف والنہی عن المنکر کی فرضیت

قرآن سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر امت مسلمہ پر فرض ہے۔
ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

[آل عمران : ۱۰۴]

ترجمہ: ”اور تم میں سے ایک ایسی جماعت بھی ہونی چاہیے کہ جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا کرے اور نیک باتیں بتایا کرے اور بری باتوں سے منع کیا کرے ور یہی فلاح بھی پانے والے ہیں۔“

امام ابوبکر الجصاصؒ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

” قد حوت هذه الآ ية معنيين احدهما وجوب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر والآخر انه فرض على الكفاية.“ (۴)

”یہ آیت دو معنوں پر مشتمل ہے۔ایک یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے ۔دوسرا یہ کہ یہ فرضِ کفایہ ہے۔“

نیز امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی آیات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

” فهذا الذى ونظا ئرها مقتضية لا يجا ب الا مر بالمعروف والنهى عن المنكر .“ (۵)

”یہ اور اس جیسی دوسری آیات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب کا تقاضا کرتی ہیں۔“

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

” فانه يدل علىٰ ان الامر بالمعروف والنهى عن المنكر فرض على الكفاية .“ (۶)

”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے۔“

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

" ﴿ ولتكن ﴾ امر و ظاهر الامر الا يجاب ." [۷]

''ولتکن میں امر (حکم) ہے اور امر کا ظاہر معنیٰ وجوب ہے۔''

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے اور فرضیت سے مراد کفایہ ہے، جیسا کہ امام قرطبی کے قول سے ظاہر ہے۔

فرضیت کے مکلّف

امام قرطبیؒ مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

" ومعناه ان الآمرين يجب ان يكونوا علماء وليس كل الناس علماء ." [۸]

''اس کا معنیٰ یہ ہے کہ امر کرنے والوں کے لیے اہل علم ہونا لازم ہے اور سب لوگ علماء نہیں ہوتے ہیں۔''

امام ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

" ويجوز ان يكون امر منهم فرقة لان الدعاة ينبغي ان يكونوا علماء بما يدعون اليه وليس الخلق كلهم علماء والعلم ينوب بعض الناس فيه عن بعض كالجهاد ." [۹]

''کسی ایک جماعت کا امر کرنا جائز ہے، اس لیے کہ داعیوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ جس چیز کی دعوت دے رہے ہوں اس کا علم رکھتے ہوں۔ سب لوگ عالم نہیں ہوتے اور علم میں جہاد کی طرح کچھ لوگ دوسروں کی نیابت کرتے ہیں۔''

بعض حضرات نے یہ شرط عائد کی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن لمنکر کرنے والا خود معروف پر عامل اور منکرات کا تارک ہو تبھی وہ اس فریضہ کو سرانجام دینے کا اہل ہے۔ امام ابو بکر الجصاصؒ نے اس کا رَد کیا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والی جماعت

امر یالمعروف و نہی عن المنکر ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے، لیکن اس فریضہ کو موثر اور منظّم انداز میں سرانجام دینے کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ امام ابن کثیرؒ سورۃ آل عمران کی مندر بالا آیت ﴿ولتكن منكم امة ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" والمقصود من هذه الاية ان تكون فرقة من الامة متصدية لهذا

الشان وان کان ذلک واجباً علیٰ کل فرد من الامة بحسبه.“ (۱۰)

”یعنی اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ امت کا ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو اس کام کو سرانجام دے اگر چہ یہ امت کے ہر فرد پراس کی استطاعت کے مطابق واجب ہے۔“

کن امور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے؟

اگر خلیفہ یا اس کے نائبین معروف کو ترک کریں یا منکر کو جاری کریں تو ان کا احتساب کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ اگر اپنے فرائض (جن کا بیان ”باب فرائض خلافت“ میں گزر چکا ہے) ادا نہیں کرتا یا سستی اور کاہلی کرتا ہے یعنی اسلامی ریاست کے مقاصد (جیسا کہ ”باب مقاصد خلافت“ بیان کیے جا چکے ہیں) کے حصول کی سعی نہیں کرتا یا غفلت برتتا ہے تو تب بھی اس کا احتساب کیا جا سکتا ہے۔ یہ احتساب اس کی اطاعت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اطاعت مشروط ہے مطلق نہیں ہے جیسا کہ ہم ”باب اطاعت خلیفہ“ میں مفصیل بیان کر چکے ہیں۔

حکام کا محاسبہ (احتساب)

امر المعروف ونہی عن المنکر کی فرضیت ثابت ہو چکی ہے۔ یہ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جس میں حکام (خلیفہ اور امراء) کا احتساب بھی شامل ہے۔ اسلامی نظامِ خلافت میں اسے بڑی اہمیت دی گئی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے افضل جہاد قرار دیا ہے:

” عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال افضل الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر او امیر جائرِ .“ (۱۱)

”ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل جہاد جائز بادشاہ یا جائز امیر کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا ہے۔“

” عن تمیم الداری رضی الله عنه اَن النبی صلی الله علیه وسلم قال الدین النصیحه قلنا لمن ؟ قال لله ولرسوله ولائمة المسلمین وعامتهم .“ (۱۲)

”تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین نصیحت وخیر خواہی ہے (صحابہ فرماتے ہیں) ہم نے عرض کیا کس کے لیے؟ فرمایا کہ اللہ، اس کے رسول، مسلمانوں کے امام (خلفاء) اور عام مسلمانوں کے لیے (دین خیر خواہی ہے)“

حکمرانوں کے احتساب کے جواز کا انکار کرنے والوں کے بارے میں امام ابوبکر الجصاص لکھتے

ہیں:

" وزعموا مع زيث ان السلطان لاينكر عليه الظلم ولاالجور و قتل النفس الى حرم الله وانما ينكر على غير السلطان بالقول او باليد بغير سلاح فصاروا شرا على الامة من اعدائها المخالفين لها." (۱۳)

''ان کی یہ خام خیالی ہے کہ بادشاہ پر اس کے ظلم و جور اور ناحق قتل کرنے پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ بادشاہ کے علاوہ دوسروں پر بغیر اسلحہ کے صرف زبان یا ہاتھ سے نکیر کی جائے گی۔ (ایسا خیال رکھنے والے لوگ) امت کے دشمنوں اور مخالفین سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہیں۔''

امت حکام کے احتساب کی ذمہ دار ہے

اسلام نے شرعی اصولوں اور اپنی ذمہ داریوں سے انحراف کرنے والے حاکم کے لیے محض وعید و تہدید نہیں کی ہے بلکہ امت کو اس پر نگران مقرر کیا ہے اور اس کے احتساب کی ذمہ داری عائد کی ہے، جیسا کہ ماقبل میں بیان کیا جا چکا ہے۔ امت میں چار قسم کے لوگ حاکم کے احتساب کا حق رکھتے ہیں:

۱۔ مجلس شوریٰ

سب سے پہلی ذمہ داری مجلس شوریٰ کی ہے کہ وہ حاکم و خلیفہ کے افعال و تصرفات کی نگرانی کرے اور خلافِ شرع امور پر اس کا حتساب کرے۔ اگر خلیفہ کا انتخاب شوریٰ کے ذریعہ ہوا ہے تو شرعی اصولوں کے مطابق مجلسِ شوریٰ اس کے عزل کا بھی حق رکھتی ہے۔

۲۔

اگر عدالت میں خلیفہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا ہے تو قاضی بھی خلیفہ کا احتساب کر سکتا ہے اور اسے اپنی عدالت میں جواب طلبی کے لیے حاضر کر سکتا ہے۔

۳۔

امتِ مسلمہ کا ہر فرد خلیفہ کے احتساب کا حق رکھتا ہے بلکہ اس کی ذمہ داری ہے جیسا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی آیات و احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔

٤۔

جہاں ہر فرد احتساب کا ذمہ دار ہے وہاں یہ بھی لازم ہے کہ مؤثر احتساب کے لیے ایک جماعت

ہو۔

ماقبل میں بیان ہو چکا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والی جماعت کا وجود ضروری ہے۔ یوں تو ہر فرد اس جماعت میں شامل ہوسکتا ہے، لیکن جماعتِ علماء کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جماعتِ علماء ہی معروف ومنکر' خلیفہ کی ذمہ داریوں، احتساب اور عزل وخروج کے احکام سے بخوبی واقف ہوتی ہے۔

احتساب کی اقسام

عزل الامام

خلیفہ اگر اسلامی احکام کی مخالفت اور ان سے انحراف کرے تو اس کی مخالفت (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کی جائے گی۔ وہ جس درجہ کے احکام کی مخالفت کرے گا اسی درجہ کے لحاظ سے اس کی مخالفت جائز یا واجب ہوگی۔خلیفہ کی مخالفت اور معزولی کی چار اقسام ہیں:

۱۔ عذر ۲۔ ظلم

۳۔ ارتداد ٤۔ فسق

پہلی قسم کی دو صورتیں ہیں:

ا۔ عذرِ اختیاری:

یعنی خلیفہ اپنے آپ کو بغیر کسی سبب کے معزول کر دے یعنی استعفیٰ پیش کر دے۔اس صورت میں خلیفہ معزول ہو جائے گا یعنی اس کا استعفیٰ قبول کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

" و امّا خلعه بنفسه بلا سبب ففيه خلاف ."[۱۴]

"یعنی خلیفہ کے اپنے آپ کو بغیر سبب کے معزول کرنے کے حکم میں اختلاف ہے۔"

پہلا قول یہ ہے کہ وہ معزول نہ ہوگا کیونکہ اسے معزول کرنے کا حق امت (اہل الحل والعقد) کو ہے نہ کہ خلیفہ کو، جس طرح کہ اسے خلیفہ مقرر کرنے کا حق امت کو حاصل ہے۔امام قلقشندیؒ اس قول کو اصح قرار دیتے ہیں:

" اصحها انه لا يعزل لان الحق فى ذالك للمسلمين لا له."[۱۵]

"یعنی اصح قول یہ ہے کہ خلیفہ معزول نہ ہوگا کیونکہ عزل کا حق مسلمانوں کو حاصل ہے

نہ کہ خلیفہ کو۔‘‘

مندرجہ بالا رائے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت الصدیقؓ نے رعایا سے فرمایا:

’’ اقیلونی فانی لست بخیر کم .‘‘

’’یعنی تم مجھے معزول کردو (عہدے سے ہٹا دو) کیونکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔‘‘

امام الحرمینؒ حضرت الصدیقؓ کے مندرجہ بالا قول سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ وما روی انّ ابا بکر رضی الله عنه قال اقیلونی فانی لست بخیر کم دلیل علیٰ انّ الامام لیس لهٗ ان یستقل بنفسه انفراداً واستبداداً .‘‘ (۱۶)

’’حضرت ابوبکرؓ کا قول کہ ’’تم مجھے معزول کردو کیونکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں‘‘ اس بات کی دلیل ہے کہ امام بذاتِ خود انفرادی یا استبدادی طور پر مستقل حیثیت نہیں رکھتا۔‘‘

ب۔ عذر غیر اختیاری:

یعنی امام وخلیفہ کو کوئی اضطراری عذر پیش آجائے مثلاً کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جو خلافت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مانع ہو جیسے مجنون یا اندھا، بہرا، گونگا ہو جانا یا کفار کے ہاتھ قید ہو گیا کہ ایک زمانہ تک رہائی کی امید نہ ہو یا کام کرنے کی صلاحیت نہ ہو یا نہیں رہی، یا رعایا پر قابو نہیں پاسکتا اور ان پر قوانینِ ریاست پر عمل پیرا ہونے کے لیے دباؤ نہیں ڈال سکتا تو اس صورت میں وہ معزول ہو جائے گا، کیونکہ جن مقاصد کے لیے اسے اس عظیم منصب پر فائز کیا گیا تھا جب وہ حاصل نہیں ہو رہے تو اس کے اس منصب پر قائم رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں ہے، جیسا کہ علامہ شامی شرح مقاصد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’ ینحل عقد الامامة لما یزول به مقصود الامامة کالردة والجنون المطبق وصیرورته اسیراً لا یرجی خلاصه وکذا بالمرض الذی ینسیه المعلوم وبا لمعمی والصم الخرس وکذا بخلعه نفسه لعجزه عن القیام بمصالح المسلمین وان لم یکن ظاهراً بل استشعره من نفسه .‘‘ (۱۷)

’’عقدِ امامت ختم ہو جائے گا اس لیے کہ اس سے امامت کا مقصد زائل ہو جاتا ہے۔ جیسے ارتداد، پاگل پن، (کفار کے ہاں) قید جس سے رہائی کی امید نہ ہو، اسی طرح ایسا مرض جس سے یادداشت ختم ہو جائے، اندھا پن، بہرہ ہونا، گونگا ہونا، اسی طرح (عقدِ امامت ختم ہو جاتا ہے) بذاتِ خود معزول ہونے سے کیونکہ وہ مسلمانوں کے مصالح کی

انجام دہی سے عاجز ہو گیا، اگر چہ ظاہری طور پر (ایسا معلوم نہیں ہوتا) لیکن خود اسے یہ چیز معلوم ہوگئی ہے۔''

علامہ قلقشندیؒ جنون کے بارے میں لکھتے ہیں:

" الضرب الثانی زوال العقل فینعزل بالجنون المطبق وھو الدائم الذی لا یفک لان الجنون یمتد فی العادة فلو لم ینصبوا اماماً آخر لادّی ذالک الی اختلال الامور ولانّ المجنون یحب ثبوت الولایة علیه فکیف یکون ولیاً لکافة الامة ."(۱۸)

''دوسری قسم عقل کا ختم ہونا ہے، پس (خلیفہ) جنونِ مطبق کے ساتھ معزول ہو جائے گا اور یہ وہ جنون ہے جو ہمیشہ رہتا ہے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جنون عادتاً لمبی مدت تک رہتا ہے۔ اگر انہوں نے دوسرا امام مقرر نہ کیا تو (امت کے اجتماعی) امور میں خلل آئے گا اور اس لیے کہ مجنون پر (دوسرے شخص کی) ولایت ضروری ہے تو وہ پوری امت (کے امور) کا ولی کیونکر ہو سکتا ہے؟''

اگر حواس ختم ہو جائیں تو بھی خلیفہ معزول ہو جائے گا جیسا کہ علامہ قلقشندیؒ لکھتے ہیں:

" الضرب الثالث ذھاب الحواس المؤثر ة فی الرأی او العمل ویتعلق من ذالک مثلاث نقائص ."(۱۹)

''تیسری قسم آدمی کی رائے اور عمل کو متاثر کرنے والے حواس کا ختم ہو جانا ہے۔ اس سے متعلق تین نقائص ہیں۔''

یہ تین نقائص العمی (اندھا پن) الصم (بہرہ ہونا) اور الخرس (گونگا ہونا) ہیں جن کے بارے میں علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ اصح قول یہ ہے کہ خلیفہ ان کے طاری ہونے سے معزول ہو جاتا ہے۔(۲۰)

امام قرطبی نقص پیدا ہونے کی صورت میں خلیفہ کے بذاتِ خود معزول ہونے کو لازم قرار دیتے ہیں:

" ویجب علیه ان یخلع نفسه اذا وجد فی نفسه نقصا یؤثر فی الامامة ."(۲۱)

''خلیفہ پر واجب ہے کہ جب وہ اپنی ذات میں امامت پر اثر انداز ہونے والا نقص

پائے تو خود بخود معزول ہو جائے۔‘‘

ظلم

خلیفہ کی اطاعت اور اس کے احتساب کی دوسری قسم ظلم ہے۔ ظلم کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ عرف میں لوگوں کے حقوق ادا نہ کرنے والے شخص کو ظالم کہتے ہیں۔ خواہ اس کی صورت یہ ہو کہ وہ اپنے حق سے زیادہ مالی یا جسمانی اور کسی نوع کا فائدہ حاصل کرے۔ یا یہ صورت ہو کہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ بنے۔ ان صورتوں کے تحت بے شمار ایسے امور نکلتے ہیں جو ظلم میں شامل ہیں یعنی خلیفہ ان امور میں رعایا پر ظلم کر سکتا ہے۔ حکام عموماً رعایا پر مالی ظلم کرتے ہیں۔ اس لیے اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ مالی ظلم کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عوام سے ناحق مال وصول کرنے لگے، لیکن اس میں جواز کا اشتباہ بھی ہو سکتا ہے جیسے سلطنت کے مصالح اور رفاہ عامہ کے نام پر ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ رعایا خلیفہ کی اطاعت کرے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

’’ **بخلاف ماذا کان الحال مشتبها انه ظلم .**‘‘(۲۲)

’’بخلاف اس صورت کے کہ جب صورتِ حال میں اشتباہ ہو کہ یہ ظلم ہے (یا نہیں)۔‘‘

حاکم کے اسی ظلم کے بارے میں یہ روایت آئی ہے:

’’ **عن علقمة بن وائل الحضرمی عن ابیه قال سأل مسلمة بن یزید الجعفی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا نبی الله ارأیت ان قامت علینا امراء یسئلونا حقهم ویمنعونا حقنا فما تأثرنا فاعرض عنه ثم سأله فاعرض عنه ثم سأله فی الثانیه او فی الثالثة فجذبه الاشقت بن قیس وقال اسمعوا واطیعوا فانما علیهم ماحملوا وعلیکم ماحمّلتم .**‘‘ (۲۳)

’’علقمہ بن وائل حضرمی اپنے سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمہ بن یزید الجعفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر ہم او پر ایسے امرا آئیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمیں ہمارا حق نہ دیں تو آپ کا کیا حکم؟ آپ نے اس سے اعراض کیا اس نے پھر دوسری یا تیسری مرتبہ سوال کیا تو اسے......

بن قیس نے کھینچا اور کہا کہ سنو اور اطاعت کرو پس ان پر وہی چیز لازم ہے جس کی ان پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور تم پر وہی چیز لازم ہے جس کی تم پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔''

یہ اور اس طرح کی بے شمار روایات میں مالی ظلم کے باوجود خلیفہ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے خلاف جدال وقتال سے منع کیا گیا ہے، لیکن اگر بغیر کسی فتنہ اور جدال وقتال کے اس کا معزول کردینا ممکن ہو تو اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے کوئی مانع نہیں ہے۔ حدیث میں اطاعت کا حکم فتنہ سے بچنے کے لیے ہے۔ جب فتنہ کے بغیر ظالم خلیفہ کا معزول کرنا ممکن ہو تو یہ حکمِ اطاعت بھی باقی نہ رہے گا، بلکہ اسے معزول کردینا جائز ہوگا۔

۲۔ دوسری صورت ظلم کی یہ ہے کہ ناجائز وناحق مال وصول کرے اور اس میں جواز کا اشتباہ بھی نہ ہو یعنی صریح ظلم ہو۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اپنے اوپر سے ظلم کا دور کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس میں قتال کی نوبت بھی آجائے، لیکن اگر اس ظلم پر صبر کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

" بیانہ ان المسلمین اذا اجتمعوا علیٰ امام وصاروا آمنین به فخرج علیه طائفة من المؤمنین فان فعلوا ذٰلک لظلم ظلمهم به فهم لیسوا من البغی وعلیه ان یترک الظلم وینعفهم ."[۲۴]

''جب مسلمان ایک امام پر جمع ہو جائیں اور اس کو قبول کرلیں۔ پھر ایک گروہ اس کے خلاف خروج کرتا ہے اگر وہ (یہ خروج) اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی وجہ سے کریں تو وہ باغی نہیں ہیں۔ امام پر لازم ہے کہ وہ ان پر ظلم کو ترک کردے اور یہ تو مظلومین کا حکم ہے۔ اگر مظلوم دوسرے لوگ ہیں تو امام کے مقابلہ میں ان کی اعانت بالاتفاق جائز ہے، اگر اعانت کے مفید ہونے کی امید ہو۔''

علامہ شامی لکھتے ہیں:

" ویمکن التوفیق بان وجوب اعانتهم اذا امکن امتناعه عن بغیه والا فلا کما یفیده قول المبتغی ولا یمتنع عنه ."[۲۵]

''ان دونوں صورتوں کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ان کی اعانت اس وقت واجب ہے جب اس کی سرکشی سے بچنا ممکن ہو ورنہ نہیں۔''

ظلم کی مذکورہ دونوں صورتوں کے حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں اطاعت کا حکم ہے۔ بغیر

فتنہ کے معزول کر دینا جائز اور قتال جائز نہیں۔ دوسری صورت میں اطاعت لازم نہیں، معزول کیا جاسکتا ہے حتی کہ قتال جائز ہے۔ مذکورہ دونوں صورتوں میں اگر معزول کرنا ممکن نہ ہو تو جائز امور میں اس کی اطاعت کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے ساتھ مندرجہ ذیل فرمانِ نبوتؐ کے مطابق برتاؤ کرنا لازم ہے۔

" قال امرا أ سیکونون من بعدی من دخل علیهم فصدّ قهم بکذبهم و اعانهم علی ظلمهم فلیسوا منی و لست منهم و لن یردوا علی الحوض و من لم یدخل علیهم و لم یصدّقهم بکذبهم و لم یعنهم علیٰ ظلمهم فاولئک منی و انا منهم و اؤلئک یردون علی الحوض ."[٢٦]

''فرمایا عنقریب میرے بعد امرا ٔہوں گے جو ان کے پاس جائے، ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے اور ظلم میں ان کی اعانت کرے تو وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں ان سے ہوں اور جو (قیامت کے دن) ہرگز میرے پاس حوض (کوثر) نہ آسکیں گے۔ جو ان کے پاس نہ جائے، نہ ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے اور نہ ظلم میں ان کی اعانت کرے تو یہی لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور یہی لوگ حوض پر آئیں گے۔''

مندرجہ بالا ارشادِ نبویؐ سے معلوم ہوا کہ ظالم حاکم کو معزول نہ کیا جاسکے تو اس کے ساتھ مخصوص سلوک کیا جائے یعنی تعاون و موالات کو ترک کر دیا جائے۔ اس کی کسی قسم کی امداد نہ کی جائے حتی کہ بلاضرورت ان سے تعلقات بھی قائم نہ کیے جائیں۔ عدم تعاون کا فائدہ اور حکمت یہ ہے کہ عدمِ تعاون اور رعایا کی بے توجہی کو دیکھ کر امید ہے کہ حاکم کی اصلاح ہو جائے گی۔ بصورت دیگر اس کی طاقت کمزور ہو جائے گی جس سے اس کے عزل کے لیے خود بخود رائے عامہ ہموار ہوتی جائے گی۔

ارتداد

خلیفہ کے معزول ہونے کی تیسری قسم یہ ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) مرتد ہو جائے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے قول و فعل یا اعلان سے یقینی طور پر مرتد ہو جائے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ

١۔ وہ صراحتاً مرتد ہو جائے یعنی یہودی، عیسائی، ہندو، قادیانی یا شیعہ (رافضی) وغیرہ ہو جائے

اور اس کا اعلان کرے یا اسلام سے یا جمیع ادیان سے برأت کا اعلان کرے۔

۲۔ وہ ایسا قول یا فعل کرے جس پر کفر مرتب ہوتا ہو مثلاً: بتوں کو سجدہ کرے، صلیب پہن لے، قرآن کی توہین کرے، حجیتِ حدیث کا انکار۔

خلاصہ یہ کہ یہ کفر تکذیب وجحود کی صورت میں ہو، یا عناد ومخالفت یا استخفاف واستقباح امور دین کی صورت میں ہو۔ چاہے یہ امورِ دین اصول ہوں یا فروع، فرائض وواجبات ہوں یا سنن ومستحبات، عبادات ہوں یا عادات حتی کہ عمامہ کی ہیئت مسنونہ کا قصداً یا دلالۃ استخفاف کرے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔[۲۷]

فکری ارتداد

امتِ مسلمہ کے زوال اور یورپ کی فکری ونظریاتی یلغار کے بعد مسلم افراد میں فکری ارتداد عام ہو چکا ہے، امور دین کی کھلم کھلا مخالفت وعناد کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، دینی احکام کا استخفاف کیا جاتا ہے۔ اسلامی نظام حیات کا استقباح' وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ اس فکری ارتداد کا قول وفعل سے اظہار کیا جاتا ہے عصری درسگاہوں (سکول وکالج ویونیورسٹیز) میں اس کی باقاعدہ تعلیم وتدریس ہوتی ہے اور معلمین میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو مغرب کے ملحدانہ نظام تعلیم کے تحت یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل ہیں، جہاں یوں تو ہر ملک ومذہب سے آنے والے طلبا کی مغربی کافرانہ افکار ونظریات کی بنیاد پر تربیت کی جاتی ہے، لیکن مسلم ممالک کے طلبا پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور انہیں خصوصی تعلیم وتربیت دے کر ملحد وزندیق بنا کر ان کے ممالک میں بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ مغرب کے تفویض کردہ مشن پر عمل پیرا ہوں۔ مغرب کے تربیت یافتہ (ایجنٹس) مذکورہ افراد، مسلم ممالک میں آ کر مختلف حکومتی وانتظامی شعبوں میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور وفاداری بشرط استواری کی بنیاد پر اینٹی اسلام و مسلمین ایجنڈے پر انتہائی محنت اور خلوص کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ جہاں وہ عملی طور پر دین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مصروف کار رہتے ہیں وہاں وہ ''قولی'' طور پر بیانات، انٹرویوز، جلسے جلوس، احتجاجات، کتابوں اور پمفلٹوں کے ذریعے بھی مغرب وامریکہ کے دیے ہوئے خلاف اسلام ومسلمین نظریات اور اصطلاحات کا پرچار کرتے رہتے ہیں اور مسلم عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اصلی اسلام وہی ہے جسے مغرب نے گھڑا ہے اور ہم اس کے داعی ہیں۔ سرد جنگ کے خاتمے اور امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے اعلان کے بعد تو مسلم ممالک میں مذکورہ طبقہ انتہائی سرعت کے ساتھ مصروف کار

ہے اور اب تو این جی اوز کے ذریعے انتہائی منظّم و مرتب اور مسلم ممالک کے حکمرانوں کی سرپرستی و نگرانی میں یہ کام عروج پر ہے، بلکہ نائن الیون کے بعد تو مسلم ممالک کے حکمران امریکہ کے تفویض کردہ اینٹی اسلام و مسلمین مشن پر انتہائی وفاداری اور اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ مسلم ممالک میں ایوانِ اقتدار پر قابض اور مغربی ایجنٹوں کا کردار ادا کرنے والے حکمرانوں اور ان کے کارندوں کے قول فعل اور تحریر پر کفر عناد استخفاف واستقباح امور دین کی تعریف یقیناً صادق آتی ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے حتیٰ کہ بعض تو تکذیب وجود کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں اگرچہ ان کے نام مسلمانوں والے اور دعویٰ اسلام کا ہے کیونکہ اسلام محض نام اور دعوے کا نام نہیں ہے۔ جیسا کہ کتب عقائد میں اس کی تشریح و تفصیل موجود ہے۔ امام ابوبکر جصاص ؒ آیت ﴿ فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

" وفی هذه الآیة دلالة علی أنّ من ردّ شیأً من اوامر الله تعالیٰ او اوامر رسوله صلی الله علیه وسلم فهو خارج من الاسلام سواء رده من جهة اشک فیه او من جهة ترک القبول والامتناع من التسلیم وذلک یوجب صحة ما ذهب إلیه الصحابة فی حکمهم بارتداد من امتنع ما اداء الزکوٰة وقتلهم وسبی ذرا ربهم لأن الله تعالیٰ حکم بان من لم یسلم للنبی صلی الله علیه وسلم قضائه' وحکمه فلیس من اهل الایمان ." (۲۸)

" یعنی اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے احکامات یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات میں سے کسی ایک کا بھی رد کرے تو وہ اسلام سے خارج (مرتد) ہے چاہے یہ رد شک کی بناء پر کرے یا قبول نہ کرے یا تسلیم نہ کرے۔ اسی سے صحابہ کرامؓ کے اس مؤقف کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ اداء نہ کرنے والوں کو مرتد قرار دیا ہے۔ انہیں قتل کیا اور ان کی اولادوں کو گرفتار کیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جو آدمی اپنے فیصلے اور حکم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد نہ کرے (یعنی اختیار نہ دے) وہ اہل ایمان میں سے نہیں ہے۔"

پاکستان کی پارلیمنٹ میں ممبران اسمبلی کی طرف سے اسلامی حدود و تعزیرات کو انتہائی وحشیانہ سزائیں کہا گیا، سپریم کورٹ نے سود کی حرمت کا فیصلہ کیا تو حکومت کی طرف سے اس کے خلاف اپیل

دائر کی گئی۔توہین رسالت کے قانون میں بار بار تبدیلی کی کوشش کی گئیں،اسی طرح حدود آرڈیننس میں ترمیم کی کوشش کی گئیں اور اب تو کچھ عرصے سے ان دونوں قوانین یعنی توہین رسالت وحدود آرڈیننس میں ترامیم کے لیے باقاعدہ مہم شروع کی گئی ہے جس میں اہم کردار امریکہ و یورپ کے ایما پر این جی اوز ادا کر رہی ہیں اور بعض سیاسی جماعتیں ان کی مکمل حمایت اور پشت پناہی کر رہی ہیں۔اسلامی تعلیمات کو محدود اور ختم کرنے کے لیے دینی مدارس کے خلاف باقاعدہ کارروائی جاری ہے۔دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں تبدیلی کے لیے مدارس پر مسلسل دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔غیر ملکی طلباء کو گرفتار کر کے انہیں ملک بدر کیا گیا اور آیندہ ان کے داخلے اور ویزے پر پابندی لگا دی گئی۔اس کے علاوہ نئی نسل کو دین سے برگشتہ کرنے اور انہیں ملحد و بے دین بنانے کے لیے حکومتی سرپرستی میں میڈیا کے ذریعے فحاشی وعریانی کا سیلاب لایا جا رہا ہے جو کمزور ایمان والوں کو تنکوں کی طرح بہالے جا رہا ہے۔

الحکم بغیر ما انزل اللہ

حاکم کے عزل کی ایک صورت یہ ہے کہ اسلامی نظام حیات اور قوانین شریعت کو یک لخت منسوخ قرار دیدے اور اسلامی نظام خلافت کی جگہ جمہوریت، آمریت، بادشاہت، سرمایہ داری اور اشتراکیت یا کوئی بھی خلافِ اسلام کافرانہ نظام کا نفاذ کردے یا ملک میں جاری قوانین اسلام میں غیر شرعی ترامیم کرے یا ایسا قانون نافذ کرے جو صراحتاً غیر شرعی ہو۔اگر مذکورہ صورتوں میں حاکم اسلامی نظام حیات کو باوجود یہ جانتے ہوئے کہ وہ الٰہی قوانین ہیں نہیں مانتا تو وہ کافر ہے اگر ان کا انکار تو نہیں کرتا، لیکن ان کے نفاذ میں سستی و کاہلی برتتا ہے تو فاسق اور ظالم ہے۔ان دونوں صورتوں میں وہ عزل کا مستحق ہے اور امت مسلمہ پر واجب ہے کہ اسے اس منصب سے علیحدہ کردیں حتیٰ کہ اس کے لیے طاقت کا استعمال یعنی مسلح خروج فرض ہے۔باری تعالیٰ کے عطا کردہ قانون سے انحراف اور سرکشی خلافِ فطرت اور ظلم، فسق اور کفر ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

(المائدة : ۴۵)

ترجمہ: ''اور جو کوئی نہ چلے اس حکم پر کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہی ظالم ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَا دُعُوٓا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝ وَإِنْ يَكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوٓا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهٗ بَلْ أُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴾(النور : ۴۸. ۴۹. ۵۰)

ترجمہ: ''اور جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف باہم فیصلے کے لیے بلائے جاتے ہیں تو جبھی ایک فریق ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے اور اگر ان کے لیے حق پہنچتا ہو تو رسول ﷺ کے پاس گردن جھکائے چلے آتے ہیں، کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک میں پڑے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کر دے گا بلکہ وہ خود ظالم ہیں۔''

امام قرطبی ''الظالمون'' کی تفسیر کرتے ہیں:

'' ای المعاندون الکافرون لاعراضھم عن حکم اللہ تعالیٰ.'' [۲۹]

''یعنی وہ معاند کافر ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہ موڑ لیتے ہیں۔''

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴾

(المائدة : ۴۷)

ترجمہ: ''اور جو کوئی اس چیز کا حکم نہ دے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے سو وہی بدکار ہیں۔''

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴾

(المائدة : ۴۴)

ترجمہ: ''اور جو شخص اس کا حکم نہ دے جس کو اللہ نے نازل کیا پس وہی کافر ہیں۔''

امام ابن جوزی کفر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

'' وفی المراد بالکفر المذکور فی الایة الاولیٰ قولان احدھما انه الکفر با اللہ تعالیٰ . الثانی انه الکفر بذلک الحکم ولیس بکفر ینقل عن الملة .'' [۳۰]

''پہلی آیت میں مذکور کفر کے بارے میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ دوسرا یہ کہ اس حکم کا انکار ہے، ایسا کفر مراد نہیں جو ملت (دین) سے خارج

کر دے۔‘‘

علامہ صدرالدین علی بن محمد بن ابی العزالحنفی (متوفی ۷۹۲ھ) شرح الطحاویہ میں لکھتے ہیں:

’’ان الحکم بغیر ماانزل اللہ قد یکون کفراً ینقل عن الملة و قدیکون معصية كبيرة او صغيرة ويكون كفراً اما مجازياً واما كفراً اصغر على القولين المذكورين وزيث عجب حال الحاكم فانه ان اعتقد ان الحكم بماانزل الله غير واجب وانه مخير فيه استعان به مع تيقنه انه حكم مهداً كفر اكبر .‘‘ (۳۱)

’’ماانزل اللہ (شریعت) کے علاوہ کے مطابق حکم کرنا کبھی تو ایسا کفر ہوتا ہے جوملت (دین) سے خارج کر دیتا ہے۔کبھی معصیتِ کبیرہ یا صغیرہ ہوتی ہے۔‘‘

احمد محمد شاکراسی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

’’وهذا مثل ابتلى به الذين درسوا لقوانين الاوربيه من رجال الامم الاسلاميه ونسائها ايضاً الذين اشربوا فى قلوبهم جها واشغيف بها والذب عنها وحكموا بها اذاعوها بما ربوامن تربيته اسما سها صنع المشرين الهدامين اعداء الاسلام ومنهم من يصرح ومنهم يتوارى ويكادون يكونون سواء فانّا لله وانّا اليه راجعون .‘‘ (۳۲)

’’اس کی مثال وہ مسلمان مرد اور عورتیں ہیں جو یورپین قوانین کی درس وتدریس میں مصروف ہیں......ان میں سے بعض صراحتاً ایسا کرتے ہیں اور بعض مخفی ایسا کرتے ہیں یہ دونوں برابر ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘

ثبوت از سنت

کتاب اللہ کی طرح سنت سے بھی ثابت ہے کہ حاکم اگر اسلامی نظام خلافت کے مطابق ریاستی امور چلا رہا ہے تو وہ حکومت کا اہل اور اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے ،لیکن اگر وہ قرآن وسنت (قوانین شریعت) کے مطابق حکومت نہیں کرتا بلکہ کفریہ نظام کا نفاذ کرتا ہے تو اسے اس عہدہ سے ہٹا دیں حتیٰ کہ اس کے لیے قتال بھی لازم ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشار گرامی ہے:

"یایھا الناس اتقوا اللہ وان امر علیکم عبد حبشی مجدرع فاسمعو الہ واطیعو امااقام لکم کتاب اللہ ."(۳۳)

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اگر تم پر حبشی کان کٹا امیر بنا دیا جائے تو اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو جب تک کتاب اللہ (قرآن) کو قائم رکھے۔"

اس طرح فرمایا:

"ولو استعمل علیکم عبد یقود کم بکتاب اللہ اسمعوا وطیعوا ."(۳۴)

"اگر تم پر غلام عامل بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہیں چلائے تو اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔"

خلیفہ کی بیعت اسی شرط پر کی جاتی ہے کہ وہ قرآن وسنت کے نظام کو نافذ کرے گا اور ریاستی امور کو احکاماتِ الٰہیہ کے مطابق چلائے گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ کفریہ احکامات جاری کرتا ہے تو اسے معزول کر دینا اور اس کے خلاف قتال کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ سے دیگر امور کے ساتھ اس بات کی بیعت بھی لیتے تھے کہ

ولا ننازع الامر اھلہ قال الاان تروا کفرا بواحا عند کم من اللہ فیہ برھان ."(۳۵)

"اور ہم اولوالامر سے نہ جھگڑیں گے (آپ ﷺ نے فرمایا کہ الا یہ کہ تم (حاکم میں) کفر بواح (صریح واضح) دیکھو جس کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل بھی ہو۔ (تو پھر اس کی مخالفت کر سکتے ہو)"

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"قال القاضی عیاض فلو طرء علیہ کفر او تغییر للشرع او بدعتہ خرج عن حکم الولایۃ وسقطت طاعۃ ووجب علی المسلمین للقیام علیہ وخلعہ ونصب امام عادل ان امکنھم ذلک فان لم یقع ذلک للہ لطائفۃ وجبت علیھم القیام علی بخلع الکافر."(۳۶)

"قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اگر (خلیفہ) پر کفر طاری ہو یا وہ شریعت (کے کسی حکم) کو تبدیل کر دے یا بدعت (کا ارتکاب کرے) تو وہ ولایت وحکمرانی کے حکم سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی اطاعت ساقط ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں پر اس کے خلاف قیام (خروج) کرنا،

اسے (اس منصب سے) ہٹانا اور اگر ممکن ہو تو عادل امام کا تقرر کرنا واجب ہے۔''

مندرجہ بالا احادیث میں بالکل واضح فرما دیا گیا ہے کہ حاکم کی سمع وطاعت مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے۔ اگر کتاب اللہ (اسلامی نظام خلافت) کے مطابق حکومت کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ اگر قوانین شریعت کو مانتے ہوئے بھی نافذ نہیں کرتا تو فاسق اور مستحق عزل ہے۔ اگر انکار کرتا ہے تو کافر ہے جس کا عزل کرنا فرض ہے۔ اگر اقتدار نہ چھوڑے تو مسلح خروج کرکے اور اسے معزول کرکے از سرِ نو خلیفہ کا تقرر فرض ہے۔

عصرِ حاضر (۱۴۲۵ھ) میں کسی بھی مسلم ملک میں اسلامی نظامِ خلافت قائم نہیں ہے۔ اکثر مسلم ممالک میں جمہوریت، کچھ میں بادشاہت اور کچھ میں آمریت ہے۔ الغرض کسی بھی ملک میں بما انزل اللہ کی حاکمیت نہیں ہے بلکہ کفریہ نظامہائے باطلہ کا راج ہے۔ درحقیقت مسلم ممالک کے حکمران کٹھ پتلیاں ہیں اور حقیقی اقتدار وتسلط کفریہ طاقتوں کا ہے۔ یعنی نظام بھی کفریہ اور حقیقی حکمرانی بھی کفر کی ہے۔ یعنی حکومتی نظام کافرانہ حقیقی تو حاکم بھی کفار ہیں۔ یہ کفار اپنی عالمی حکومت یعنی اقوام متحدہ کے ذریعے تمام مسلم ممالک پر حکمرانی کر رہے ہیں۔

کیا اسلامی نظامِ خلافت نا قابلِ عمل ہے؟

امتِ مسلمہ کے انحطاط واضمحلال اور اسلامی نظام خلافت کے خاتمے کے بعد یورپین مفکرین نے امتِ مسلمہ کے عصری تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ باور کرایا کہ عصر حاضر میں نظام خلافت نا قابل عمل ہے۔ اس دور میں اگر کوئی قابل عمل نظام ہے تو وہ اشتراکی یا سرمایہ دارانہ جمہوریت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تعلیم وتربیت پانے والا طبقہ اسلامی نظامِ خلافت کو نا قابلِ عمل تصور کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ نظام چودہ صدیاں قبل غیر ترقی یافتہ زمانے کے لیے تھا اور موجودہ ترقی یافتہ جدید دور میں اس پر عمل نہیں ہوسکتا ہے۔ مثلاً اسلام کا عدالتی نظام (خصوصاً حدود وتعزیرات) پرانا ہے جو کہ نا قابلِ عمل ہے۔ اسی طرح اقتصادی نظام بھی نا قابل عمل ہے۔ جدید دور نے جو جدید مسائل پیدا کیے ہیں، اسلام ان کا حل پیش نہیں کرتا، لہٰذا جدید دور میں مغربی اقتصادی نظام ہی قابلِ عمل اور وقت کا تقاضا ہے۔ اسی طرح موجودہ ترقی یافتہ دور میں اسلامی معاشرتی نظام بھی قابلِ عمل نہیں ہے، کیونکہ تہذیب وتمدن نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب اس پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ الغرض مذکورہ طبقہ اسلام کے تمام نظاموں (معاشرتی، عدالتی، خارجی، حکومتی وغیرہ) کو نا قابلِ عمل سمجھتا ہے۔ اسلامی نظام قرآن وسنت پر مشتمل ہے۔ اس کا انکار قرآن وسنت کا انکار ہے اور قرآن وسنت کا انکار وحی الٰہی کا انکار ہے۔ وحی الٰہی کا انکار چاہے وہ قول

سے ہو، فعل سے یا تحریر سے کفر ہے۔ کیونکہ اسلامی نظام کو نا قابل عمل متصور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ایسے احکامات لاگو کردیے ہیں جن پر کچھ عرصہ تک تو عمل کیا جا سکتا ہے، لیکن ہر زمانے میں ایسا نہیں ہوسکتا یعنی نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو مستقبل اور آنے والے ترقی یافتہ دور کا علم وادراک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا خیال کرنا کفر ہے اور یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اسلامی نظام کو نا قابلِ عمل متصور کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح اعلان فرما دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حاکمیت کو قبول نہ کرنے والا مومن نہیں ہے۔ یعنی ایسے آدمی کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾

(النساء : ٦٥)

ترجمہ: ”پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرائیں پھر آپ کے تصفیے سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کرلیں۔“

امام ابن جوزی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

” ای لا یکونون مؤمنین حتی یحکموک وقیل لا ردٌ لزعمهم انهم مومنون والمعنیٰ فلا ای لیس الامر کما یزعمون انهم آمنوا وهم یخالفون حکمک .“ [۳۷]

”لا سے ان کے اس خیال کا رد کیا ہے کہ وہ مومن ہیں۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح کہ وہ اپنے آپ کو مومن سمجھتے ہیں حالانکہ وہ آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔“

شریعت کو حکم اور قانون نہ ماننے والوں کے ایمان کی نفی سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ غیر شریعت خلافت کا قانون نہیں ہوسکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ أَفَحُکْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴾

(المائدة : ٥٠)

ترجمہ: ”کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں؟ اور ایمانداروں کے لیے کون شخص اللہ تعالیٰ

سے اچھا حکم دینے والا ہو سکتا ہے۔''

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُه' أَمْرًا أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةَ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه' فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلاً مُبِيْنًا ﴾ (الاحزاب : ٣٦)

ترجمہ: ''نہ کسی ایمان دار مرد اور نہ کسی ایمان دار عورت کو یہ لائق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دے تو ان کو اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا۔''

امام ابن جوزی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

'' اذا قضى اللّٰه ورسوله اى حَكَمَا بذلك......فاعلم اللّٰه عزوجلّ انّه لا اختيار علىٰ ماقضاه اللّٰه ورسوله .''[٣٨]

''یعنی ان دونوں اللہ و رسول نے اس کا حکم دیا۔ اللہ جل جلالہ نے یہ جتلا دیا کہ اللہ و رسول کے فیصلہ کے خلاف کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ (کہ اس کو بدل سکے)''

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾

(آل عمران : ٨٥)

جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طالب ہے اس سے یہ ہرگز نہ قبول کیا جائے گا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرما دیا ہے کہ حاکمیت الٰہیہ کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

(المائدة : ۴۴)

ترجمہ: ''اور جو شخص اس کا حکم نہ دے جس کو اللہ نے نازل کیا پس وہی کافر ہیں۔''

امام ابن جوزی کفر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''وفى المراد بالكفر المذكور فى الاية الاولىٰ قولان احدهما انه الكفر باللّٰه تعالىٰ . الثانى انه الكفر بذلك الحكم وليس بكفر ينقل عن الملة .''[٣٩]

''پہلی آیت میں مذکور کفر کے بارے میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ دوسرا یہ کہ اسی حکم کے ساتھ کفر ہے اور یہ کفر ملت سے خارج نہیں کرتا ہے۔''

قانونِ شریعت کے تارک کو کہیں ظالم، کہیں فاسق اور ایک جگہ کافر کہا گیا ہے۔ ان تینوں آیات میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ اس بارے میں امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

" فصل الخِطَابِ اَنّ مَنْ لَم يحكم بما انزل الله جاحدًا لَهُ وهو يعلم ان الله انزله كما فَعَلت اليهو د فهو كافر ومن لم يحكم به ميلاً عن الهوىٰ من غير حجودٍ فهو ظالم وفاسق وقدروى علىٰ بن ابى طلحة عن ابن عباس انه قال من جحد ما انزل الله فقد كفر وَمَنْ اقرّبه ولم يحكم به فهو فاسق و ظالم." (۴۰)

"یعنی فیصلہ کن بات یہ ہے کہ جو شخص ما انزل اللہ کے ساتھ حکومت نہ کرے اس کا انکار کرتے ہوئے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ ہی نے اسے (حکم کو) نازل کیا ہے جیسا کہ یہود نے کیا تھا تو وہ کافر ہے۔ جو شخص بغیر انکار کے محض خواہشات نفسانی کے میلان کی وجہ سے ما انزل اللہ کے ساتھ حکم (حکومت) نہ کرے تو وہ ظالم اور فاسق ہے علی بن ابی طلحہ، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جس شخص نے ما انزل اللہ کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ جو شخص اس کا اقرار کرے، لیکن اس کا حکم نہ کرے تو وہ فاسق اور ظالم ہے۔"

صاحب شرح الطحاویہ لکھتے ہیں:

" فالواجب كمال التسليم للرسول صلى الله عليه وسلم والا نقياد لأمره و تلقى خبره بالقبول والتصديق دون ان نما رضه بخيال باطل نسميه معقولا ...... فهما توحيدان لانجاة للعبدمن عذاب الله بهما توحيد المرسل و توحيد متابعة الرسول فلا نحاكم الىٰ غيره ولا نرضى بحكم غيره ." (۴۱)

"پس واجب رسول اللہ ﷺ کے سامنے کامل طور پر جھک جانا، ان کے حکم کی پیروی اور ان کی خبر کو قبول کرنا اور اس کی تصدیق کرنا ہے نہ کہ یہ کہ ہم باطل خیال کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں اور اسے معقولی بات کا نام دیں یا اس میں شبہہ کریں، پس یہی دو توحیدیں ہیں یعنی مرسل (اللہ تعالیٰ) کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وحدت پس نہ تو ان کے علاوہ کسی کے پاس فیصلے کے لیے جائیں اور نہ غیر کے حکم پر راضی ہوں۔"

فسق

فسق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ ایسا فسق اختیار کرے جو اسی کی ذات تک محدود رہے، جیسے: زنا، شراب، وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی فتنہ کے بغیر معزول کر دینا ممکن ہو تو اسے جدا کر دیا جائے۔ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو یعنی یہ خطرہ ہو کہ اس کو معزول کرنے کی کوشش میں قتل و غارت ہو گی اور حاکم اتنا قوی ہے کہ قتل و غارت کے بعد بھی اس کا معزول کرنا مشکل ہے تو صبر کیا جائے۔ حتیٰ کی جب معزول کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے تو فوراً معزول کر دیا جائے۔

(۲) **فسق متعدی:** فسق کی دوسری قسم یہ ہے کہ حاکم نہ صرف معاصی کا مرتکب ہو بلکہ رعایا کو بھی معاصی پر مجبور کرے۔ یہ فسق اسی وقت تک ہے جب تک استخفاف یا استقباح دین یا استحسان کفر یا استحصان معصیت نہ ہو۔ ورنہ استخفاف و استقباح یا استحسان کفر و معصیت بھی حقیقتاً کفر ہے اور یہ ارتداد میں داخل ہے، یا یہ صورت ہو کہ حاکم کے اکراہ کا منشا استخفاف نہ ہو، لیکن اس اکراہ کو قانون کی شکل دے دے کہ ایک عرصہ تک اس پر عمل کرنے سے آخر کار رعایا کے طبایع میں استخفاف پیدا ہونے کا غالب ظن ہو تو یہ اکراہ بھی **مقدمة الشیئ بحکم ذلک الشیئ** کے اصول کی بنا پر کفر کے حکم میں ہے۔ فسق کی اس قسم کا وہی حکم ہے جو ارتداد کا ہے کہ حاکم کو معزول کرنا فرض ہے حتیٰ کہ اگر بغیر قتال کے معزول نہ کیا جا سکے تو بذریعہ قتال اسے منصب سے علیحدہ کر کے شرعی حاکم (خلیفۃ المسلمین) کا تقرر فرض ہے۔ عصر حاضر میں اکثر مسلم ممالک میں **اکراہ علی المعاصی** پر مشتمل قوانین کا نفاذ ہے۔ مقتدر طبقے کا اسلام کے بارے میں جو تصور ہے وہ تو بیان ہو چکا ہے مغربی سامراج سے نام نہاد آزادی کے بعد مسلم ممالک کا دستور و آئین وہی ہے جو مغربی سامراج نے نافذ کر رکھا تھا۔ مغربی سامراج کے بعد اس کے جانشین اور ایجنٹوں نے ایسے قوانین کا نفاذ کیا ہوا ہے جس پر عمل کرنے سے مسلم رعایا میں استخفاف و استقباح دین پیدا ہو رہا ہے، جس کا عام مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ الغرض عصر حاضر میں مسلم ممالک کا حکمران طبقہ اس قسم کے حکم میں داخل ہے اور امت مسلمہ پر فرض ہے کہ وہ اسے اقتدار سے بے دخل کر کے اسلامی نظام کا نفاذ اور شرعی حاکم کا تقرر کرے۔

فاسق کی امامت اور امام اعظمؒ کا مسلک و عمل

کچھ لوگوں نے امام اعظمؒ کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ فاسق کی امامت وخلافت کو جائز قرار دیتے ہیں۔امام صاحب کے بارے میں یہ قول جھوٹ پر مبنی اور بہتان ہے۔امام ابوبکر الجصاص الحنفی نے اس کا تفصیلی رد پیش کیا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک قاضی اور خلیفہ کی شرائط میں کوئی فرق نہیں ہے۔امام الجصاصؒ لکھتے ہیں:

" ولا فرق عند ابی حنیفة بین القاضی و بین الخلیفة فی ان شرط کل واحد منهما العدالة وان الفاسق لایکون خلیفة ولایکون حاکما ." (۴۲)

''امام ابوحنیفہ کے نزدیک عدالت کے شرط ہونے کے بارے میں قاضی اور خلیفہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔فاسق خلیفہ بن سکتا ہے اور نہ حاکم۔''

ظالم وجائر حکام کے بارے میں امام صاحب کا مسلک یہ ہے:

" وکان مذهبه مشهوراً فی قتال الظلمة وائمة الجور ." (۴۳)

''ظالموں اور جائر اماموں سے قتال کے بارے میں ان کا مذہب مشہور تھا۔''

امام اعظمؒ نے نہ صرف یہ مسلک اختیار کیا بلکہ خود بھی اس پر عمل کیا۔

" وقضیته فی امر زید بن علیؓ مشهورة وفی حمله المال الیه وفتیاه الناس سراً فی وجوب نصرته والقتال معه ." (۴۴)

''زید بن علیؒ (کے خروج) کے معاملے میں ان (امام اعظمؒ) کا طرزِ عمل مشہور ہے۔ ان کو (اس مقصد کے لیے) مال دینے اور لوگوں کو مخفی طور پر ان کی نصرت کے وجوب اور ان کے ساتھ مل کر قتال کرنے کے فتوے کے بارے میں ان کا طرزِ عمل مشہور ہے۔''

اسی طرح ابراہیم الصائغ کے ساتھ بھی ان کا یہی طرز عمل تھا۔ابوبکر الجصاص روایت کرتے ہیں:

" لمّا بلغ ابا حینفه قتل ابراهیم الصائغ بکی حتی ظننا انه سیموت مخلوت به فقال کان والله رجلا عاقلاً ولقد کنت اخاف علیه هذا لا مر ." (۴۵)

''جب (امام) ابوحنیفہؒ کو ابراہیم صائغ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ اس قدر روئے کہ ہم نے سمجھا کہ وہ اسی میں پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! وہ صاحب عقل آدمی تھے اور مجھے ان پر اسی بات کا خوف تھا۔''

امام صاحب ابراھیم الصائغ کے بارے میں بتاتے ہیں:

" فسالنی عن الامر بالمعروف والنهی عن المنکر الی ان اتفقنا

علیٰ انه فریضة من الله تعالیٰ فقال لی مد یدک حتیٰ ابایعک." (۴۶)

"انہوں نے مجھ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم کے بارے میں پوچھا تو ہم نے اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہونے پر اتفاق کیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہاتھ بڑھایئے، میں آپ کے ہاتھ پر (اس فریضے کی ادائیگی کی) بیعت کرتا ہوں۔"

امام صاحب مقتدر طبقے کو بیدخل کر کے اسلامی نظام خلافت کے نفاذ کے لیے جماعت کا ہونا لازمی قرار دیتے ہیں۔

" فاظلمت الدنیا بینی وبینه فقلت ولم قال دعانی الیٰ حق من حقوق الله فامتنعت علیه وقلت له ان قام به رجل وحده قتل ولم یصلح للناس امر ولکن ان وجد علیه اعواناً صالحین ورجلاً یرأس علیهم مائموناً علیٰ دین الله لا یحول ." (۴۷)

"انہوں نے مجھے حقوق اللہ میں سے ایک حق (فریضے) کی دعوت دی۔ میں رک گیا اور ان سے کہا کہ اگر اکیلا آدمی اس کام کے لیے کھڑا ہوگا تو قتل کر دیا جائے گا اور لوگوں کے (اجماعی) معاملہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی، لیکن اگر اسے نیک و صالح معاونین اور قیادت کرنے والا مل جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لوگوں میں مقتدر طبقہ چونکہ طاقتور ہوتا ہے اس لیے اس کو بیدخل کرنے اور خالص اسلامی نظام خلافت کے نفاذ کے لیے ایک آدمی کافی نہیں ہے کیونکہ اکیلا آدمی مقتدر منظّم طاقت کو نہیں ہٹا سکتا ہے بلکہ اس کے لیے منظّم جماعت کا ہونا ضروری ہے جو منظّم طریقے اور مضبوط و جامع منصوبہ بندی کے ساتھ طاقت کا استعمال کر کے اقتدار کو اپنے قبضے میں لے اور اسلامی نظام خلافت کا نفاذ کرے۔ امام اعظمؒ کا یہی فکر اور نظریہ تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

" وهذا فریضة لیست کسائر الفرائض لان سائر الفرائض یقوم بها الرجل وحده وهذا متی امربه الرجل وحده اشاط بدمه وعرض للقتل فاخاف ان یهین علیٰ قتل نفسه واذا قتل الرجل لم یجترئ غیره ان یعرض نفسه ولکنه ینتظر ." (۴۸)

"یہ فریضہ تمام فرائض کی طرح نہیں ہے۔ اس لیے کہ تمام فرائض کو اکیلا آدمی قائم کرتا ہے اور یہ فریضہ جب اکیلا آدمی اس کا امر کرے گا تو اس کا خون بہے گا اور گویا اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کرے گا۔"

حوالہ جات: بابِ احتسابِ خلافت

نمبر شمار	کتاب	صفحہ
۱۔	صحیح المسلم کتاب الامارة با ب اذا بویع الخلیفتین	
۲۔	مسند احمد	
۳۔	صحیح المسلم کتاب الامارة با ب اذا بویع الخلیفتین	
٤۔	احکام القرآن	۲۹/۲
٥۔	احکام القرآن	۳۰/۲
٦۔	الجامع لاحکام القرآن	۱٥۷/٤
۷۔	احیاء علوم الدین	۳۰/۲
۸۔	الجامع الاحکام القرآن	
۹۔	زاد المسیر	۳٥۲/۱
۱۰۔	تفسیر ابن کثیر	۷٥/۲
۱۱۔	سنن ابو داود	
۱۲۔	صحیح المسلم کتاب الامارة	
۱۳۔	احکام القرآن	۳٤/۲
۱٤۔	ردالمحتار	۲٦٤/۲
۱٥۔	مآثر الانافة	٦٦/۱
۱٦۔	غیاثی	۹۸
۱۷۔	ردالمحتار	۲٦٤/٤
۱۸۔	مآثر الانافة	٦٦/۱
۱۹۔	أیضاً	٦٦/۱۔٦۷
۲۰۔	أیضاً	٦۷/۱۔٦۸۔٦۹
۲۱۔	الجامع لاحکام القرآن	۲٥۹/۱

۲۲۔ ردالمحتار ۲٦٥/٤
۲۳۔ صحیح المسلم کتاب الامارة با ب الصبر
۲٤۔ ردالمحتار ۲٦۱/٤
۲٥۔ أیضاً
۲٦۔ جامع ترمذی
۲۷۔ ردالمحتار ۲٦٤/٤
۲۸۔ احکام القرآن ۳۲/۲
۲۹۔ الجامع لاحکام القرآن ۲٥۹/۱
۳۰۔ زاد المسیر ۳٥۲/۱
۳۱۔ شرح الطحاویه ۱۷۱۔۱۷۲
۳۲۔ شرح الطحاویه ۱۷۲
۳۳۔ جامع الترمذی ابواب الجهاد باب ما جاء فی طاعة الامام
۳٤۔ مسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء
۳٥۔ مسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء
۳٦۔ شرح النووی للمسلم کتاب الامارة باب وجوب طاعة الامراء
۳۷۔ زادالمسیر ۳٥۲/۱
۳۸۔ أیضاً ۔
۳۹۔ أیضاً ۔
٤۰۔ أیضاً ۔
٤۱۔ شرح الطحاویه ۹۲۔۹۳
٤۲۔ احکام القرآن ۲۰/۱
٤۳۔ احکام القرآن ۳۱/۲
٤٤۔ أیضاً ۳۲/۲
٤٥۔ أیضاً ۳۳/۲
٤٦۔ أیضاً ۳٤/۲
٤۷۔ أیضاً ۳٥/۲
٤۸۔ أیضاً ۳٦/۲

تتمہ

اب کیا کرنا ہوگا؟

محترم قارئین کرام! گزشتہ صفحات میں آپ نے خلافت سے متعلق مختلف ابحاث کا مطالعہ کیا ہے۔ پہلے حصے میں خیر القرون کے زمانے میں نظامِ خلافت کے عملی نفاذ اور غلبۂ اسلام و مسلمین، پھر زمانہء زوال کی روداد، سقوطِ خلافت کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات، اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے اٹھنے والی تحاریک، ان کے طریق کار، احیاءِ خلافت کا حقیقی منہج اور اس کی ذمہ داری سے متعلق اجمالی ابحاث آپ کے سامنے آچکی ہیں۔ اسی طرح دوسرے حصے میں آپ خلافت کی تعریف، مقاصد خصوصاً اقامت خلافت کی فرضیت اور دیگر ابحاث کا بھی مطالعہ کر چکے ہیں، جس سے آپ کے سامنے احیاءِ خلافت کی ضرورت واہمیت اور فرضیت روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے۔

اب یہاں خود بخود یہ سوال آپ کے ذہنوں میں پیدا ہوگا کہ احیاءِ خلافت کے اس اہم اور بنیادی فریضے کو کیونکر انجام دیا جاسکتا ہے؟

محترم قارئین! اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں ہمیں یہ مکمل واکمل دین اور ضابطۂ حیات عطا فرمایا ہے وہاں اس نظام کے نفاذ کا عملی نمونہ بھی پیش کر دیا ہے۔ دیگر دینی ودنیوی معاملات کی طرح احیاءِ خلافت کے لیے امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے کافی ہے، آج اور قیامت تک آنے والے ہر زمانے میں اس نظام کے نفاذ کے لیے منہج نبوی کو اختیار کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنی دعوت کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، آج اسی منہج کے بنیادی اصولوں کو وقت کے تقاضوں اور حال کے امر کے مطابق اپنا کر اسی جدوجہد کو آگے بڑھانا لازم ہے۔

اصحابِ دردِ دل مسلمانو! آج پوری دنیا میں مسلمان جس حالتِ زار میں ہیں وہ آپ کے سامنے ہے، ان کے مصائب، مسائل اور پریشانیوں سے آپ واقف ہیں، جس طرح امتِ مسلمہ آج اغیار کی فکری ونظریاتی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی غلام ہے، اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا، آج ہم دنیا کے ہر خطے میں جس طرح عالمِ کفر کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں تاریخ نے ایسا کبھی نہ دیکھا تھا، کیا ہم اب مزید ذلت، خواری، محکومی، بے وقعتی، بے بسی اور بیچارگی دیکھنا چاہتے ہیں؟ کیا ہماری آیندہ کی نسلیں بھی اسی کرب واذیت میں مبتلا رہیں گی؟ نہیں ہرگز نہیں، میرے بھائیو! ہمیں آج سے ہی اپنے سابقہ گناہوں، کوتاہیوں، غفلتوں اور لاپرواہیوں سے توبہ کر کے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم آیندہ یہ ذلت وخواری

برداشت نہیں کریں گے، امتِ مسلمہ کے دکھوں کے مداوے کے لیے حسبِ استطاعت سعی کریں گے، امت کے اجتماعی مفادات کو عیش وعشرت اور نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات پر ترجیح دیں گے، آج ہمیں یہ عزمِ مصمم کرنا ہوگا کہ ہم اغیار کی مادر پدر آزاد اور عریاں تہذیب ومعاشرت اور فرسودہ نظامِ حیات کو اپنانے اور اس کی سیاسی، عسکری، اور اقتصادی محکومی کو اپنائے رکھنے کی بجائے غلامی کے یہ طوق اپنی گردنوں سے اتار کر اسلامی تعلیمات اور تہذیب ومعاشرت کو اپنائیں گے، امتِ مسلمہ کے دینی و دنیاوی اجتماعی مسائل کا حل ''واحد نظامِ خلافت'' کے احیاء کے لیے عملی جدوجہد کریں گے، اس کے لیے ہر قسم کے ایثار اور ہر محبوب چیز کی قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار ہوں گے۔

خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینو! نظامِ خلافت کی اہمیت وضرورت اور اس کی فرضیت کو جاننے اور سمجھنے کے بعد ہمارے لیے اس بات کا کیا جواز ہے کہ ہم اب بھی پر سکون گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کیے رکھیں، دنیا کی فانی چیزوں کو ترک کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور نفسانی خواہشات کی تکمیل میں اس اہم دینی فریضے کو پس پشت ڈال دیں؟ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ روزِ جزا ہم سے اس ذمہ داری میں غفلت برتنے کا حساب نہ لیں گے؟ کیا ہم اپنے اس فریضے کو نظر انداز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے محبوب وانسانیت کے محسن اعظم اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری کے قابل رہیں گے؟

دین اسلام کے شیدائیو! ہمیں اب بیدار ہونا ہوگا، اپنے اور لوگوں کے اندر اقامتِ خلافت کی فرضیت اور اس کے لیے عملی جدوجہد کا شعور پیدا کرنا ہوگا، ہمیں نظامِ خلافت کے احیاء ونفاذ اور باطل نظاموں کے خلاف قیام کرنا ہوگا، اگر آج ہم نے اس کے لیے اقدام نہ کیا تو نہ صرف اقامتِ خلافت کے فریضے کو ترک کرنے والے قرار پائیں گے بلکہ اس کے نتیجے میں امتِ مسلمہ پر جو مزید تباہی وبربادی اور دینی ودنیاوی خسارہ آئے گا، اس کے ذمہ دار بھی ہم ہوں گے چنانچہ آیندہ آنے والی نسلیں ہمیں اچھے الفاظ میں یاد کریں گی نہ مؤرخ ہمیں معاف کرے گا۔ لہٰذا آج ہمیں اس فریضے کی انجام دہی اور نظامِ خلافت کے احیاء کے لیے نہ صرف خود قیام کرنا ہوگا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے تیار کرنا ہوگا تاکہ ایک منظّم جماعت جامع منصوبہ بندی اور ٹھوس لائحہ عمل کے ساتھ اس جدوجہد کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

اسی بات کی دعوت دینا اور اس کے لیے محض زبانی کلامی کی بجائے عملی اقدام کے لیے لوگوں کو بلانا ہر مسلمان خصوصاً علماءِ کرام کا بنیادی فریضہ ہے جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ یہی اس کتاب کی تالیف اور اس کی اشاعت کا مقصد ہے۔

رب ذوالجلال سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر محنت کو قبول کرتے ہوئے، اس عظیم مقصد کے لیے اعانت اور غیب کے خزانوں سے نصرت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

مراجع ومصادر

القرآن الكريم
الف
الجامع لاحكام القرآن
الاحكام السلطانيه لابى يعلىٰ
الاحكام السلطانيه للماوردى
السياسة الشرعية
الامامة العظمىٰ
المحلى لابن حزم
المفردات لغريب القرآن
الطبرانى فى الاوسط
التمهيد فى التوحيد
التفهيمات الالٰهيه
الصواعق المحرقة
التفسير الكبير
التفسير المظهرى
الفصل
الامامة والسياسة
المحرر الوجيز
البحر المحيط
احاطۂ دارالعلوم دیوبند میں بیتے ہوئے دن

إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء
اکمال اکمال المعلم
اسلام کا سیاسی نظام
اصول الدین
ارشاد الساری
احیاء علوم الدین
احکام القرآن للجصاص
احکام القرآن لابن العربی
ب
بدائع الصنائع
بحر العلوم
بیس مردانِ حق
بصائر و عبر
ت
تحفۂ خلافت
تاریخِ اسلام نجیب آبادی
تاریخ دعوت و عزیمت
تعمیر پاکستان اور علماءِ ربانی
تفسیر ابن کثیر
ج
جامع البیان للطبری
جامع الترمذی
ح

حیات امیر شریعت
حیات شیخ الإسلام
حسن یوسف
خ
خطباتِ جمعیت علماء ھند
ر
روح المعانی
روضة الطالبین
ردالمحتار
ز
زاد المسیر
س
سیرت لابن ھشام
سنن ابی داود
ش
شوریٰ کی شرعی حیثیت
شرح الفقه الأكبر
شرح العقائد النسفیة
شرح النووی لصحیح المسلم
شرح المقاصد
شرح الطحاویه
ص
صحیح البخاری

صحیح المسلم

صدائے حق

ط

الطبقات الکبری لابن سعد

ع

عمدة القاری

علماء ھند کا شاندار ماضی

عثمانی ترکوں کی مختصر تاریخ

غ

غیاث الامم فی التیاث الظلم

ف

فتاویٰ لابن تیمیہؒ

فتح القدیر

فتح الباری

فتاویٰ تاتار خانیة

ک

کتاب السنة

کیفیات

کلیات شیخ الھندؒ

گ

گل برگ (سیدانورحسین نفیس شاہ)

ل

لسان العرب

م
مستدرك حاكم
مسند لاحمد بن حنبلؒ
مکتوباتِ نبوی
منصبِ امامت
مقدمه ابن خلدون
مآثر الانافة فی معالم الخلافة
مصنف ابن ابی شیبة
ماهنامه انوار القرآن (حافظ الحدیث نمبر)
ماهنامه البلاغ